جلد 3

ایک عظیم علمی شاہکار

جدید موضوعات پر مشتمل علمی، فکری، اصلاحی خطبات کا نادر مجموعہ

خطباتِ شیخوپوری

افادات

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ

تقریظ

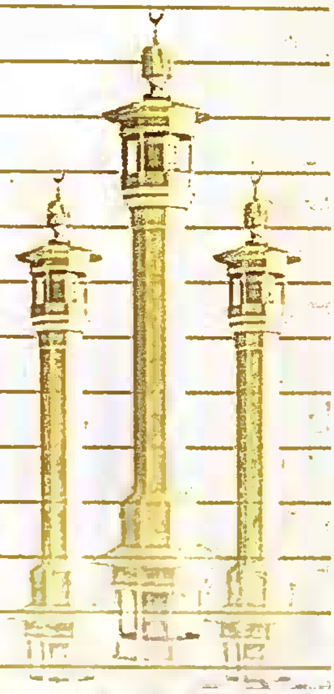
شیخ الحدیث

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

صدر وفاق المدارس پاکستان

جمع و ترتیب

مولانا اشفاق احمد





مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

ایک عظیم علمی شاہکار

جدید موضوعات پر مشتمل علمی، فکری، اصلاحی خطبات کا نادر مجموعہ

خطباتِ شیخوپوری

جلد 3

افادات

داعی قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ

تقریظ

شیخ الحدیث

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

صدر وفاق المدارس پاکستان

جمع و ترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

Tel: 021-34594144 Cell: 0334-3432345

نام کتاب .... خطباتِ شیخوپوری
ازافادات .... حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید
اشاعتِ اوّل .... نومبر 2015ء
تعداد 1100
طابع .... القادر پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر .... مکتبہ عمر فاروق 4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی
021-34594144 Cell: 0334-3432345
ای میل .... Mfarooq12317@yahoo.com
maktabaumarfarooq@gmail.com

قارئین کی خدمت میں

کتاب ہذا کی تیاری میں تصحیح کتابت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، تاہم اگر پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو التماس ہے کہ ضرور مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں ان اغلاط کا تدارک کیا جاسکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

مکتبہ معارف القرآن ۔ احاطہ دارالعلوم کورنگی کراچی 021-35031565
دارالاشاعت، اردو بازار کراچی 021-32631834
سعدی اسلامی کتب خانہ گلشن اقبال نمبر2 کراچی 0333-2305791
اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی 021-34927159
مکتبہ لدھیانوی علامہ بنوری ٹاؤن کراچی 021-34130020
قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی 021-32212220
مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ 081-2662263
کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار فیصل آباد 041-2631204
مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور 042-37224228
مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
مکتبہ علمیہ، جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ 092-3630594
مکتبہ عمر فاروق محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور
دارالاخلاص محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم

JAMIA FAROOQIA KARACHI
جامعہ فاروقیہ کراچی

باسمہ سبحانہ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ سید الاولین والآخرین احمد المجتبیٰ ومحمد المصطفیٰ ومن والاہ۔

مولانا اشتیاق احمد امام وخطیب جامع مسجد بلال ناظم آباد کراچی نے حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دروس قرآن مجید کے سلسلے میں کام کا اہتمام اور اشاعت کا نظم قائم کر رکھا ہے۔

پہلے انہوں نے "آسان درس قرآن" کے نام سے مولانا شہید کے دروس قرآن کو شائع کیا جو حضرت شہید رح کی حیات ہی میں منظر عام پر آگئے تھے۔

پھر دوسرا سلسلہ ~~شروع کیا~~ "درس کیوں اور کیسے" کو شائع کیا۔

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رح "القرآن کورس سینٹر" بہادر آباد میں ہر مہینے کے دوسرے اتوار کو درس دیا کرتے تھے جو جدید اور انتہائی فکری موضوعات پر مشتمل ہیں۔

ان دروس میں ۶۰ دروس کمپوز ہو چکے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مرحلہ [illegible]

مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رح بالکل معذور تھے چلنے پھرنے سے قاصر تھے لیکن وہ آیۃ من آیات اللہ تھے (وہ بہترین مدرس بھی تھے) اللہ جل وعلا نے ان سے تفسیر قرآن کریم کی عظیم خدمت کے ساتھ مخلوق کی ہدایت کے لئے بہت کام لیا (مولانا مرحوم اس معذوری کے باوجود دینی، اصلاحی و تربیتی خدمات انجام دینے کے لئے بیرون پاکستان مختلف دور دراز ملکوں کے سفر پر جاتے رہتے تھے)۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی خدمات کو صدقہ جاریہ بنا کر ان کو اور ان کے والدین، اعزاء، اقرباء، اساتذہ اور معاونین ومحبین کو اپنی شایان شان اجر وثواب عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

مولانا اشتیاق احمد انتہائی خوش نصیب اور قابل رشک ہیں جنکو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مولانا شہید رح کی قرآنی خدمات کو مرتب کرنے اور نشر کرنے کی توفیق سے سرفراز فرمایا ہے۔ ان کی ان مساعی کو اللہ پاک حسن قبول عطا فرمائیں، ان کے لئے، ان کے والدین، اعزاء، اساتذہ اور معاونین کے لئے بطور صدقہ جاریہ قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سلیم اللہ خان، خادم جامعہ فاروقیہ کراچی

۲۹ ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ
۱۳ ستمبر ۲۰۱۵ء

[illegible]

تقـــریظ

استاذ المحدثین، یادگارِ اسلاف، مخدوم العلماء صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب ادام اللہ ظلہم و فیوضہم



باسمہٖ تعالیٰ

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علی سید الاولین

والآخرین احمد مجتبیٰ و محمد ن المصطفیٰ و من والاہ

مولانا اشفاق احمد امام خطیب جامع مسجد بلال ناظم آباد ۲ نے حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ قرآن مجید کے سلسلے پر کام کا اہتمام اور اشاعت کا نظم قائم کر رکھا ہے۔

پہلے انہوں نے ''آسان درسِ قرآن'' کے نام سے مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دروسِ قرآن کو شائع کیا جو حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں منظر عام پر آگئے تھے۔ پھر دوسرا سلسلہ ''درسِ قرآن کیوں اور کیسے'' کو شائع کیا۔

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ ''القرآن کورسز سینٹر'' بہادر آباد میں ہر مہینے کے دوسرے اتوار کو درس دیا کرتے تھے جو جدید اور انتہائی فکری موضوعات پر مشتمل ہیں۔

ان دروس میں ۶۰ درس کمپوز ہو چکے ہیں ان کی اشاعت کا مرحلہ درپیش ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس مرحلہ کو آسان فرمادیں۔ آمین

مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ بالکل معذور تھے، چلنے پھرنے سے قاصر تھے، لیکن وہ آیۃ من آیات اللہ تھے اللہ جل وعلانے اُن کے تفسیر قرآن کی عظیم خدمت کے ساتھ مخلوق کی ہدایت کے لئے بہت کام لیا، وہ بہترین مدرّس بھی تھے۔ مولانا مرحوم اس معذوری کے باوجود اپنی اصلاحی تربیتی خدمات انجام دینے کے لئے بیرونِ پاکستان مختلف دور دراز ملکوں کے سفر پر جاتے رہتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کی خدمات کو صدقۂ جاریہ بنا کر اُن کو، اُن کے والدین کو، اعزاء، اقرباء، اساتذہ اور معاونین ومحبین کو ابدالاباد تک اجر وثواب عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

مولانا اشفاق احمد انتہائی خوش نصیب اور قابلِ رشک ہیں جن کو اللہ بزرگ وبرتر نے مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کی قرآنی خدمات کو مرتب کرنے اور نشر کرنے کی توفیق سے سرفراز فرمایا ہے ان کی مساعی کو اللہ پاک حُسنِ قبول عطا فرمائیں اُن کے لئے اُن کے والدین، اعزاء، اساتذہ اور معاونین کے لئے بطورِ صدقہ جاریہ قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سلیم اللہ خان

سلیم اللہ خان

خادم جامعہ فاروقیہ کراچی

۲۹ ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ

۱۲ ستمبر ۲۰۱۵ء

تــقــریظ

حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب دامت برکاتہم

نائب مفتی واستاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

Muhammad Abdul Mannan
محمد عبدالمنان

Naib Mufti & Ustad Jamia Darul-Uloom Karachi
نائب مفتی و استاذ جامعہ دارالعلوم کراتشی

Date:13.9.2015.
التاریخ ۲۸.۱۱.۱۴۳۶ھ

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین

امابعد!

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ العصر میں ایمان والوں کے اوصاف میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو حق بات کی تلقین کرتے ہیں، اور صبر کی تعلیم دیتے ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے: وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (سورۃ العصر)

اسی طرح حدیثِ مبارکہ ہے "الدین النصیحۃ" کہ دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے ایک اور حدیثِ مبارکہ ہے: "بلغوا عنی ولو آیۃ" میری طرف سے اگر دین کی ایک بات بھی تمہیں معلوم ہو تو آگے دوسروں تک پہنچاؤ"۔

مندرجہ بالا ارشادات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دین کی نشر و اشاعت تمام مسلمانوں کی اجتماعی اور انفرادی ذمہ داری ہے، اور اسی ذمہ داری کے مختلف شعبے درس وتدریس، تصنیف تالف، وعظ اور تبلیغ وغیرہ کو مسلمانوں نے بحسن وخوبی سنبھالا ہے، اور

اپنی اس ذمہ داری سے توفیق اور اپنی استطاعت کے مطابق عہدہ برآ ہونے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

عوامی سطح پر سب سے زیادہ نافع ترین سلسلہ وعظ وتقریر، بیانات وخطبات کا ہے۔اور اصلاح معاشرہ میں یہ بیانات وخطبات ایک کلیدی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ عام مسلمان جو دینی مدارس میں داخلہ لے کر باقاعدہ علم دین حاصل نہیں کر سکتے وہ زیادہ تر علماء کے بیانات ہی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لحاظ سے مستند علماء کے خطبات ایک مؤثر ذریعہ تبلیغ ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی ''خطبات شیخوپوری'' ہے، جو کہ داعی قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سالہا سال کے خطبات کا قیمتی مجموعہ ہے جو مولانا موصوف کے علمی، فکری، اور اصلاحی کاوشوں کا بہترین نمونہ ہیں۔

مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے مختلف صلاحیتوں سے نوازا تھا، وہ بیک وقت مفسرِ قرآن، کہنہ مشق مدرس اور عوامی سطح کے بہترین خطیب بھی تھے، جن کے اصلاحی، فکری بیانات اور درس قرآن سے بلاشبہ لاکھوں لوگوں نے استفادہ کیا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (سورۃ الجمعہ)

مولانا اشفاق احمد صاحب حفظہ اللہ، فاضل جامعہ دارالعلوم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے انتھک کوششوں کے ذریعہ خطبات کے اس مجموعہ کو مرتب کیا، مولانا موصوف کا نام علماء کے حلقے میں محتاج تعارف نہیں ہے، وہ اس سے پہلے بھی مولانا شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ قرآن پر کام کر چکے ہیں اور آسان درسِ قرآن کے نام سے ''عَمَّ پارہ'' کی تفسیر اور ''درس قرآن کیوں اور کیسے؟'' شائع کر چکے

ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکتیں عطاء فرمائے اور مزید علمی کاموں کی توفیق بخشے، آمین۔

مذکورہ خطبات کے حوالے سے یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ درحقیقت عوامی بیانات کا مجموعہ ہے، کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں، لہٰذا اس میں تقریری رنگ غالب اور نمایاں نظر آتا ہے، تاہم مجموعی طور پر یہ ایک فکر انگیز خطبات کا مجموعہ ہے جس سے کوئی خطیب مستغنی نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے طلبہ، طالبات علماء اور عام مسلمانوں کے لئے نافع بنائے اور مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت کا ذریعہ بنائے، اور مرتب موصوف کے والدین اور اساتذہ کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔

آمین۔۔۔۔ واللہ المستعان

حررہٗ

محمد عبد المنان

نائب مفتی: جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

13/09/2015

عرضِ مرتب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی: امّا بعد!

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہی سچا دین ہے)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی حیات ابدیہ اپنے مبارک دین اسلام میں رکھی ہے۔خوش قسمت ہے وہ انسان جو دین کی آغوش میں اپنی دنیا کی چندروزہ حیاتِ مستعار گزار کر ہمیشہ کی کامیابیاں پالیتا ہے،صدیوں سے اسلام کا یہ ابدی پیغام پہنچانے کے لئے ہر دور کے پاسبان دین وملت تحریر وتقریر دونوں انداز سے امت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے چلے آرہے ہیں۔

دورِ حاضر میں امت مسلمہ جس جدیدیت کے فتنہ کا شکار ہے، ان کا یہ اعتراض زبانِ زدعام ہے کہ اکیسویں صدی کے جدید مسائل پر برسوں پرانے اسلام کی تعلیمات کی تطبیق ناممکن ہے امت کے ایسے ہی سوالات نیز دورِ حاضر کے دوسرے اہم مسائل کا جواب دینے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت واسعہ سے داعیِ قرآن، مفسر قرآن، واعظ شیریں بیان حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید نَوَّرَ اللہ مَرْقَدَہٗ، جیسی عظیم علمی شخصیت کا انتخاب فرمایا اور ''القرآن کورسز نیٹ ورک'' بہادرآباد، کراچی پاکستان کے اسٹیج سے بھائی محمد الطاف موتی صاحب اوران کی ٹیم کی معاونت سے دورِ حاضر کے نت نئے

جدید موضوعات پر سیر حاصل بیانات کا سلسلہ شروع فرمایا۔ جو 2006ء تا 2012ء تک ہر ماہ کے دوسرے اتوار نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوتے رہے۔ انہی بیانات کو محترم جناب بھائی محمد الطاف موتی صاحب معیاری سی ڈیز پر ریکارڈ کر کے افادۂ عام کے لئے پیش فرماتے رہے۔ داعی قرآن حضرت شیخو پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا آخری یادگار بیان ''مسلمانوں کے زوال سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا'' مورخہ 13 مئی، 2012ء کو فرمایا اس کے بعد وہ جامِ شہادت نوش فرما کر داعیٔ اُجل کو لبیک کہتے ہوئے اُمّت کو سوگوار چھوڑ گئے۔

حضرت شیخو پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص اور باوفا دوست برادرِ مکرم جناب محمد شفیق اجمل صاحب حفظہ اللہ جہاں اہل حق کی ترجمان ایک معیاری ویب سائٹ درس قرآن ڈاٹ کام www.darsequran.com پر حضرت کے دروسِ قرآن کریم نشر کرتے رہے، وہیں ان نت نئے موضوعات پر مشتمل بیانات کو بھی نشر کرتے چلے آرہے ہیں اور امت کے نفع کا سامان مہیا کرتے چلے آرہے ہیں۔

تاہم بندہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے اس علمی ذخیرہ کو تقریر سے تحریر کی شکل میں لانے کا کام حضرت شیخو پوری شہید رحمۃ اللہ علیہ کی دیرینہ خواہش کو سامنے رکھ کر کرنے کے لئے کمر بستہ ہوگیا۔ بندہ نے جب کام شروع کیا تو اس وقت بنیادی طور پر پیش نظر ''القرآن کورسز سینٹر'' میں ہونے والے بیانات کا مجموعہ تھا، جس میں سے کچھ بیانات ''ندائے منبر و محراب'' جلد ۷ میں شائع ہو گئے۔ افادۂ عام کے لئے انہیں بھی شامل کرلیا گیا۔

بعد میں حضرت شیخو پوری رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ اہم موضوعات پر مشتمل چند دیگر

بیانات دستیاب ہوئے، اکابر اساتذہ اور اپنے رفقاء کی مشاورت سے انہیں بھی خطباتِ شیخوپوری کا حصہ بنادیا گیا۔ اللہ کے فضل وکرم سے ۸۰ بیانات کا مسودہ تیار ہونے کے بعد کمپوزنگ کے مراحل سے بحمد اللہ گزر چکا ہے حضراتِ اکابر اور اساتذۂ کرام زید مجدہم کے مشورہ سے تقریباً ۷ جلدوں پر مشتمل خطباتِ شیخوپوری کے نام سے ایک عظیم علمی شاہکار وجود میں آرہا ہے۔

بلاشبہ تمام تر لوازمات کی کماحقہٗ رعایت کرتے ہوئے تقریر سے تحریر کا اسلوب اختیار کرنا مجھ جیسے عاجز انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ تاہم بندہ عاجز نے چند امور کا لحاظ رکھا ہے۔

① ۔حتی الوسع حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا حقیقی مواد تحریر میں لایا گیا ہے۔

② ۔مکررات کو حذف کر کے تحریر کو آسان اسلوب میں رکھا گیا ہے۔

③ ۔ہر موضوع پر اٹھنے والے سوالات کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔

④ ۔ انہی اجمالی سوالات کو حل کرتے ہوئے اس میں عام فہم ضروری عنوانات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

یہ خطباتِ شیخوپوری تقاریر کا مجموعہ ہے جنہیں قلم بند کر کے زیورِ طبع سے آراستہ کرنے میں میرے جن معاونین کا خلوص اور محنت میرے ساتھ رہی ان کا میں تہہ دل سے بے حد ممنون وشکر گزار ہوں جن میں برادرِ مکرم جناب محمد الطاف موتی صاحب، جناب مولانا خالد محمود صاحب اور جناب بھائی محمد فیاض صاحب (مالک مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی) وغیرہ کے نام سرِ فہرست ہیں۔

قابلِ ذکر بھائی محمد فیاض صاحب علم اور علماء کے وہ قدردان شخص ہیں جو میرے حوصلے ''آسان درسِ قرآن'' سے لے کر ''خطبات شیخوپوری'' تک مسلسل بڑھاتے رہے اور میرے اس کام پر بھرپور توجہ اور لگن کا اظہار فرماتے رہے۔ یقیناً ان خطبات کو منظر عام پر لانے کا پہلا سہرا ابھی پھر انہی کے سر سجتا ہوا اچھا لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام مساعیٔ جمیلہ میں ان کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

اور میں بے حد ممنون ہوں اپنے شفیق و مہربان استاذ محترم جناب حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب زید مجدہم (نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی) کا جنہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود نظر ثانی فرما کر بعض جگہ تصحیح فرمائی اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تمام متوسلین حضرات اساتذۂ کرام، والدین اور میرے تمام معاونین کے لئے اس کتاب کو ذریعہ نجات اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

تقبل اللہ منّا و ممّن سعٰی فیہ۔ آمین

دعا گو و دعا جو

بندہ مولانا اشفاق احمد عفا اللہ عنہ

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
امام وخطیب جامع مسجد بلال
ناظم آباد نمبر ۲ کراچی
0321-2343648

اجمالی فہرست

برائے

خطباتِ شیخوپوری

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

اسلام میں معاملات کی اہمیت

- کیا واقعی تین چوتھائی دین معاملات میں اور ایک چوتھائی عبادات میں ہے؟
- کیا معاملات کی تلافی عبادات سے ہوسکتی ہے؟
- معاملات میں ہونے والی خرابی سے توبہ کا طریقہ کیا ہے؟
- تصوف اور معاملات کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

اسلامی نظامِ عدل کی خصوصیات

- اسلام سے قبل عدل وانصاف کی پامالی
- قاضی اور جج کے اوصاف کیا ہیں۔
- آزاد عدلیہ کا قیام کیسے ممکن ہے؟
- اسلامی نظامِ عدل وانصاف دیگر نظام ہائے عدل وانصاف سے برتر کیوں؟
- کیا سستا اور فوری انصاف شرعی نظامِ عدل کے ذریعے ممکن ہے؟
- ججز اور وکلاء کے کرنے کا اصل کام

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

اسلام کا نظامِ تعلیم وتربیت

- کتاب وسنت کی روشنی میں تعلیم وتربیت کی اہمیت
- سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ تعلیم وتربیت
- کیا علمِ قدیم اور علمِ جدید میں تضاد ہے؟
- دینی ودنیاوی درسگاہوں میں فاصلہ کیسے کم کیا جاسکتا ہے؟
- ملک عزیز میں نافذ موجودہ نصابِ تعلیم ہمارے نوجوانوں پر کیا اثرات مرتب کر رہا ہے؟
- سیکولر این جی اوز سے وابستہ مختلف امتحانی تعلیمی بورڈز کی ہمارے ملک میں آمد کے کیا مقاصد ہیں؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

اسلام نے کتنی شادیوں کی اجازت دی ہے؟

- اسلام نے مرد کو ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت کیوں دی ہے؟
- کیا تعدد ازواج کی اجازت عورت پر ظلم ہے؟
- کیا مرد کی طرح عورت کو بھی بیک وقت ایک سے زیادہ شوہر رکھنے کی اجازت دی جا سکتی ہے! نہیں تو کیوں؟
- نبی کریم ﷺ کی زیادہ شادیوں میں کیا حکمت تھی اور اس حوالے سے مستشرقین کے اعتراضات کی حقیقت کیا ہے؟
- ایک سے زیادہ شادی کرنا فرض ہے یا مستحب یا کچھ اور؟
- بیویوں کے درمیان انصاف کرنے کے حوالہ سے قرآنی احکامات کیا ہیں؟
- ہم جنس پرستی کو اسلام کس نظر سے دیکھتا ہے؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

نکاح، طلاق اور خُلع کا اسلامی تصور

- نکاح والی زندگی بہتر ہے یا بے نکاحی؟
- مغربی دنیا میں شادیوں سے فرار کن قباحتوں کو جنم دے رہا ہے؟
- طلاق دینے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟
- کیا عورت کو طلاق کا حق دیا جاسکتا ہے۔ نہیں تو کیوں؟
- حلالہ کی حقیقت کیا ہے؟
- کیا عورت یک طرفہ خلع لے سکتی ہے؟
- طلاق میں کیا قباحتیں پوشیدہ ہیں؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

خاندانی منصوبہ بندی اور اسلام

- خاندانی منصوبہ بندی میں کیا فوائد اور کیا نقصانات پوشیدہ ہیں؟
- کیا خاندانی منصوبہ بندی کی ہر صورت حرام ہے؟ اگر نہیں تو کن شرطوں کے ساتھ جائز ہے؟
- اسقاط حمل اور نس بندی کو اسلام کس نگاہ سے دیکھتا ہے؟ دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی رحمت ہے یا زحمت؟
- مغربی دنیا میں انسانوں کی گھٹتی آبادی اور مسلم دنیا میں انسانوں کی بڑھتی آبادی مستقبل کا کیا نقشہ پیش کرتی ہے۔

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

قتل عمد، قتل خطا، قصاص ودیت کے شرعی احکام

- قتل اور قتل خطاء میں کیا فرق ہے؟
- حکم قصاص میں کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں؟
- قصاص لینے کا حق کسے حاصل ہے؟
- اسلام میں غیر ملکی سفیروں کو کیا حقوق حاصل ہیں؟
- قصاص کب واجب ہوتا ہے؟
- حربی اور ذمی کافر کس کو کہا جاتا ہے؟
- کیا صدر مملکت کو حق حاصل ہے کہ وہ قصاص معاف کر دے؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

حدود تعزیرات کا اسلامی تصور

- جرائم کی کتنی اقسام ہیں؟
- وہ جرائم جن پر شرعی سزائیں مقرر ہیں کتنے ہیں؟
- چور کی سزا قرآن کی نظر
- حدود اللہ کی کتنی اقسام ہیں
- حد کن وجوہ کی بنیاد پر ساقط ہو جاتی ہے؟
- مجرم اور معاشرہ اسلام کی نظر میں
- حقوق نسواں بل اور اسلام

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

عالمی وملکی سطح پر بھوک افلاس وغذائی قلت کے اسباب

- کیا عالمی سطح پر غذائی قلت کا ذمہ دار موجودہ سرمایہ دارانہ نظام ہے؟
- ورلڈ بینک، IMF اور یہودی لابی کے زیر تسلط ملٹی نیشنل کمپنیوں کا کردار بھوک وافلاس کے حوالے سے۔
- سرمایہ دارانہ نظام کے اہم عناصر ''ارتکاز دولت'' اور ''سٹہ بازی'' موجودہ صورتحال کو ابتر بنانے میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟
- بھوک وافلاس کی موجودہ کیفیت کو ختم کرنے کے حوالے سے قرآن وحدیث ہماری کیا رہنمائی کرتے ہیں؟

اجمالی عنوانات برائے موضوعات

اسلام میں غلامی کا تصور

- کیا انسان کو غلام بنانا جائز ہے؟
- کیا دنیا میں غلامی کے نظام کو رواج دینے کا ذمہ دار اسلام ہے؟
- کیا اب بھی جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈی بنایا جاسکتا ہے؟
- سرخ ہندی (RedIndias) کون تھے اور ان پر انسانیت سوز مظالم کس نے ڈھائے؟
- آزادی اور غلامی کا حقیقی معیار کیا ہے؟
- ماڈرن انسان نے غلامی کی کونسی شکلوں کو رواج دیا ہے؟

تفصیلی فہرست

خطبات شیخوپوری جلد سوم

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

عنوان	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

صفحہ نمبر	عنوان

عنوان	صفحہ نمبر

ختم شد

اسلام میں معاملات کی اہمیت

ازافادات

داعی قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

- کیا واقعی تین چوتھائی دین معاملات میں اور ایک چوتھائی عبادات میں ہے؟

- کیا معاملات کی تلافی عبادات سے ہوسکتی ہے؟

- معاملات میں ہونے والی خرابی سے توبہ کا طریقہ کیا ہے؟

- تصوف اور معاملات کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ

اَمَّا بَعۡدُ:

فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۰۸﴾

(سورۃالبقرۃ208)

اسلام میں معاملات کی اہمیت

میرے اسلامی بھائیو اور بہنو! جیسا کہ بتایا گیا کہ ہمارے آج کے درس کا موضوع ہے" اسلام میں معاملات کی اہمیت" اور اس موضوع کو اجاگر کرنے کے لئے اور اسکے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لئے جو سوالات اٹھائے گئے ہیں ان میں سے پہلا سوال یہ ہے کہ کیا واقعی تین چوتھائی دین معاملات میں اور صرف

ایک چوتھائی عبادات میں ہے؟

میں اس حوالے سے عرض کروں گا کہ اسلام میں پانچ شعبے ہیں۔عقائد،عبادات، معاملات، اخلاقیات اور معاشرت۔ان میں سے عقائد کا تعلق تو نظریہ، فکر اور دل کے ساتھ ہے باقی چاروں کا تعلق عملی زندگی کے ساتھ ہے۔عبادات میں آپ سرِ فہرست نماز کو دیکھیں کہ یہ ہر کسی پر فرض ہے مرد پر بھی اور عورت پر بھی، صحت مند پر بھی اور بیمار پر بھی اور امیر پر بھی اور غریب پر بھی، جوان پر بھی اور بوڑھے پر بھی، مسافر پر بھی اور مقیم پر بھی لیکن یہ صرف دن میں پانچ بار پڑھی جاتی ہے۔

دوسرے نمبر پر روزے ہیں۔اور روزے پورے سال میں صرف ایک مہینہ فرض ہیں۔

تیسرے نمبر پر زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ بھی پورے سال میں صرف ایک بار صاحب نصاب پر فرض ہوتی ہے۔چوتھے نمبر پر حج ہے اور یہ بھی صاحب استطاعت پر پوری زندگی میں صرف ایک دفعہ فرض ہے، لیکن جہاں تک معاملات کا تعلق ہے تو یہ دن رات پیش آتے ہیں۔ہم بیچتے ہیں تو معاملات کرتے ہیں، خریدتے ہیں تو معاملات کرتے ہیں، بدلہ دیتے ہیں تو معاملات کرتے ہیں، کرائے پر دیتے اور لیتے ہیں تو معاملہ کرتے ہیں، قرض کا لین دین کرتے ہیں تو معاملہ کرتے ہیں ، اگر کارخانہ چلاتے ہیں تو مزدور کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، اگر دکان چلاتے ہیں تو گاہک سے معاملہ کرتے ہیں، کسی محلے میں رہتے ہیں تو اپنے پڑوسی سے معاملہ کرتے ہیں، اگر حکمران ہیں تو رعایا کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، اگر ذمہ دار ہیں تو معاملہ کرتے ہیں، اگر کاشتکار ہیں تو بھی معاملہ کرتے ہیں، اگر قاضی ہیں تو معاملہ کرتے ہیں، سپاہی ہیں تو عوام سے معاملہ کرتے ہیں، بادشاہ ہیں تو اپنی رعایا سے معاملہ کرتے ہیں، شوہر ہیں تو

اپنی بیوی سے معاملہ کرتے ہیں، والد ہیں تو اپنی اولاد سے معاملہ کرتے ہیں، ہم اپنے رشتہ داروں سے معاملہ کرتے ہیں۔ تو معاملات گویا ایسی چیز ہے جس سے ہمیں دن رات واسطہ پیش آتا ہے اور ہر کسی کو پیش آتا ہے۔

حقوق اللہ وحقوق العباد کی تاکید کی وجہ؟

عام طور پر جتنے حقوق ہیں تو ان کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ حقوق اللہ ۲۔ حقوق العباد

حقوق اللہ کی بڑی تاکید کی گئی ہے لیکن حقوق اللہ کی تاکید کی ہے ان کی عظمت کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی وجہ سے، لیکن حقوق العباد کی تاکید ہے بندوں کی ضرورت کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ کو تو کسی چیز کی ضرورت نہیں، نہ ہمارے قیام کی، نہ ہمارے رکوع کی، نہ ہمارے سجدوں کی، نہ ہماری تحمید کی، نہ ہماری ثناء کی، نہ ہماری تسبیح کی، نہ ہماری تقدیس کی، نہ ہمارے حج کی، نہ ہمارے عمروں کی، نہ ہمارے طوافوں کی ضرورت اور ہماری عبادت سے اللہ کی سلطنت میں، اللہ کی بادشاہی میں، اللہ کی بزرگی میں، اللہ کی کبریائی میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا۔ اگر ہم اس دنیا میں رہنے والے سارے کے سارے انسان، سارے مرد جنید بغدادی بن جائیں اور ساری عورتیں رابعہ بصریہ بن جائیں تو اللہ کی کبریائی میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا۔

اور اگر سارے کے سارے انسان ظالم بن جائیں، ڈاکو بن جائیں، بے نمازی بن جائیں کوئی ایک بھی اللہ کو جاننے والا نہ ہو، کوئی ایک بھی حج وعمرہ کرنے والا نہ ہو تو اللہ کی سلطنت میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہوگی۔ تو اللہ کے حکموں میں جو تاکید ہے وہ عظمت کی وجہ سے ہے، بڑائی کی وجہ سے ہے۔

اور بندوں کے حقوق میں جو تاکید ہے تو وہ ضرورت کی وجہ سے ہے۔ ہم تو ضرورت مند ہیں، ہم محتاج ہیں۔ تو اللہ نے اپنے حقوق پر بندوں کے حقوق کو ترجیح دی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاملات کی وجہ سے ان حقوق اللہ میں ڈنڈی ماریں، نماز قضا کریں اس کو کم تر سمجھیں، اس کو استحقار کی نظر سے دیکھا جائے، یا استخفاف کی نظر سے دیکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کو کم تر چیز سمجھا تو ایسے شخص کے بارے میں خطرہ ہے کہ وہ ایمان سے خارج ہوجائے گا، جو نماز کو کم تر سمجھے، حج وعمرہ کو کم تر سمجھے اور زکوٰۃ کو کم تر سمجھے تو اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ اللہ پاک نے اپنے حقوق پر بندوں کے حقوق کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ فرمادیا کہ بندوں کے حقوق اللہ معاف نہیں فرمائیں گے۔ ہاں! اگر اس نے عبادت میں کمی ہے ہے تو ممکن ہے کہ اللہ معاف فرمادیں لیکن بندوں کے حقوق میں اللہ معاف نہیں کریں گے۔

حاجت عظمت پر مقدم ہے

عام طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات حب کو عظمت پر مقدم رکھا جاتا ہے، میں اپنی اس بات کو چند مثالوں سے واضح کرتا ہوں، مثلاً: میرے استاد میرے محسن، میرے مربی، میرے شیخ مجھے بلا رہے ہیں اور دوسری طرف مریض جو آخری سانسیں لے رہا ہے وہ بھی مجھے بلا رہا ہے۔ تو میں اپنے استاد کی عظمت پر مریض کی حاجت کو مقدم رکھوں گا۔ تو عام طور پر عظمت کو حاجت پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ اگر میں نے محض استاد کے احترام کی وجہ سے اس مریض کو نظر انداز کیا اور وہ مر گیا تو میں اللہ کے ہاں پکڑا جاؤں گا، مسلمان کی زندگی بچانے پر مقدم کردیا۔

دوسری مثال! میرے پاس پانی ہے سفر میں ایک اللہ والا ہے، اسے نماز پڑھنے

کے لئے پانی کی ضرورت ہے کہ وہ اس سے وضو کرے اور دوسری طرف ایک پیاسا ہے جو پانی مانگ رہا ہے۔ اپنی پیاس بجھانے کے لئے تو اللہ والے کی عظمت کا تقاضا کہ میں اسے پانی دے دوں کہ وہ وضو کر کے نماز پڑھ لے لیکن دوسری طرف حاجت مند انسان ہے تو یہاں میرا دین میری رہنمائی کرتا ہے کہ تم اس عظمت پر اس حاجت کو مقدم کرلو۔ وضو کا بدل تو ہوسکتا ہے کہ تیمّم کرلے لیکن پیاس کا بدل نہیں۔ تو یہاں میں عظمت پر حاجت کو مقدم کرنے پر مجبور ہوں۔

معاملات کی اہمیت کی وجہ

میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ معاملات کی اہمیت عبادات میں کیوں ہیں؟ بغیر اس کے کہ میں عبادت کے درجے کو گھٹاؤں لیکن عبادت کے درجے میں معاملات کی اہمیت زیادہ ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ عبادات تو اللہ کے لئے ہیں حال یہ ہے کہ نماز دن میں پانچ بار، حج زندگی میں ایک بار، زکٰوۃ سال میں ایک بار، اور روزہ سال بھر میں ایک بار، لیکن معاملات ایسی چیز ہیں کہ لحہ لحہ آدمی کو درپیش آتے ہیں۔ آپ دیکھیں ہمارے مدارس میں فقہ کی جو کتاب پڑھائی جاتی ہے، ہدایہ اس کی چار جلدیں ہیں: ایک جلد صرف عبادات سے متعلق ہے، باقی تین جلدیں معاملات پر ہیں۔ استنجاء سے لے کر جنازے تک ساری چیزیں بیان کردیں۔ ایک ہی جلد میں لیکن معاملات کی تین جلدیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملات دین کا تین چوتھائی اور عبادات ایک چوتھائی حصّہ ہیں۔

اعمال نامے کی تین قسمیں

خود نبی اکرم ﷺ نے معاملات کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: مشکوٰۃ

شریف کی ایک حدیث ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: اَلدَّوَاوِیْنُ ثَلاَ ثَۃٌ اعمال نامے تین قسم کے ہوں گے۔ دِیْوَانٌ لاَ یَغْفِرُ اللہُ پہلی قسم جس کو اللہ کسی صورت بھی معاف نہیں فرمائیں گے وہ ہے اَلْاِشْرَاکُ بِاللہِ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اس لئے کہ اللہ فرماتے ہیں اِنَّ اللہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ اللہ تعالیٰ شرک کے جرم کو معاف نہیں کریں گے۔ اس کے علاوہ جتنے چاہیں گناہ معاف فرمادیں گے۔

وَدِیْوَانٌ لاَ یَتْرُکُہُ اللہُ دوسری قسم کا اعمال نامہ وہ ہوگا جسے اللہ پاک کسی صورت میں نہیں چھوڑے گا، کسی صورت میں معاف نہیں کرے گا۔ وہ یہ ہے کہ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْ مَا بَیْنَھُمْ انسانوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا، وہ ظلم اللہ معاف نہیں کرے گا حَتّٰی یَقْتَصَّ بَعْضُھُمْ مِنْ بَعْضٍ (جب تک کہ بندہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا بدلہ نہ لے لے اللہ معاف نہ کرے گا)۔ تیسری قسم کے اعمال نامے وَدِیْوَانٌ یَعْبَأُ اللہُ بِہٖ وہ ہیں جسکی اللہ پرواہ نہیں کرتا۔ حدیث کے الفاظ ہیں یہ نہ سمجھیں کہ میں نے اپنی طرف سے الفاظ استعمال کردیئے ان الفاظ کو سن کر کہیں ایسا نہ ہو کہ آپکے دل میں عبادات کی اہمیت کم ہوجائے، لیکن اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے تیسری قسم کا اعمال نامہ وہ ہوگا کہ جسکی اللہ پرواہ نہیں کرے گا اور وہ کیا ہیں؟ تو فرمایا ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ اللہِ جو انسانوں نے عبادات میں کوتاہی کی ہو فَذَالِکَ عَلَی اللہِ تو یہ معاملہ اللہ کے حوالے ہوگا اِنْ شَآءَ عَذَّبَہٗ وَاِنْ شَآءَ تَجَاوَزَ عَنْہُ (چاہے تو اسکو عذاب دے، چاہے تو معاف کردے) تو ایک قسم وہ ہے جسکی معافی کی کوئی صورت نہیں یہ ہے شرک کا عمل اور دوسری قسم کا عمل وہ ہے

کہ جب تک بندہ معاف نہ کرے تو اللہ بھی اسکو نہ چھوڑے گا۔ یہ ہے حقوق العباد یعنی بندوں کا معاملہ۔

اور تیسری قسم کا عمل وہ ہے کہ اگر اللہ چاہے تو درگزر کا معاملہ فرمادے اور چاہے تو عذاب دیدے اور یہ وہ عمل ہے کہ بندے نے اللہ کی نافرمانی، کی عبادات میں کوتاہی کی۔ اس حدیث میں بھی معاملات کی اہمیت سمجھ آتی ہے کہ باجود یہ کہ اللہ قادر ہے۔ وہ جو چاہے کرسکتا ہے وہ اگر کسی کو معاف کردے تو اسے کوئی پوچھنے والا نہیں اور اگر عذاب دے دے تو کوئی اس سے سوال کرنے والا نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ معاملات میں، حقوق العباد میں جب تک کہ صاحب حق اسے معاف نہ کردے یا بدلہ نہ لے لے تو میں اسکو معاف نہ کرونگا۔

حقوق العباد کی اہمیت

صحیح بخاری میں ایک دوسری حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی پر زیادتی کی ہو، اس پر ظلم کیا ہو، اس کا پیسہ دبایا ہو، اسکی عزت پر داغ لگایا ہو، اسے بدنام کیا ہو اس کا دل دکھایا ہو فرمایا کہ آج اس دنیا میں اسے معاف کرالے۔ قَبْلَ اَنْ لَّا یَکُوْنَ دِیْنَارٌ وَّلَا دِرْھَمٌ اس دن کے آنے سے پہلے جب انسان کے پاس نہ کوئی درہم ہوگا، نہ دینار۔ ہاں اگر اس کے نیک اعمال ہونگے تو وہ صاحب حق کو دے دیئے جائیں گے۔ تو یہ دو احادیث معاملات اور حقوق العباد کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

دین داری میں پختگی کا معیار کیا ہے؟

یہاں پر یہ وضاحت بھی کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاں دین داری میں

پختہ ہونے کا معیار یہ ہے کہ کوئی شخص عبادات میں اچھا ہو لیکن معاملات میں کمزور ہو، ہم اس کو دینداری میں پختہ سمجھتے ہیں اگر وہ نماز پڑھتا ہے، ذکر واذکار کرتا ہے، حج کرتا ہے اس نے عمرے کئے ہوں سر پر ٹوپی پگڑی ہو تو ہم اس کو دین میں پختہ سمجھتے ہیں اسکے ہاتھ میں تسبیح ہے چاہے وہ معاملات میں معاذ اللہ! جھوٹ کیوں نہ بولتا ہو۔ ہم اسے دیندار سمجھتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں دین داری کا معیار کیا تھا

جبکہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں دینداری کا معیار یہ تھا کہ عبادت کے بعد اسکے پورے معاملات شریعت کے اندر ہوں اس سلسلے میں صرف ایک واقعہ پیش کرونگا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں دو گواہ جو تھے ان میں سے ایک کی دینداری کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے اسکی تحقیق کی تو ضرورت نہ تھی لیکن دوسرے گواہ کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے پوچھا کہ تم میں سے کوئی شخص اس کے بارے میں اسکی عدالت و دینداری کی گواہی دیتا ہے؟ تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ حضرت! میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ شخص دیندار ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کہ: هَلْ جَاوَرْتَهُ (کیا تم کبھی اس کے پڑوس میں رہے ہو؟) کہا نہیں۔ پھر فرمایا أَمْ صَحِبْتَ مَعَهُ فِي السَّفَرِ؟ (کیا تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟)۔ جواب دیا نہیں۔ پوچھا: أَمْ عَقَدْتَ مَعَهُ عَقْدًا؟ کیا تم نے کبھی اسکے ساتھ کوئی عقد کیا ہے؟ کوئی چیز خریدی بیچی ہے؟ قرض کا لین دین کیا ہے؟ کہا نہیں۔ میں نے نہ کبھی اسکے پڑوس میں سکونت اختیار کی۔ نہ اسکے ساتھ سفر

کیا۔ اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی عقد کیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عجیب بات کہی فرمایا: فَلَعَلَّكَ رَأَيْتَهُ خَارِجاً عَنِ الْمَسْجِدِ بَعْدَ الصَّلوٰةِ (میرا خیال یہ ہے کہ پھر شاید کہ تم نے اسے مسجد سے نماز پڑھنے کے بعد نکلتے ہوئے دیکھا ہوگا۔) وہ شخص کہنے لگا: جی ہاں ! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فَأَنْتَ لَا تَعْرِفُهُ تم اس کو نہیں جانتے کہ یہ کیسا ہے؟ یہ صرف نماز سے پتا نہیں چلے گا؟ یہ تقویٰ میں کیسا ہے؟

صرف عبادت دینداری کا معیار نہیں

نماز پڑھنا بلاشبہ بہت بڑی عبادت ہے۔ ایمان والوں کی معراج ہے، اسلام اور کفر میں فرق کرنے والی ہے، دین کا ستون ہے۔ نماز ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔ لیکن اس کے باوجود کسی کی دینداری ثابت کرنے کے لئے نماز کافی نہیں جب تک کہ وہ معاملات میں صاف ستھرا نہ ہو۔ ہم اس کو دینداری کا سرٹیفکیٹ نہیں دے سکتے۔ یاد رکھیے! جھوٹ بولنے والا دیندار نہیں ہوسکتا، خیانت کرنے والا ،غبن کرنے والا، حرام کھانے والا، ظلم کرنے والا، بھائی بہنوں کی میراث ہڑپ کر جانے والا، انسانوں کو ناحق ستانے والا، پڑوسیوں پر زیادتیاں کرنے والا دیندار نہیں ہوسکتا، چاہے وہ نماز ہی کیوں نہ پڑھتا ہو۔ صرف نماز سے، صرف ٹوپی سے، صرف تسبیح ہاتھ میں پکڑنے سے کسی کی دینداری ثابت نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ معاملات میں، خرید و فروخت میں، قرض کے لین دین میں، امانت میں وہ صاف ستھرا نہ ہو، اسکے معاملات شریعت کے مطابق نہ ہوں اور معاملات صرف مالی نہیں معاملات کا دائرہ تو بہت وسیع ہے۔ کسی کی جان، آبرو کے لئے خطرہ بننا یہ بھی معاملات کی خرابی ہے اور یہ بھی ایسی چیز ہے جو کسی کی دینداری پر داغ لگاتی ہے۔

سب سے نازک معاملہ

البتہ معاملات میں سب سے نازک مسئلہ مالی معاملات کا ہے اور یہ ایسا معاملہ ہے کہ بہت سارے لوگ جنہیں ہم بظاہر دیندار سمجھتے ہیں، وہ بھی کوتاہی کا شکار ہوتے ہیں۔ اسلامی معاملات کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ کسی نے کہا کہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کے کنویں میں چڑیا گر جائے تو مسئلہ پوچھتے ہیں۔ لیکن مال کے معاملہ میں اگر حرام کا پورا ہاتھی گر جائے تو کسی سے نہیں پوچھتے ہضم کر جاتے ہیں۔ چڑیا گر گئی تو پریشان ہے کہ کنواں کیسے پاک ہوگا؟ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ اسکی تو ساری کمائی حرام کی ہے، سارا پیسہ حرام کا، دوسرے کے حقوق دبائے بیٹھا ہے کسی مفتی سے نہیں پوچھتا کہ میرا یہ مال میرے لئے حلال بھی ہے یا نہیں؟ جبکہ آقا ﷺ کی احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حرام پیسے سے اگر مسجد بناتا ہے تو اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہے، مدرسہ بناتا ہے قبول نہیں ہے۔ مسافر خانہ بناتا ہے تو اللہ کے ہاں قبول نہیں ہے، رفاہی ادارہ بناتا ہے تو مقبول نہیں ہے۔ حتّٰی کہ حرام کھانے والا دعا کرتا ہے تو اسکی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حرام کی نحوست

اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں! پراگندہ بال، پراگندہ حال، ہاتھ لمبے کر کے دعا مانگتا ہے۔ اللہ! رحم کر دے معاف کر دے، شفاء دے دے، اللہ! پریشانیاں دور کر دے، فرمایا اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟ کھانا بھی حرام کا، پانی بھی حرام کا، لباس بھی حرام کا، مکان بھی حرام کا بنایا ہوا، اور اس کے اوپر لکھا ہوا ہے کہ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي یہ میرے ربّ کا فضل ہے۔ رب کا فضل نہیں ہے یہ حرام کی کمائی کا نتیجہ ہے۔

بنگلے بنائے بیٹھا ہے اور بد بخت او پر لکھتا ہے، هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ یہ میرے رب کا فضل ہے۔ حرام کو رب کا فضل کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ علماء نے لکھا کہ حرام مال والے کو چاہئے کہ کسی نہ کسی طریقے سے اس مال کو اپنے سے دور کر دے۔ ایسے ہی جیسے کپڑوں کو نجاست لگ جاتی ہے تو ہم کسی نہ کسی طریقے سے اس نجاست کو اپنے سے دور کر دیتے ہیں۔ اسی طرح حرام مال کو بھی اپنے سے دور کرنا ضروری ہے۔ یہاں تک لکھا ہے کہ حرام مال میں اللہ کی رضا اور ثواب کی نیت کرنا جائز نہیں ہے۔ ارے! حرام دینے سے اللہ کیسے راضی ہوگا اور حرام کے خرچ کرنے پر کیسے ثواب ملے گا؟ اور اللہ کیسے راضی ہوگا؟ اور خاص کر مالی معاملات میں یہ چیز ضروری ہے کہ ہماری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ اَلْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

مسلم وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔

مسلمان کے تین حقوق

ایک اللہ والے فرماتے ہیں کہ مسلمان کے تین حقوق ہیں؛ پہلا حق یہ ہے کہ اگر اس کی مدد نہیں کر سکتے تو اس کو تکلیف بھی نہ دو۔ دوسرا حق یہ ہے کہ اگر تم اسے خوشی نہیں دے سکتے تو رنج بھی نہ دو۔ تیسرا حق یہ ہے کہ اگر تم اس کی تعریف نہیں کر سکتے تو اس کی برائی بھی نہ کرو۔ ہم فائدہ تو کیا دیں گے نقصان دینے کے چکر میں لگے رہتے ہیں اور کسی کو خوشی کیا دیں گے رنج پہنچانے کی کوشش میں رہتے ہیں اور کسی کی تعریف تو کیا کریں گے پیٹھ پیچھے غیبتیں کر کے اسے بدنام کرتے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے پیارے طریقے سے فرمایا کہ دیکھو! جانور تین قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ کہ جن سے عام طور پر فائدہ ہوتا ہے۔ کسی سے دودھ، کسی سے گوشت، کسی سے سواری، اور کسی سے تینوں فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

دوسری قسم کے جانور وہ ہیں جن سے نقصان ہی نقصان ہوتا ہے، فائدہ کچھ بھی نہیں ہوتا، جیسے سانپ، بچھو اور دوسرے درندے ہیں۔

اور تیسری قسم کے وہ جانور ہیں کہ جن سے نہ فائدہ ہوتا ہے اور نہ ہی نقصان۔ جیسے لومڑی، گیدڑ وغیرہ۔ تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ انسان سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو اشرف المخلوقات ہے جس کی تعریف، جس کے حسن اور جس کی عظمت کے لئے اللہ نے چار قسمیں کھائیں۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝١ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝٢ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝٣

(انجیر کی قسم، زیتون کی قسم، اور طور سینین کی قسم۔ اس شہر مکہ مکرمہ کی قسم۔ کہ ہم نے انسان کو سب سے خوبصورت سانچے میں بنایا۔ یہ انسان کے حسن کی بھی اور عزت وعظمت کی بھی اللہ تعالیٰ تعریف کر رہے ہیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا!

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور بر و بحر پر ہم نے اس کو سواری دی۔ اور بہت ساری مخلوق پر ہم نے ان کو عزت دی تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ اے انسان! تم تو اشرف المخلوقات ہو۔ اگر انسان نہیں بن سکتے تو کم از کم حیوان جیسے بن جاؤ جو فائدہ تو دیتا ہے لیکن نقصان نہیں دیتا۔ جیسے کہ بھیڑ، بکری لیکن کتنے ہیں ہم میں کہ جو انسان تو دور کی

بات ان بھیڑ بکری جیسے فائدے مند بھی نہیں ہیں۔ میرے والد نے کہا تھا کہ:

فرشتوں سے بڑھ کر ہے انسان بننا
مگر اس میں محنت ہے بہت زیادہ

تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ! کم از کم ان جیسے بنو جو صرف فائدہ دیتے ہیں نقصان نہیں اور درندوں جیسے نہ بنو۔ ہم میں سے کتنے ہیں، جو سانپ ہیں، ہم میں سے کتنے ہیں جو بچھو ہیں۔

ایک اللہ والے نے دوسرے اللہ والے سے کہا: سب انسان ہیں، پھر اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! انسان کی حقیقت اسکو دکھا دے۔ اب جب نظر اٹھائی تو بازار کے اندر کوئی گدھا چل رہا تھا، کوئی گھوڑا، کوئی خنزیز، کوئی شیر، کوئی چیتا کتنے ہی تھے جن میں حیوانوں والی صفات تھیں، تو یہ سمجھایا گیا کہ تم اگر کسی کو فائدہ نہیں دے سکتے تو کم از کم تکلیف نہ دو۔ دوسروں کو اپنی تکلیف سے، اپنے شر سے بچانے کی کتنی اہمیت ہے۔

مسلمانوں کو ایذا رسانی سے بچانے کی کیا اہمیت ہے؟

اندازہ لگایئے کہ فقہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہو یا آپ کو نزلہ ہو، کھانسی ہو، بار بار بلغم اور ناک صاف کرنا پڑ رہا ہو، یا کچی پیاز، کچی مولی کھالی ہو تو گھر میں نماز پڑھو جائز ہے۔ حالانکہ جماعت کی کتنی اہمیت ہے۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمان تو مسلمان منافق کو بھی جماعت چھوڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ میں جماعت کھڑی کر دوں اور پھر گھروں میں چکر لگاؤں اور دیکھوں کہ جو بغیر عذر کے گھروں میں نماز پڑھ رہے

ہیں تو میں آگ کا انتظام کراؤں اور انکے گھروں کو آگ لگا دوں۔ کتنی بڑی اہمیت ہے جماعت کے ساتھ نماز کی۔ لیکن اس کے باوجود اجازت دی گئی کہ اگر آپ کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہو رہی ہے تو آپ اپنی نماز گھر پر پڑھ لیں۔

ایذا رسانی کے خوف سے حضور ﷺ کا حجر اسود کو بوسہ دینے سے گریز

حجر اسود کو بوسہ دینا کتنی بڑی فضیلت کی بات ہے۔ اس کو بوسہ دینے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، جنت سے آیا ہوا پتھر ہے، اور نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا کہ اگر دوسروں کو تکلیف ہو رہی ہو تو حجر اسود کو بوسہ نہ دو۔

طواف کے سات چکروں میں صرف ایک بوسہ کی وجہ

نبی کریم ﷺ جب حج وعمرہ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ چاہتے تو طواف کے ہر چکر پر حجر اسود کو بوسہ دے سکتے تھے۔ اس زمانے میں تو لوگ بھی کم تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے لئے جگہ خالی فرما لیتے۔ لیکن آپ ﷺ نے ہر چکر پر بوسہ نہیں دیا چونکہ آپ جانتے تھے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ جب یہاں ازدحام ہوگا، اور بے پناہ رش، ہوگا ہجوم ہوگا تو دوسروں کو تکلیف ہوگی۔ تو آپ نے امت کو ایک نمونہ دیا اس لئے آپ ﷺ نے اشارہ فرما کر اپنے ہاتھ کو بوسہ دیا اور لکڑی لگائی اور اُسے چوم لیا اور امت کو بتا دیا کہ اگر دوسروں کو تکلیف سے بچانے کے لئے ایسا کرو گے اور صرف ہاتھ سے اشارہ کر کے ہاتھ کو چوم لو گے تو تمہیں اللہ ویسا ہی ثواب دیں گے جیسا تم نے حجر اسود کو چوم لیا اور اگر دھکے کے ذریعہ سے حجر اسود کو چوم بھی لیا تو ثواب تو کیا، الٹا عذاب کا اندیشہ ہے۔

آپ میں سے بہت سے حضرات نے دیکھا ہوگا کہ لوگ حجر اسود کو چومنے

کے لئے نہ بوڑھے کا خیال رکھتے ہیں اور نہ مریض کا، نہ عورتوں کا۔ دھکم پیل کے ذریعے سے کسی نہ کسی طریقے سے حجرِ اسود کو بوسہ دے لیں گے اور ایسے بھی جن کے ذہن میں شاید یہ ہوگا کہ جیسا بھی ہو حجرِ اسود تک اپنے آپ کو پہنچانا چاہئے۔ اور زور آزمائی بھی کرتے ہیں اور بہت سے تو ایسے بھی ہیں کہ وہ اپنے اس کارنامے کی تشہیر کرتے ہیں کہ کیسے ہم نے لوگوں کو تکلیف دے کر اپنے آپ کو حجر اسود تک پہنچایا۔ اور فخر سے اپنا یہ کارنامہ بیان کرتے ہیں۔

ایک شخص نے کسی اللہ والے کے سامنے بیان کیا کہ میں نے کعبہ کے اردگرد چودہ چکر لگائے۔ اور ہر چکر میں حجر اسود کو بوسہ دیا۔ اللہ والے نے فرمایا کہ تم نے تیرہ بندوں کے حق مارے ہیں، تم ایک بوسہ دیتے تو کافی ہوجاتا تم نے کتنے لوگوں کو پریشان کیا ہوگا۔ اپنی طاقت اور جوانی دکھانے کے لئے زور آزمائی کی ہوگی۔ تو دوسرے مسلمان کو تکلیف سے بچانے کے لیے حجرِ اسود کے بوسہ کو چھوڑنا جائز، جماعت کی نماز کو چھوڑنا جائز ہے لیکن دوسروں کو تکلیف دینے سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو اس پر عمل کرنے والے ہیں ہم تو تکلیف دینے کے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں۔ مسجد کے اسپیکر کھول دیئے۔ نعت خوانی چل رہی ہے، شبینہ ہو رہا ہے۔ اور مسجد میں دو چار بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ بھی گپ شپ میں مصروف ہیں، اور اسپیکر ایسے کھولے ہیں جیسے مسجد کے اندر ہزاروں کا مجمع ہے، میں نے اپنی آنکھوں سے یہ مجمع دیکھا ہے اور پورا محلہ پریشان ہو رہا ہے! ہم کتنوں کو تکلیف دے رہے ہیں لیکن فکر ہی نہیں!

وعدہ خلافی بھی ایذا رسانی کا سبب

وعدہ خلافی بھی ایذا رسانی کا سبب ہے۔ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا کہ میں ۱۲ بجے

آرہا ہوں اب میں منتظر ہوں کہ بارہ بجے تشریف لائیں گے اور آپ ۴ بجے آئے۔ کتنی تکلیف دی اور پرواہ ہی نہیں کہ وعدہ خلافی کررہا ہوں۔ اسی طرح آپ نے قرضہ لیا اور وعدہ کیا کہ یکم فروری کو ادا کروں گا، یکم فروری ۲۰۰۸ تو دور کی بات یکم فروری ۲۰۰۹ کو بھی ادا نہ کیا کتنی بڑی وعدہ خلافی کی اور وعدہ خلافی عام ہوگئی۔ دوسرے کا حق دبا لیتے ہیں قرضہ لیکر دوسرے کا حق دبا لیتے ہیں۔ پرواہ ہی نہیں! تقریبات دیکھیں خواہ دنیاوی ہوں یا دینی جلسہ کی تقریب۔ لکھا ہوا ہے کہ عصر کے بعد شروع ہوگا اور عشاء ہوگئی اب تک منتظمین ہی نہیں پہنچے جب پوچھو کہ بھئی! یہ کہاں ہیں؟ تو کہتے ہیں ہم نے عصر کے بعد لکھا تا کہ کم از کم لوگ عشاء کے بعد تو آئیں۔ لوگ آتے ہی نہیں بھئی یہ کیا لکھا ہے؟ ہم کیا کریں؟ لوگ آتے نہیں ہیں۔ ہم نے عصر کے بعد لکھا تا کہ کم از کم لوگ عشاء کے بعد تو آئیں گے۔ اور شادی بیاہ کی تقریبات میں کھانے کا وقت لکھا ہوا ہوتا ہے کہ دس بجے اور شروع کب ہوتا ہے دو بجے کے بعد! وقت کتنی قیمتی متاع ہے۔ ہم کتنی بے دردی سے اسے ضائع کررہے ہیں آج کل تو شادی بیاہ اور منگنی کی تقریبات فجر کی اذانوں کے وقت ختم ہوتی ہیں۔

ہماری مسجد کے بالکل قریب، ایک صاحب ہیں جو ہمیں عاشق رسول ﷺ سمجھنے کو تیار نہیں۔ انکے ہاں منگنی کی تقریب ہوئی۔ عشاء کے بعد گانا بجانا شروع ہوا اور ٹھیک فجر تک چلتا رہا۔ پڑوسیوں سے ہم نے پوچھا انہوں نے بتایا کہ ہم پوری رات جاگتے رہے، بچے بھی، عورتیں بھی جاگ رہی ہیں، بوڑھے بھی۔ کسی کو پرواہ ہی نہیں کہ کسی کو تکلیف ہورہی ہے۔ ہم راستے میں کچرا ڈال دیتے ہیں پڑوسی کے گھر کے سامنے۔ اب دوسروں کو تکلیف ہورہی ہے۔ یہ معاملات ہیں۔ میں نے

عرض کیا کہ معاملات صرف خرید وفروخت میں نہیں ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ نیچے کچرے کا ڈھیر لگا ہوا ہے اور اوپر لکھا ہوا ہے کہ "صفائی نصف ایمان ہے" اور نیچے بیٹھے پیشاب کر رہے ہیں، نیچے کچرے کا ڈھیر لگا ہوا ہے ایسا لگتا ہے کہ ڈنکے کی چوٹ پر اُس حدیث کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ راستوں میں جگہ بنانے کے لیے غلط جگہ پر گاڑی پارک کر دیتے ہیں۔ دوسروں کو تکلیف ہو رہی ہے اور سڑکوں پر رش لگا ہوا ہے لائن بنانے کا تو ہمارا رواج ہی نہیں۔ ہر جگہ دھکا دینے کا رواج ہے۔ دھکا دے سکتے ہو تو آگے نکل جاؤ گے ورنہ پیچھے ہی رہو۔

صف بندی کا رواج ہی ختم ہو گیا

ایسا رواج بن گیا ہے کہ سیاست سے لے کر تجارت تک، صدر مملکت سے لے کر مزدور تک کا مزاج بن گیا کہ دھکا دو گے تو آگے نکل جاؤ گے ورنہ پیچھے ہی رہو۔ جس امت کو صف بندی سکھائی گئی، لائن بنانا سکھایا گیا تھا ایسی صف بندی کہ ایڑیوں کے ساتھ ایڑیاں ملی ہوتیں، کندھوں کے ساتھ کندھے ملے ہوئے ہوتے۔ اب عملی زندگی میں صف بندی بنانا تو جائز ہی نہیں سمجھتے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ صف توڑنے اور دھکا دینے کو فرض سمجھتے ہیں۔ جہاں دیکھیے چاہے بل جمع کروانے کے لئے جائیں، یا گاڑی میں جائیں گاڑی میں داخل ہو رہے ہوں یا گاڑی سے نکل رہے ہوں، یہاں تک کہ ہوائی جہاز میں بھی۔ ہوائی جہاز میں تو زیادہ تر پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں۔ قرآن کی برکت سے میرا بھی کافی سفر جہاز میں ہوتا ہے تو میں نے دیکھا کہ جہاز جب لینڈ ہو رہا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ بتیاں بجھنے کا انتظار کریں، دروازے کھلنے کا انتظار کریں۔ لیکن کوئی نہیں کرتا: پڑھا لکھا، ان پڑھ، سب پہلے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں

۔بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا طریقہ ہوتا کہ دروازے خود کھول سکتے تو آدھے جہاز والے تو فضاء ہی میں چھلانگ لگا لیتے۔

ایک دفعہ سفر ہوا۔سیال کوٹ میں چونکہ ابھی ابھی نیا ہوائی اڈا بنا ہے تو سیال کوٹ والے کھڑے ہو گئے وہ میرا گاؤں ہے، وہ میرا گاؤں ہے۔مجھے یقین تھا کہ اگر دروازہ کھل جائے تو یہ ابھی اپنے گاؤں میں اُتر جائیں۔میرے بھائیو! دوسروں کو تکلیف دینا یہ کہاں کی دینداری ہے؟ ہم شریعت کو بدنام کر رہے ہیں۔یہ اسلام کے معاملات ہیں۔

اسلام ہر خوبی کا حکم دیتا ہے

کوئی نظم وضبط نہیں، دوسروں کو تکلیف دینا، دھکا دینا اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ہم اس کے خلاف کر کے اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔وعدہ خلافی کر کے، جھوٹ بول کے، دھوکا دے کے، کچرا پھیلا کر، دھکا دے کر، اسلام کو بدنام کر رہے ہیں اللہ اکبر! کل ہی ایک رسالے میں میں نے ایک خط پڑھا، مجھے بہت دُکھ ہوا، تنقیدی قسم کا خط تھا۔اللہ اُس لکھنے والے کو ہدایت دے، یورپ کے کسی ملک میں اس نے سفر کیا۔وہ کہتا ہے کہ یورپ میں ایک جگہ لوگ بڑے صاف ستھرے تھے،اس کی بیوی مسلمان نیک خاتون تھی۔اس نے اشارہ کیا کہ کتنے اچھے لوگ ہیں۔اپنی بیوی سے کہنے لگا بتاؤ کہ ہم مسلمان ہیں یا عیسائی مسلمان ہیں؟ اللہ اکبر! دین کو بدنام کرنے کی ہم کوشش کرر ہے ہیں۔وہ لوگ تو یہ سب کچھ دنیا داری کے لئے کرر ہے ہیں۔لوگوں کو دکھانے کے لئے کرر ہے ہیں۔جبکہ ہمیں تو ہمارا اسلام پابند کرتا ہے کہ ہم یہ کریں۔ہمارا دین حکم کرتا ہے۔وعدہ کی پابندی کا، وقت کی پابندی کا، وقت ضایع نہ کرنے کا، جھوٹ نہ

بولنے کا، صف بندی کا، دوسروں کو تکلیف نہ دینے کا ہمیں تو ہمارا دین حکم دے رہا ہے۔ وہ تو دنیا کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں۔ اور حیرت کی بات ہے کہ ہم جیسے یورپ جاتے ہیں، وہاں انکے اصول پر چلتے ہیں۔ پان تک نہیں تھوکتے کیوں کہ ہمیں پتہ ہے کہ وہاں پان کی پیپ تھوکنے پر بھی جرمانہ ہے۔ لیکن پاکستان کے ائیر پورٹ پر آتے ہی ہم ایسا ہی کر لیتے ہیں۔ گملوں کو دیکھئے پان تھوکا ہوا ہوتا ہے اس لئے کہ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ بھئی! ہمارا دین ہمیں یہ حکم کرتا ہے کہ صفائی نصف ایمان ہے، ہمیں دنیاوی زندگی بھی ٹھیک کرنی ہوگی، لوگ ہماری ٹوپی کو دیکھ کر مسلمان نہیں ہوں گے، روزوں کو دیکھ کر، حج کو دیکھ کر، مسلمان نہیں ہوں گے لوگ تو ہمارے معاملات کو دیکھ کر مسلمان ہوں گے۔ ہمارے تو اخلاق بگڑے ہوئے ہیں ان کو ٹھیک کرنا ہوگا۔ تو یہ پہلے سوال کا جواب تھا کہ کیا واقعی تین چوتھائی دین معاملات میں ہے اور ایک چوتھائی عبادات میں ہے؟ اس سوال کے جواب کے ضمن میں میں نے معاملات کی اہمیت بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب دوسرا سوال یہ کہ کیا معاملات کی تلافی عبادات سے ہوسکتی ہے؟

کیا معاملات کی تلافی عبادات سے ہوسکتی ہے؟

جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں! کسی نے کسی کا حق دبایا ہوا ہے۔ بہنوں کی میراث، بھائیوں کی میراث پر قبضہ جمایا ہوا، پلاٹوں پر ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے، مزدور کی تنخواہ دبائی ہوئی ہو۔ وہ یاد رکھے کے اس کی نماز اسے اللہ کی پکڑ سے نہیں بچاسکتی۔

حقیقی مفلس کون؟

وہ مشہور حدیث تو آپ نے سنی ہوئی ہوگی کہ ایک مرتبہ جناب رسول اکرم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ مفلس کون شخص ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ جس

کے پاس مال روپیہ نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ لیکن حقیقی مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن آئے گا اور نیکیاں ساتھ لائے گا، نمازیں لائے گا، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ، حج وغیرہ اپنے ساتھ لائے گا۔ لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر ناحق ہاتھ اٹھایا ہوگا۔ فرمایا کہ جب حق والے آئیں گے تو اس کی ساری نیکیاں اٹھا کر لے جائیں گے۔ اور نیکیاں تقسیم ہو جانے کے بعد بھی اس کا حساب ختم نہ ہو سکا تو پھر ان کے گناہ اس کے سر پر ڈال دیئے جائیں گے فرمایا یہ ہے مفلس اور کنگلا۔ دنیا میں تو وقت گزرتا رہتا ہے۔ آج ایک شخص غریب ہے کل امیر ہو جائے گا۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں۔

بعض لوگ بھول جاتے ہیں اور بعض لوگ یاد رکھتے ہیں۔ کہ ہم کل تک کتنے غریب تھے اللہ نے ہمیں امیر بنایا یا ہمیں نوازا۔ دنیا میں تو حالات بدلتے رہتے ہیں۔ دنیا کا مفلس حقیقی مفلس نہیں ہے، حقیقی مفلس آخرت کا مفلس ہے۔ اسلیے کہ آخرت میں جو ایک مرتبہ مفلس ہو گیا اب اُس کے پاس نیکیاں کمانے کا کوئی چانس نہیں، کوئی مہلت نہیں، دنیا میں تو واپس نہیں آنے دیا جائیگا۔ اور آخرت عمل کی جگہ نہیں، آخرت تو جزا کی جگہ ہے۔

سوءِ معاملات کی تلافی

تیسرا یہ سوال اٹھایا گیا کہ معاملات میں ہونے والی خرابی سے توبہ کا طریقہ کیا ہے؟ ہاں تو یہ بھی سن لیجیے! اگر کسی نے معاملات میں ہونے والی خرابی سے توبہ کرنی ہے تو اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ وہ کسی مسجد کے کونے میں بیٹھ جائے، اور استغفار کرے، یا صبح و شام سو سو بار استغفار کرے، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی کا مال ہڑپ کیا ہے تو صاحبِ حق کا مال لوٹا دے۔ اور اگر کسی پر تہمت لگائی ہے تو سرِ عام یہ اقرار کرے کہ

میں نے جھوٹ بولا تھا، اس پر تہمت لگائی تھی، یہ پاک دامن ہے اگر کسی کی غیبت کی ہے تو اس سے معافی مانگے اس کے بغیر توبہ قبول نہ ہوگی۔ اگر کسی پر جسمانی ظلم کیا ہے، تو یا تو اس کو بھی انتقام لینے کا موقعہ دے یا پھر معاف کروائے، صرف مسجد میں بیٹھ کر توبہ کرنے سے حقوق العباد میں ہونے والی زیادتیاں معاف نہیں ہوں گی۔

آقا ﷺ کا آخری ایام میں عجیب عمل

قربان جاؤں اپنے آقا ﷺ کے قدموں کی خاک پر۔ ایک ایک چیز عملی طور پر دکھلا دی ، زندگی کے آخری ایام تھے۔ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے صحابہ اکرم رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ لوگو! اگر میں نے کسی پر ظلم کیا تو مجھ سے بدلہ لے لے۔ اور کسی کا کوئی روپیہ پیسہ ہے تو وصول کر لے۔ اللہ اکبر!

ایک صحابی نے کہا آپ پر میرا ایک بدلہ ہے۔ آپ ﷺ نے مجھے کمر پر چھڑی ماری تھی۔ حضور ﷺ نے چھڑی ہاتھ میں لی اور فرمایا: آؤ تم بھی میری کمر پر چھڑی مارو اور بدلہ لے لو۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے جس وقت چھڑی ماری تھی اس وقت میری کمر ننگی تھی۔ آپ ﷺ نے بلا تکلف اپنی قمیص اوپر کی اور فرمایا کہ آؤ میری ننگی کمر پر چھڑی مارو۔ اللہ اکبر! آپ سوچ سکتے ہیں کہ جب یہ منظر ہوگا۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل و دماغ پر کیا گذر رہی ہوگی، جب اُن صحابہ کا حال تو یہ تھا کہ ایک مرتبہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو جب پھانسی پر چڑھانے کے لئے لے جایا گیا اور چاروں طرف دشمن نیزے، تلواریں اور خنجر لئے کھڑے تھے اور ان کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتے تھے تو ان سے پوچھا گیا کہ کیا تم یہ گوارا کرو گے کہ تمہارے بدلے (نعوذ باللہ) محمد ﷺ کو پھانسی دی جائے؟ تو سچے عاشقِ رسول صحابیٔ رسول ﷺ نے جواب دیا تھا

کہ پھانسی دیئے جانا تو بہت بڑی بات ہے۔ اگر تم یہ فیصلہ کرو کہ مدینے میں بیٹھے ہوئے آقا محمد ﷺ کے پاؤں میں کانٹا چبھو دو تو تم مجھے آزاد کرو گے، زندگی دے دو گے، تو میں یہ سودا بھی قبول نہیں کروں گا۔ جن کی محبت کا یہ عالم تھا تو کیا گزر رہی ہوگی ان کے دل پر! لیکن وہ بھی عجیب دیوانہ تھا آگے بڑھا اور آگے بڑھ کر کمر مبارک پر جو مہرِ نبوت تھی اُس کو بوسہ دے دیا کہنے لگا کہ یارسول اللہ! ﷺ میری کیا جرأت کہ آپ کے جسم مبارک پر چھڑی ماروں؟ میں مہر نبوت کو بوسہ دینا چاہتا تھا۔ اور عرصہ سے میری یہ خواہش تھی، کہ جو آج اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی تو توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی کا حق دبایا ہے تو واپس کر دے۔ زیادتی کی ہے تو اس کو موقعہ دیں۔ کہ وہ بدلہ لے لے یا پھر اس سے معاف کروائیں۔ یہ ہے توبہ کا طریقہ کار۔

تصوف اور معاملات کا آپس میں تعلق

اور چوتھا اور آخری سوال یہ ہے کہ تصوف اور معاملات کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ سب سے پہلے جان لیجیئے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تعریف کی ہے، مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا انسان کا پہچان لینا کہ میرے فائدے کی چیز کیا ہے اور میرے نقصان کی چیز کیا ہے؟ اپنے حقوق کو بھی پہچان لینا، اپنے فرائض کو بھی پہچان لینا۔ اب اس تعریف کے اندر تصوف بھی آ گیا، معاملات بھی آ گئے، ظاہری اعمال بھی آ گئے۔ اور باطنی اعمال بھی آ گئے۔ ظاہری اعمال کو ہم فقہ کہتے ہیں، اور باطنی اعمال کو تصوف کہتے ہیں۔

تصوف کیا ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ لوگوں نے تصوف کو ایک معمہ سمجھ لیا ہے۔ ایک چیستان سی

بنالی ہے۔لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف میں کشف ہوتے ہیں کرامتیں ہوتی ہیں، خواب آتے ہیں، الہام ہوتے ہیں، انوار و کیفیات حاصل ہوتی ہیں۔اور خاص خاص قسم کی ہیئت اختیار کی جاتی ہے۔تصوف یہ نہیں ہے،تصوف تو اپنے ظاہر و باطن کو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کا نام ہے اور بالخصوص اپنے معاملات کو شریعت کے نظام میں ڈھالنے کا نام تصوف ہے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو کہ مایہ ناز شاگرد تھے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے،انہوں نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں۔

ایک یہودی نے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو اسلام قبول کرلیا اور کہنے لگا کہ محمد صغیر کے علم کا یہ حال ہے تو محمد کبیر کے علم کا کیا حال ہوگا۔اور مسلمان ہوگیا۔تو اللہ نے اتنا نوازا تھا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو، کہ بہت سے موضوعات پر کتابیں لکھیں۔کسی نے پوچھا کہ آپ نے تصوف کے موضوع پر کتاب کیوں نہ لکھی؟۔تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے کتاب البیوع لکھی ہے خرید و فروخت اور معاملات کے مسائل الگ سے کتاب لکھنے کی ضرورت نہ رہی۔جس کے معاملات درست ہو گئے تو بس وہ حقیقت میں صوفی ہے۔مثال کے طور پر کسی نے کہا کہ ہمارے ہاں صوفی اس کو کہتے ہیں جس کی ہر چیز بے ڈھنگی ہو، بالوں کی تراش خراش بے ڈھنگی ہو، لباس بے ڈھنگا، پوری زندگی بے ڈھنگی۔

لیکن حقیقت میں صوفی وہ ہے کہ جو شریعت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو۔پہاڑ کے غار میں اور جنگل کے درختوں میں اور میدانوں میں ایک لاکھ دفعہ اللہ اللہ کرنا آسان ہے۔لیکن بازار کے بیچ میں اسلام کے طریقے پر عمل کرنا مشکل ہے۔صوفی تو وہ ہے کہ جس کی صوفیت تجارت میں بھی اس کے ساتھ ہوتی ہے، دکان میں بھی

اس کے ساتھ ہوتی ہے۔تو اصل صوفی تو یہ ہے۔

تو تصوف اور معاملات کا آپس میں بہت زیادہ تعلق ہے، تو معاملات کی صفائی کو تصوف کہتے ہیں۔تو میرے بھائیو اور بہنو! آج کے موضوع پر یہ کچھ معروضات تھیں جو میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔ یہ بہت ہی اہم معروضات ہیں۔ معاملات کو ہم بہت معمولی سمجھ بیٹھے ہیں، حقیقت میں اس شعبے کو ہم نے نظر انداز کر رکھا ہے۔اس پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ معاملات کے شعبے میں اگر ہم اسلامی تعلیمات کو زندہ کردیں تو اسلام کی اشاعت کی رفتار تیز ہوجائے گی۔

دو اہم کام

میں کل ہی ایک کتاب میں دیکھ رہا تھا لکھا تھا کہ اگر دو چیزیں حاصل ہوجائیں تو اسلام کی اشاعت کی رفتار بہت تیز ہوگی۔

①۔ایک یہ کہ کاش دنیا کا کوئی ایک خطہ، ایک ملک ایسا ہو جہاں اسلام کا نظام مکمل طور پر نافذ ہو، ہر شعبہ میں نافذ ہوتا کہ ہم دنیا کو عملی نمونہ دکھاسکیں۔

②۔ دوسرا یہ کہ مسلمان کا کردار اور معاملات صحیح ہوجائیں۔ یہ دو چیزیں اگر ہمیں حاصل ہوجائیں تو رب کعبہ کی قسم! کہ یورپ والے ہماری سوچ سے بھی پہلے اسلام کے جھنڈے تلے آکر جمع ہوجائیں۔اللہ مجھے بھی اور آپ سب کو بھی زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی تعلیمات کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اسلامی نظام

عدل کی خصوصیات

ازافادات

داعی قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروقؓ

- اسلام سے قبل عدل وانصاف کی پامالی
- قاضی اور جج کے اوصاف کیا ہیں۔
- آزاد عدلیہ کا قیام کیسے ممکن ہے؟
- اسلامی نظامِ عدل وانصاف دیگر نظام ہائے عدل وانصاف سے برتر کیوں؟
- کیا سستا اور فوری انصاف شرعی نظامِ عدل کے ذریعے ممکن ہے؟
- ججز اور وکلاء کے کرنے کا اصل کام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا ۙ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ﴿۵۸﴾

(سورۃ النساء آیت ۵۸)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

قابل احترام خواتین و حضرات جیسا کہ آپکو بتایا گیا ہمارے اس ماہانہ درس قرآن کی نشست کا موضوع ہے اسلامی نظام عدل کی خصوصیات۔

لغت میں عدل کے اندر ''استواء'' برابری اور اعتدال کا معنی پایا جاتا ہے اور عدل کا لفظ ظلم کی ضد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ''العدل'' بھی ہے اللہ عدل کرنے والا ہے، اللہ کی یہ صفت عدل انسان کی تخلیق سے

بھی ظاہر ہے، اور کائنات کی بناوٹ سے بھی ظاہر ہے۔

جسم انسانی اور کائنات سے اللہ کے عدل کی گواہی

اللہ نے انسان کو جس طریقے سے بنایا ہے یہ بناوٹ ظاہر کرتی ہے اور اس بات کی گواہ ہے کہ اللہ عادل ہے، ہر چیز کو اللہ نے وہیں رکھا ہے جہاں اس چیز کو ہونا چاہیے، اگر ہم انسان کے اعضاء پر سر سے لیکر پیروں تک نظر ڈالتے ہیں تو ہمارا دل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ پاک نے جس عضو کو جہاں رکھا ہے اس کو وہیں ہونا چاہیے تھا، اللہ نے آنکھوں کے لئے جو جگہ متعین کی ہے اس سے بہتر جگہ آنکھوں کے لئے پورے جسم میں دوسری کوئی نہیں، اللہ پاک نے جہاں ناک لگائی ہے، جہاں ہونٹ بنائے ہیں جہاں کان بنائے ہیں، جہاں پیشانی بنائی ہے، جہاں اللہ نے ہاتھ رکھے ہیں اور جہاں اللہ نے ٹانگیں رکھی ہیں اور پیر رکھے ہیں، توان چیزوں کے لئے اس جگہ سے مناسب کوئی بھی (جس جگہ اللہ نے ان اعضاء کو پیدا فرمایا) جگہ نہیں تھی، تو خود انسان کا جسم اللہ کے عادل ہونے کی گواہی دیتا ہے۔

اسی طریقے پر جب ہم کائنات کی بناوٹ پر غور وفکر کرتے ہیں زمین کی بناوٹ پر، آسمان کی بناوٹ پر، سورج، چاند، ستاروں کی بناوٹ پر، ندی، نالوں، نہروں، سمندروں اور پہاڑوں کی بناوٹ پر تو بھی ہمارا دل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ پاک عادل ہے، اس کے عدل کا تقاضا بھی یہی تھا کہ کائنات کی تخلیق اسی طریقے پر ہونی چاہیے جس طریقے پر ہوئی ہے۔

اللہ کا انسانوں کو چیلنج

چنانچہ اللہ پاک کائنات کی تخلیق کا ذکر کر کے انسان کو چیلنج کرتے ہیں

هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝۴

بار بار غور وفکر کرو آسمان کی تخلیق پر، زمین کی تخلیق پر، سورج چاند ستاروں کی تخلیق پر کیا تمہیں اسمیں کوئی نقص دکھائی دیتا ہے؟ کوئی عیب دکھائی دیتا ہے؟ معاذ اللہ! ظلم کا کوئی پہلو دکھائی دیتا ہے؟ نہیں! تو یہ کائنات بھی اس بات کی گواہ ہے کہ اللہ عادل ہے اور اللہ تعالی کی صفتِ عدل کا ظہور کامل طور پر قیامت کے دن ہوگا، یوں تو اللہ پاک دنیا میں بھی عدل کرتے ہیں اور عدل کو پسند فرماتے ہیں، اور اپنے بندوں کو بھی عدل کرنے کا حکم فرماتے ہیں، لیکن اللہ پاک کی صفتِ عدل کا کامل ظہور قیامت کے دن ہی ہوگا۔

عدل کے بارے میں قرآن کریم کی چند آیات

جہاں تک اسلام میں عدل کی اہمیت کا تعلق ہے تو ہمیں اس کا اندازہ ہوتا ہے اللہ کے کلام اور سرورِ دو عالم ﷺ کی احادیث کے مطالعہ سے، جیسا کہ اللہ تعالی قرآن کی سورۃ النحل میں ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۹۰

(سورۃ النحل آیت نمبر ۹۰، پارہ ۱۴)

یاد رکھیے! یہ وہ آیتِ کریمہ ہے جو کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے لے کر آج تک تقریباً عالمِ اسلام کا ہر خطیب جمعہ کے دن اپنے خطبے میں پڑھتا

ہے، اس آیت میں اللہ پاک نے تین باتوں کا حکم دیا ہے اور تین باتوں سے منع فرمایا ہے، اور جن تین باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان میں سب سے پہلی چیز عدل ہے،

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی

ترجمہ: بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے عدل کا، اور احسان کا، اور قرابت داروں کے ساتھ تعاون کرنے کا، اور تین چیزوں سے اللہ پاک نے تم کو منع فرمایا:

وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ

ترجمہ: اللہ تم کو منع کرتا ہے بے حیائی کے کاموں سے، اور منکر و گناہ والے اعمال سے، اور ظلم و سرکشی و بغاوت سے۔

دوسری آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾

(سورۂ مائدہ:۸)

ترجمہ: اے ایمان والوں! اللہ کے لئے احکام کی پابندی کرنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، اور کسی قوم کی دشمنی، کسی قوم سے نفرت یہ تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، کسی قوم کی دشمنی کی وجہ سے تم عدل کا دامن نہ چھوڑو، ہر حال میں عدل کرو یہ عدل کرنا تقوی کے زیادہ قریب ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت مشرکین اور یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، مشرکین کی زیادتیاں تو سب کے علم میں ہیں کون کون سا ظلم تھا جو انہوں نے

مسلمانوں پر نہیں ڈھایا انہیں زمین پر گھسیٹا گیا، انہیں انگاروں پر لٹایا گیا، انہیں کپڑے میں بند کر کے دھواں دیا گیا، ان کو وطن سے بے وطن کیا گیا، ان کی زمینیں اور جائیدادیں چھین لی گئیں، ان کے لئے مکہ کے دروازے بند کر دیئے گئے لیکن اس سب کے باوجود اللہ فرماتے ہیں کہ کسی قوم کی دشمنی اے مسلمانوں! تمہیں عدل کا دامن چھوڑنے پر آمادہ نہ کرے، یعنی مشرکین کے ساتھ بھی تمہیں عدل کرنا ہے ظلم نہیں کرنا، اسی طرح یہودیوں نے اسلام کے خلاف، مسلمانوں کے خلاف اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کے خلاف کون کونسی سازشیں نہیں کیں، کون کونسی تدبیر اور کون کونسا حربہ استعمال نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! کہ اے مسلمانو! تم نے یہودیوں پر بھی ظلم نہیں کرنا، یہودیوں کے ساتھ بھی عدل کا معاملہ کرنا ہے۔

اسلام نے نظام عدل کو وسیع کیا ہے

اسلام نے عدل کے نظام کو صرف مسلمانوں تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ اسلام کا حکم یہ ہے کہ ہر کسی کے ساتھ عدل کرو، مسلمان ہے تو اس کے ساتھ بھی عدل کرو، کافر ہے تو اس کے ساتھ بھی عدل کرو، یہودی کے ساتھ بھی عدل کرو، ہندو کے ساتھ بھی عدل کرو، مجوسی، عیسائی، بت پرست کے ساتھ بھی عدل کرو، انسان کے ساتھ بھی عدل کرو، حیوان کے ساتھ بھی عدل کرو، اپنی پارٹی اور اپنے فرقے کا انسان ہو تو اس کے ساتھ بھی عدل اور دوسری پارٹی اور دوسرے گروہ کا فرد ہو اس کے ساتھ بھی عدل، آج ہم میں سے بہت سے لوگ ہیں جو عدل کرنا چاہتے یا عدل کرتے ہیں لیکن ان کے عدل کا اپنا اپنا پیمانہ ہے، اپنے فرقے کے ساتھی کے ساتھ تو کسی حد تک عدل ہے (کامل عدل تو وہاں بھی نہیں ہے لیکن کسی حد تک اپنے فرقے کے بندے

کے ساتھ، اپنی پارٹی کے کارکن کے ساتھ عدل کی بات کرتے ہیں) لیکن دوسری پارٹی اور دوسرے فرقے کے بندے کے ساتھ عدل کی بات نہیں کرتے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ ان کے ساتھ ظلم کرنے کو شریعت کا حکم سمجھتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ شاید شریعت میں ہمیں صرف اپنے لوگوں کے ساتھ، اپنے خاندان کے ساتھ، اپنے رشتے داروں کے ساتھ، اپنے جماعتی ساتھیوں کے ساتھ، اپنے فرقے کے لوگوں کے ساتھ، بس! اسلام نے صرف انہیں کے ساتھ عدل کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی کے ساتھ عدل کرنے کا ہمیں حکم نہیں دیا گیا، جبکہ اسلام کی تعلیم یہ نہیں بلکہ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ سب کے ساتھ عدل، دوست کے ساتھ بھی عدل، دشمن کے ساتھ بھی عدل، اپنے کے ساتھ بھی عدل، پرائے کے ساتھ بھی عدل مسلمان کے ساتھ بھی عدل، کافر کے ساتھ بھی عدل۔

سورۂ النحل کی ایک اور آیت جسکے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت غزوۂ احد کے موقع پر نازل ہوئی یہ وہ غزوہ ہے جس میں ستر مسلمانوں کو شہید کیا گیا اور ان میں سے خاص طور پر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جو کہ بہادر مسلمان بھی تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار چچا بھی تھے ان کی وفا، ان کی جانثاری، ان کی محبت، ان کی شجاعت، ان کی بہادری کے عجیب وغریب واقعات کتابوں میں مذکور ہیں، اور حضور کو ان سے اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی، دوسرے مسلمانوں کو تو کافروں نے صرف شہید کرنے پر اکتفاء کیا لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا گیا، ہندہ زوجۂ سفیان نے ان کی لاش کا مثلہ کیا، ان کے ناک کان کاٹے، آنکھیں نکال دیں، شکل کو بگاڑ دیا، سینہ چیرا اور کلیجہ نکال کر چبایا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

آپ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ بھی عجیب ہے بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایک دن شکار پر گئے ہوئے تھے، شکار کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا، شکار سے واپس آئے تو کسی نے بتایا کہ آج تو ابوجہل نے تیرے بھتیجے کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے وہ یہ کہ تیرا بھتیجا جوار کعبہ میں نماز پڑھ رہا تھا وہ جب سجدہ میں گیا تو اس بدبخت نے مردہ اونٹ کی اوجڑی لاکر اس کی پیٹھ پر رکھ دی اور گستاخانہ کلمے بھی کہے، اس وقت تک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا (اللہ پاک نے کسی کی ہدایت کسی چیز میں لکھی ہوتی ہے اور کسی کی ہدایت کسی بات میں لکھی ہوتی ہے، کسی کے لئے ہدایت کا کوئی وقت اللہ کے ہاں مقرر ہوتا ہے اور کسی کے لئے کوئی دوسرا وقت مقرر ہوتا ہے) اللہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قبولِ ہدایت کے لئے یہی وقت مقرر کیا تھا اور اسی واقعے کو قبولِ اسلام کا سبب بنادیا، حالانکہ خود کافر تھے لیکن اپنے بھتیجے کے ساتھ یہ زیادتی برداشت نہ کرسکے، شکار کرنے کا جو بھی اسلحہ ہاتھ میں تھا لیکر ابوجہل کی مجلس میں پہنچ گئے (وہ اس وقت اپنے حواریوں میں بیٹھا ہوا بڑی بڑی ڈینگیں مار رہا تھا بڑی اونچی اونچی باتیں کررہا تھا) جاتے ہی اس سے پوچھا! کیا تو نے محمدؐ کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ اس نے کہا ہاں! حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تیر تھا یا کمان تھی جو بھی تھا اسکی کھوپڑی میں دے مارا اور اس کو زخمی کردیا اور کہا کہ اگر تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی وجہ سے میرے بھتیجے پر ظلم کرتے ہو تو آج سے میں بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللہ پڑھتا ہوں اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پشت بان، آپ کے جانثار ساتھی بن کر کھڑے ہوگئے۔

اسی لئے جب آپ رسول اکرم ﷺ نے اپنے محبوب وجانثار چچا کی بگڑی ہوئی لاش کو دیکھا تو اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکے ستر شہداء صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم اوران میں چچا کی لاش جسکا مثلہ کیا گیا تھا جسے بگاڑا گیا تھا، جبکہ آج تک مسلمانوں نے کسی کافر کیساتھ ایسا نہیں کیا تھا "غزوہ بدر میں ستر مشرک قتل ہوئے اورانکو دفنا بھی دیا گیا تھا، کسی کی بھی شکل نہیں بگاڑی گئی تھی اور کسی کی بھی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے مرنے کے بعد نہیں کئے گئے تھے) تو حضور ﷺ کو یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوااور آپ ﷺ نے غصہ اور جذبات میں آکر فرمادیا کہ (اگر اللہ نے ہمیں مشرکوں پر قبضہ دیا تو میں بھی ستر مشرکوں کے ساتھ وہی کچھ کروں گا جوانہوں نے میرے چچا کے ساتھ کیا ہے) تو اللہ نے اس موقع پر سورۂ نحل کی آیت نمبر ۱۲۶ نازل فرمادی جسمیں سمجھایا کہ دیکھو غصے اور جذبات میں بھی کبھی عدل کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا:

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ط

(سورہ النحل:۱۲۶)

اگر تم دشمن سے انتقام لینا چاہتے ہو تو اتنا ہی انتقام لو جتنی تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اس کی تو میری طرف سے اجازت ہے یہ عدل ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ص

(سورۂ بقرۃ:۱۹۶)

یہ عدل ہے کہ جتنی زیادتی دشمن نے کی ہے اتنی ہی ہم کریں، اس نے ایک تھپڑ مارا ہے تو ہم نے بھی ایک ہی مار لیا، اس نے ایک گھونسا مارا ہے تو ہم نے بھی ایک ہی مار لیا یہ تو عدل ہے۔

حضور علیہ اسلام کا خُلقِ عظیم

لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے حبیب! آپ تو عدل کے مقام سے بھی آگے پر عمل کریں صرف عدل پر نہیں اس سے بھی آگے پر عمل کریں اور وہ کیا ہے؟ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۝ آپ تو انتقام بھی نہ لیں بلکہ آپ صبر کریں اس لئے کہ "صبر" صبر کرنے والوں کے حق میں زیادہ رہتا ہے، چنانچہ ہمارے آقا ﷺ نے صبر سے بھی آگے بڑھ کر احسان کے مقام پر عمل کیا نہ صرف یہ کہ بدلہ نہیں لیا، نہ صرف یہ کہ معاف کر دیا بلکہ ظلم کرنے والوں کے ساتھ احسان فرمایا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اسی کو کہتے ہیں "خلقِ عظیم" وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ {القلم:۴} اے حبیب ﷺ! آپ تو خلقِ عظیم کے مقام پر فائز ہیں۔ ایک ہے حسن خلق ایک ہے 'خلق کریم' اور ایک ہے 'خلق عظیم' خلق حسن تو یہ ہے کہ جتنی زیادتی کی اتنی تم بھی کرلو یہ عدل ہے، خلق کریم یہ ہے کہ دشمن نے زیادتی کی اسکو معاف کردو، اور ایک ہے خلق عظیم دشمن نے زیادتی کی اسپر اس سے انتقام بھی نہیں لیا اسکو معاف بھی کر دیا اور الٹا اسکے ساتھ احسان کیا یہ خلق تھا محمد ﷺ کا، چنانچہ طائف میں پتھر مارنے والوں کو آپؐ نے صرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھ احسانات کا معاملہ کیا اور ان کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی، اسی طرح مکہ کی سرزمین مسلمانوں پر تنگ کرنے والوں کو معاف ہی نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھ احسانات کا معاملہ کیا۔

عدل کے بارے میں چند احادیث:

حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِذَا حَكَمْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاَحْسِنُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ مُحْسِنٌ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

اے مسلمانو! جب تم فیصلہ کرو تو عدل کا فیصلہ کرو، جب تم بات کہو تو اچھی بات کہو، احسان کی بات کہو اس لئے کہ اللہ احسان کرنے والا ہے اور احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، یہ بھی لمبی تفصیل ہے کہ حقیقت میں محسن کس کو کہتے ہیں؟ احسان صرف دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ہے، تو اللہ محسن ہے اور محسنوں سے محبت کرتا ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت

اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللهِ عَلٰى مَنَابِرِ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ

⑦ فرمایا جو عدل کرنے والے ہیں وہ قیامت کے دن رحمن کے دائیں ہاتھ پرنور کے ممبروں پر ہونگے۔ آپ جانتے ہیں کہ دو ہاتھ ہیں ایک دایاں اور ایک بایاں اور دائیں کو بائیں پر فوقیت حاصل ہے۔ دائیں تقدس کی علامت ہے، پاکیزگی کی علامت ہے، برکت کی علامت ہے۔ بالخصوص عربی میں جو لفظ یمین اسکے لئے استعمال ہوتا ہے تو خود اس لفظ کے اندر برکت، تقدس، پاکیزگی، برتری کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ تو فرمایا کہ احسان کرنے والے قیامت کے دن اللہ کے نزدیک، اللہ کے قریب نور کے ممبروں پر ہوں گے، رحمن کے دائیں ہاتھ پر اور آگے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی۔ چونکہ میں نے کہا کہ یمین اور شمال میں فرق ہے

دائیں اور بائیں میں فرق ہے۔ تو اللہ کے نبی نے وضاحت فرمائی وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ اللہ کے دونوں بھی یمین ہیں، اسکے دونوں ہاتھ ہی یمین ہیں، یہ مت سمجھو کہ ایک زیادہ عظمت والا ہے اور دوسرا کم عظمت والا ہے، ایک میں زیادہ تقدس ہے اور دوسرے میں کم تقدس ہے، ایک میں زیادہ برکت ہے اور دوسرے میں کم برکت ہے نہیں! فرمایا: وَ كِلْتَايَدَيْهِ يَمِينٌ رحمن کے دونوں ہاتھ ہی یمین ہیں، اسکے دونوں ہی ہاتھ دائیں ہیں، سائل نے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہوں گے جو رحمن کے نزدیک اسکے دائیں ہاتھ پر نور کے ممبر پر تشریف فرما ہوں گے قیامت کے دن؟ فرمایا کہ: اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا فرمایا جو عدل کرتے ہیں اپنے حکم اور اپنے فیصلوں میں۔

اب یہ فضیلت تو اسی کو حاصل ہوگی جو حاکم ہے، قاضی ہے، جج ہے وہ اپنے فیصلے اور حکم میں عدل کریں لیکن کیا ہمارے جیسا بھی کوئی شخص یہ فضیلت حاصل کرسکتا ہے، یا رسول اللہ! کیا مجھے بھی یہ فضیلت حاصل ہوسکتی ہے؟ میں تو حاکم نہیں ہوں، قاضی نہیں ہوں تو کیا مجھے یہ مقام مل سکتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک دائیں ہاتھ پر نور کے ممبر پر مجھے بھی جگہ مل سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا! کہ ہاں تمہیں بھی جگہ مل سکتی ہے اللہ اکبر، فرمایا: واھلیکم جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ عدل کرے، اور آگے تو بالکل عموم کا لفظ آپ نے منتخب فرمایا وما ولوا یعنی جس کو جو ذمہ داری دی گئی، جو کام سونپا گیا جس شعبے میں وہ ہے، جس دفتر میں وہ ہے، جہاں بھی ہے وہاں عدل کرے تو یہ فضیلت ان کو بھی حاصل ہوسکتی ہے، تو صرف قاضی یا جج ہی نہیں بلکہ ہر کوئی یہ فضیلت حاصل کرسکتا ہے اپنے اہل وعیال کے ساتھ عدل کر کے، یاد رکھیئے کہ اولاد کے ساتھ بھی ظلم جائز نہیں ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اولاد تو ہماری ہے

چاہے ہم زندہ رکھیں یا مار دیں، چاہے ہڈیاں توڑ دیں یا رہنے دیں یہ تو ہمارا حال ہے، اور ایک طرف تو یورپ والوں نے اولاد کو اتنی آزادی اور اتنے حقوق دیئے کہ باپ کو ہاتھ اٹھانے کی بھی اجازت نہیں، سخت الفاظ میں گفتگو کرنے کی بھی اجازت نہیں، ورنہ بیٹا شکایت کر دیگا کہ میرا باپ میرے ساتھ نامناسب طریقے سے بات کرتا ہے یا انہوں نے آج مجھے تھپڑ مارا، ایک طرف تو انہوں نے اتنی آزادی دی اور دوسری طرف ہم نے اتنا پابند کر دیا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اولاد کو قتل کر دینا بھی باپ کے لئے جائز ہے، ہڈیاں توڑ دینا بھی جائز ہے، نہیں! یہ سوچ بالکل غلط ہے۔

ایک عجیب واقعہ

ویسے تو بہت سے واقعات اخبار میں نظر سے گذرتے ہیں لیکن ایک واقعہ مجھے بالکل نہیں بھولتا، یہیں رنچھوڑ لائن کے حوالے سے ایک خبر میں نے اخبار میں پڑھی کہ "پچاس روپے کی چوری کے جرم میں باپ نے اپنے آٹھ سالہ بچے کو اتنا مارا کہ اسے ہلاک کر دیا" اور اسلام اسکی بھی اجازت نہیں دیتا کہ اپنی اولاد میں سے ایک کے ساتھ کچھ اور سلوک کیا جائے اور دوسرے کے ساتھ کچھ اور سلوک، اگر کوئی ایک بیٹا عالم ہے، متقی ہے، فرمانبردار ہے، خدمت گذار ہے، دیانت دار ہے اگر اس وجہ سے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو الگ بات ہے لیکن ویسے ہی اولاد کے درمیان بھی ظلم اور زیادتی کا رویہ اختیار کرنا یہ جائز نہیں ہے، بالخصوص اس وقت جب کچھ اولاد ایک بیوی سے ہو اور کچھ اولاد دوسری بیوی سے، بعض لوگ اس موقع پر زیادتی کرتے ہیں ایک بیوی کی اولاد کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے ہیں اور دوسری بیوی کی اولاد کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں، اسلام اس کی بھی جازت نہیں دیتا۔

ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ تھے ان کی اہلیہ نے اپنے شوہر کو مجبور کیا کہ فلاں زمین یا فلاں باغ میرے بیٹے کے نام کردیں، وہ صحابی رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کی باتوں میں آگئے اور کہا ٹھیک ہے میں کردوں گا تو اس پر بیوی نے کہا میں تمہاری بات پر اس وقت تک یقین نہیں کروں گی جب تک تم اس ہدیہ، اس عطا پر حضور ﷺ کو گواہ نہ بنالو وہ صحابیؓ بیوی کی باتوں میں آکر چلے گئے اور حضورؐ کی خدمت میں آکر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں اپنے فلاں بیٹے کو فلاں زمین یا فلاں باغ دینا چاہتا ہوں آپ اس پر گواہ بن جائیں تو حضور ﷺ نے پوچھا کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی قسم کی زمین یا باغات دیئے ہیں؟ کہنے لگے نہیں باقی کو تو کچھ نہیں دیا، اس پر آپؐ نے فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ بننے کے لئے تیار نہیں، صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اولاد کے ساتھ بھی عدل؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہر چیز میں عدل، اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ عدل کرنا اتنا بڑا عمل ہے کہ ''تین انسان جن کی دعا اللہ پاک رد نہیں فرماتے اور ان تین میں سے سب سے پہلے جس شخص کو بیان فرمایا وہ ہے اَلْاِمَامُ الْعَادِلُ عدل کرنے والا امام، اسی طرح مظلوم کی اور روزے دار کی دعا رد نہیں ہوتی لیکن ان میں سب سے پہلے آپ ﷺ نے امام عادل کو بیان فرمایا۔

اِمام عادل کو پہلے نمبر پر بیان کرنے کی وجہ

اسلام کو جو اتنی جلدی پوری دنیا میں قبولیت حاصل ہوئی کہ نبی کریم ﷺ کو دنیا سے گئے ہوئے ابھی سو سال کا عرصہ بھی نہیں ہوا تھا کہ اسلام کی آواز دنیا کے پانچوں برِاعظموں میں پہنچ چکی تھی اور پانچوں براعظموں میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنے والوں کی جماعتیں وجود میں آچکی تھیں۔

اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کی بنیادی وجہ عدل تھی

اسلام کو جواتنی تیزی سے اشاعت اور قبولیت ملی تو اسلام کی اشاعت میں، مسلمانوں کی ترقی میں دوسرے اسباب کے علاوہ عدل نے بڑااہم کردارادا کیا،عدل اسلام اور مسلمانوں کی پہچان ہے اور جس وقت اسلام دنیا میں آیا اس وقت دنیا عدل کی پیاسی تھی اور ظلم وستم سے تنگ آئی ہوئی تھی اللہ کا وہ فرمان پوری دنیا پر صادق آرہا تھا:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝٤١

(سورۂ روم: ۴۱)

بحر و بر، خشکی اور تری، جنگل اور ویرانے، شہر اور دیہات یہ سب فساد اور ظلم و ستم سے بھر چکے تھے، کیوں؟ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ انسانوں کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے، اور یہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے ایک عذاب تھا کہ ہر طرف ظلم کا راج تھا کیا ہندوستان، کیا روم، کیا ایران، کیا یورپ اور کیا عرب۔

ہندوستان میں تو طبقاتی تقسیم بہت زیادہ تھی اور چار طبقے تو بہت مشہور تھے برہمن، چھتری، دیش اور اچھوت، اچھوت گویا ان کے لئے انسانی حقوق تھے ہی نہیں، ان کے بارے میں تصور یہ تھا کہ اچھوتوں کو تو پیدا ہی کیا گیا ہے صرف خدمت کے لئے، نوکری چاکری کے لئے، ان کو کسی اونچی ذات والے ہندو کے ساتھ، اپنے ہم مذہب کے ساتھ ایک چارپائی پر بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی، ہاتھ ملانے کی اجازت نہیں تھی، جسم چھونے کی اجازت نہیں تھی، دوسرے کے برتن میں کھانے کی اجازت نہیں تھی، ایک دسترخوان پر بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی، آپ اندازہ کیجئے!

کہاں تو یہ تصور کہ اچھوت کے لئے اپنے ہم مذہب کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھنا تو دور کی بات ہے ویسے بھی اسکے ہم پلہ بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی، اور کہاں سرور دو عالم ﷺ کی تعلیم کہ

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

عدل انسانی کے چند نمونے

بلکہ بارہا ایسے مناظر دیکھنے میں آتے تھے اور آج بھی آتے ہیں کہ بادشاہ پچھلی صف میں ہے اور ملازم، رعایا اور غلام اگلی صف میں ہے، بلکہ ایسا بھی ہوا کہ غریب اور کمزور مصلے پر کھڑا ہو کر امام بن رہا ہے، امامت کرا رہا ہے اور دنیاوی اعتبار سے بڑا آدمی اس کی اقتدا کر رہا ہے، یہ تعلیم آقا ﷺ نے دی کہ گورے اور کالے کو، آقا اور غلام کو، امیر اور غریب کو ایک ہی صف میں کھڑا کیا، اور اپنے دسترخوان پر بٹھایا، آقا ﷺ نے ویسے فرمایا کہ جذامی سے احتیاط کرو، جسکو جذام ہو اس سے احتیاط کرو امت کو یہ تعلیم دی، یہ تعلیم کیوں دی اسکی وجہ مختلف ہے لیکن خود آقا ﷺ نے جذامی کے دسترخوان پر بیٹھ کر اس کے ساتھ کھانا تناول فرمایا تو جو امتیازات تھے وہ آپ ﷺ نے اٹھا دیئے، یہ تو ہندوستان کا حال ہے، اور یورپ اس وقت تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، وحشت اور بربریت چھائی ہوئی تھی، ایران کا یہ حال تھا کہ کسی کی بھی جان مال، عزت آبرو محفوظ نہ تھی، اور رومیوں کے ہاں انصاف بکتا تھا، جیسے روزمرہ کی چیزیں بکتی ہیں انصاف بھی اسی طرح بکتا تھا، جو زیادہ بولی لگالے وہ انصاف کو خرید لیتا تھا، اور عربوں کے ہاں بیٹیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا، مسافروں کو لوٹ لیا جاتا تھا، عورتوں کو مویشیوں کی طرح ایک سے دوسرے کی طرف منتقل کیا جاتا تھا، غرض ہر

طرف ظلم ہی ظلم تھا اور انسانیت عدل کی پیاسی تھی ظلم سے تنگ آئی ہوئی تھی ان حالات میں ہمارے آقا حضرت محمد رسول ﷺ انسانیت کے مسیحا بن کر تشریف لائے اور اسلام نے انسانوں کے سامنے ایک خوبصورت، پرکشش، پرتاثیر نظام عدل، پوری دنیا کے سامنے رکھا، بہت سے لوگ ہوتے ہیں جن کا کرامتوں پر بڑا یقین ہوتا ہے، ہر چیز کو کرامتوں کے پردے میں، کرامتوں کی عینک سے دیکھتے ہیں، بعض لوگ اسلام کی اشاعت کو بھی کرامتوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں کہ اسلام جو پوری دنیا میں پھیلا تو کرامتیں ظاہر ہوئی ہوں گی، بس کسی نے ہوا میں اڑ کر دکھادیا تو لوگوں نے ایمان قبول کرلیا، اور کسی نے بے موسم کے پھل دکھادیئے تو اسلام قبول کرلیا، لیکن میں سختی سے اس کی نفی کرتا ہوں، شاذ و نادر کوئی واقعہ ایسا پیش آگیا ہو تو آگیا ہو ورنہ اسلام اپنی اشاعت کے لئے کرامتوں کا، خوارقِ عادت اور محیر العقول واقعات کا اور کرشموں کا اور جادوگری کا محتاج نہیں ہے، اللہ نے اسلام کے اندر ایسی تاثیر رکھی ہے، ایسی جامعیت رکھی ہے اور یہ ایسی خوشبو ہے کہ جو خود پھیلتی ہے اور اسلام کی اشاعت میں اس کے نظام عدل نے اہم کردار ادا کیا تھا۔

اسلام کے نظام عدل کی خصوصیات

ایک ایسی خصوصیات کا حامل نظام جو اس وقت کے مروجہ کسی اور نظام میں نہ تھیں۔

پہلی خصوصیت:

اسلام کے نظام عدل کی سب سے پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ اسلام کا نظام عدل یہ آسمانی تعلیمات پر مبنی ہے، اس کی بنیاد ہے قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس پر اور قیاس بھی کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ یہ بھی قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ ہے، انہی سے پھوٹا ہوا چشمہ ہے تو اسلام کے نظام عدل کی بنیاد آسمانی تعلیمات پر

ہے، انسان کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو بلکہ ایک نہیں انسانوں کی بہت بڑی جماعت ہو اور سب کے سب ذہین ہوں اور سارے کے سارے تعلیم یافتہ ہوں، اور سارے کے سارے نفسیات پر، تاریخ پر اور انسانوں کی ضروریات پر نظر رکھنے والے ہوں، لیکن انسان جو بھی نظام بنائیں گے اس میں غلطی کا امکان ہوگا، کچھ عرصے کے بعد کوئی نہ کوئی غلطی اس میں ظاہر ہوگی، میں قربان جاؤں اپنے اللہ کے نظام پر، اللہ نے جو نظام بنایا صدیاں گذر گئیں لیکن آج تک اس میں کوئی غلطی اور خطا ثابت نہیں ہوسکی، اس لئے کہ یہ اس اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے جو نہ بھولتا ہے، نہ بھٹکتا ہے، نہ خطا کرتا ہے، نہ سوتا ہے، نہ اسکو حالات متاثر کرتے ہیں، نہ عوارض سے متاثر ہوتا ہے، نہ وقتی جذبات سے متاثر ہوتا ہے، جس پر نہ غصہ غالب آتا ہے، نہ نفسیات غالب آتی ہیں اللہ ان سب چیزوں سے پاک ہے، بالاتر ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اس کی شان ہے، اس لئے اس کا بنایا ہوا جو نظام ہے وہ خطا سے پاک ہے، تو یہ ہے پہلی خصوصیت اسلامی نظام عدل کی کہ اس کی بنیاد وحی اور آسمانی تعلیمات پر ہے۔

دوسری خصوصیت:

اسلام کے نظام عدل کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر فرد کو حقوق کی ضمانت دیتا ہے، جیسا کہ ابتداء میں مذکور آیات سے یہ بات واضح ہوچکی ہے

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا

(سورۃ النساء:۵۸)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کے حوالے کردو۔

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

(سورۃ نساء: ۵۸).

اور جب تم انسانوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، اور آقا ﷺ نے ہر فرد کو اس کے حقوق کی ضمانت دی ہے، اسلامی مملکت میں رہنے والے ہر فرد کی عزت بھی محفوظ، جان بھی محفوظ، مال بھی محفوظ بلکہ مذہب اور عقیدہ بھی محفوظ اور اسلام ہمیں اجازت نہیں دیتا کہ ہم جبراً کسی کو عقیدہ تبدیل کرنے پر آمادہ کریں۔

میں آج کے اسلامی ملکوں کی بات نہیں کر رہا بلکہ اسلامی نظام عدل کی بات کر رہا ہوں مگر افسوس کہ اسکا ماڈل اور اسکا نمونہ پوری دنیا میں کہیں دکھائی نہیں دیتا اور یہ مسلمانوں کے لئے نہایت افسوس کی بات ہے کہ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں کامل طور پر اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ اور پوری تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ اسلام کا نظام عدل ہو تو یہ دوسری خصوصیت ہے کہ ہر فرد کو اس کے حقوق کی ضمانت حاصل ہے۔

تیسری خصوصیت:

اسلامی نظام عدل کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلام نے چھوٹے اور بڑے، امیر اور غریب، گورے اور کالے سب کے درمیان کے فرق کو مٹا دیا عدل کے اعتبار سے، آخرت میں جو ہوگا وہ ہر ایک کے ساتھ اس کے اعمال کے اعتبار سے، ایمان کے اعتبار سے معاملہ ہوگا لیکن دنیا میں اس فرق کو مٹا دیا سب کو مساوی قرار دیا، سب برابر ہیں، قانون سب کے لئے برابر ہے، چاہے کوئی بھی ہو قانون سے بالاتر نہیں ہے اگرچہ وہ امیر المؤمنین ہی کیوں نہ ہو۔

ایک سبق آموز واقعہ

امیر المومنین عدالت میں

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے درمیان کسی معاملے میں اختلاف ہو گیا اور دونوں کا مقدمہ پیش ہوا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عدالت میں اب امیر المؤمنین پیش ہو رہے ہیں رعایا کے ایک عام فرد کے ساتھ قاضی کی عدالت میں، قاضی نے صرف یہ کیا کہ تھوڑی سی جگہ کشادہ کرتے ہوئے امیر المؤمنین سے درخواست کی حضرت آپ تو یہاں تشریف رکھیں، بس اتنا کہا کہ سیدنا عمر بن خطاب ؓ نے فوراً فرمایا هٰذَا اَوَّلُ جَوْرٍ جَرَيْتَ فِيْ حُكْمِكَ اے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ! میں نے تو تجھ پر اعتماد کرتے ہوئے قاضی اور جج بنایا تھا لیکن ہمارا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ پہلا ظلم ہے جو تم کر رہے ہو کہ مجھے میرے فریق سے نمایاں حیثیت دے رہے ہو، بیٹھنے کی الگ جگہ دے رہے ہو! ایسا نہیں ہو گا، وَلٰكِنْ اَجْلِسُ مَعَ خَصْمِيْ میں تو اپنے فریق کے ساتھ ہی بیٹھوں گا، جہاں یہ بیٹھیں گے وہیں میں بھی بیٹھوں گا، میں اپنے لئے کسی ممتاز نشست گاہ کو پسند نہیں کرتا۔

جبلہ بن ایہم غسانی کا ارتداد

غسان کے بادشاہ (جبلہ بن ایھم اس کا نام لکھا گیا ہے) نے اسلام قبول کر لیا اور چلا آیا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں، قبول اسلام کے بعد اس نے کسی بات پر ایک عام غریب مسلمان کو تھپڑ مار دیا اور اس وقت کا ہر مسلمان جانتا تھا کہ میرا حق کیا ہے؟ اللہ اکبر، آج ہمیں بھی نہیں معلوم کہ ہمارا حق کیا ہے، اور اس

وقت کا مسلمان اپنا حق جانتا تھا، یہ بھی جانتا تھا کہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو میری دادرسی کی جائے گی، چنانچہ پہنچ گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں، حضرت! یہ جو نو مسلم ہے غسان کا بادشاہ اس نے مجھے تھپڑ مارا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے اسکو بلایا اس نے فوراً ہی اقرار کرلیا اس کو انکار کرنے کی کیا ضرورت تھی، وہ تو جانتا تھا، اس بات کا عادی تھا کہ امیر کے لئے قانون الگ ہے اور غریب کے لئے قانون الگ ہے، تو اس نے کہا ہاں! میں نے تھپڑ مارا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا تو اس کو راضی کرو، اس سے معافی مانگو ورنہ یہ بھی تم کو ایسے ہی تھپڑ مارے گا جیسے تم نے اس کو مارا ہے، تو اس نو مسلم نے کہا کیا ایک دیہاتی اور ایک بادشاہ کے درمیان اور ایک امیر کے درمیان کوئی فرق نہیں؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، لَا قَدْ جَمَعَ بَیْنَکُمُ الْاِسْلَامُ نہیں! کوئی فرق نہیں، اسلام نے ایک بادشاہ اور ایک غریب کو ایک ہی صف میں کھڑا کردیا ہے۔

یہ اسلام ہے، یہ اسلامی قانون ہے، یہ ہندوانہ قانون نہیں، یورپ کی سرزمین نہیں، یہ ایران نہیں، یہ روم نہیں، یہ زمانہ جاہلیت نہیں یہ اسلام کا دور ہے اور اسلام تم دونوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کرتا ہے اگر تم نے تھپڑ مارا ہے تو اس غریب کو بھی تم سے تھپڑ مار کر انتقام لینے کا حق ہے۔ یہ واقعہ تو بہت ساری کتابوں میں لکھا ہے اس واقعہ کا کچھ حصہ بعض کتابوں میں نظر سے گذرا خصوصاً حضرت قاری طیب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ ذکر کیا اگر مبنی بر حقیقت ہے تو ہے بڑا عبرت آموز، یہ کہ اس نے مہلت مانگی تھپڑ نہ کھایا مجھے کل تک سوچنے کا موقع دیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچنے کا موقع دیا تو وہ مرتد ہو کر بھاگ گیا، مرتد ہو گیا لیکن تھپڑ کھانا گوارا نہ کیا اور واپس کفر میں چلا گیا، وہاں

جانے کے بعد اس کو احساس ہوا کہ میں نے غلط کیا اسلام جیسی نعمت سے محروم ہو گیا، کچھ مسلمان وہاں پر آئے تو ان سے اس نے کہا میرا دل چاہتا ہے کہ دوبارہ مسلمان ہو جاؤں لیکن لوگوں کے طعنے سے ڈرتا ہوں اگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھے اپنی بیٹی کا رشتہ دینا قبول کر لیں تو میں دوبارہ قبول ایمان کے لئے تیار ہوں، وہ مسلمان واپس آئے اور عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا سارا قصہ سنایا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی تم وہیں سے کہہ دیتے کہ ہاں میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے اسکی بیٹی کا رشتہ قبول کرتا ہوں، ایک گنوار مسلمان، غریب مسلمان، دیہاتی مسلمان پر ہونے والے ظلم کا بدلہ لینے کے لئے تو اسکو راضی کرنے کی کوشش نہیں کی مرتد ہوتا ہے تو ہو جائے اسکو روکنے کی کوشش نہیں کی لیکن جہاں اپنی بیٹی کا معاملہ آیا تو فرمایا کہ میں اپنی بیٹی دینے کے لئے تیار ہوں، اگر واقعی وہ ایمان قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ لیکن اس بدقسمت کی قسمت میں ایمان نہیں تھا، اب جو یہ مسلمان عمر رضی اللہ عنہ کی پیشکش لے کر واپس لوٹے تو وہاں جا کر پتہ چلا کہ اس کا جنازہ اٹھ رہا ہے۔

تو اسلام نے اس فرق کو ختم کر دیا اور قانون کو سب کے لئے برابر کر دیا، عدل سب کے لئے ہے جیسے ہوا، پانی، دھوپ اور حرارت سب کے لئے ہے اسی طرح عدل بھی سب کے لئے ہے، کسی بڑے کو چھوٹے پر اور کسی امیر کو غریب پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے، کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے، عدل کے اجراء کے میدان میں سب کے لئے قانون برابر ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا قصہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے ان کے بیٹے نے ایک غریب مسلمان پر کچھ زیادتی کی اور زیادتی کرتے وقت اس کی زبان سے یہ بھی نکل

گیا ''ہم معززین کی اولاد ہیں ہم بڑوں کی اولاد ہیں'' یہ اسکی زبان سے الفاظ نکلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ حج کے زمانے میں آپ رضی اللہ عنہ کھلی کچہری قائم کرتے تھے۔ ایک تو ہمارے ہاں ہے نا، ڈرامہ کچہری کہتے ہیں اسکو کھلی کچہری، اور ہوتی ہے ڈرامہ کچہری صرف اپنے چمچے اکٹھے کر لیتے ہیں، اخبار میں تصویر آجاتی ہے۔ ایک آدھ بیوی کو پکڑ کر لے آتے ہیں کہ بادشاہ کے حضور درخواست پیش کر رہی ہے، اخبار میں ٹی وی میں تصویر آجاتی ہے کہ کھلی کچہری ہوئی، جس میں سب کو جانے کی اجازت تھی، جھوٹ، ڈرامے، لیکن سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ واقعی کھلی کچہری لگاتے تھے، کھلی عدالت لگاتے تھے اور اس میں عام اعلان ہوتا جس کے ساتھ بھی کوئی زیادتی ہوئی اس کی فریاد رسی کی جائے گی، تو وہی مصری کھڑا ہو گیا امیر المؤمنین! گورنر کے بیٹے نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے بلایا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو اس نے زیادتی کا اقرار کر لیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عام مصری کو کوڑا دیا کہ مارو گورنر کے بیٹے کو، اور اس موقع پر ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا متی استعبدتُمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ اُمَّهَاتُهُمْ اَحْرَارًا کب سے تم نے لوگوں کو غلام بنا لیا؟ حالانکہ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا، یہ آزاد پیدا ہوئے تھے تم نے ان کو غلام بنا لیا؟ جس نے اللہ کی غلامی کی وہ کسی اور کا غلام نہیں ہو سکتا، یہ آزاد ہے مصری کو کہا مارو کوڑے وہ کوڑے مار رہا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دل پر کوڑے مار رہے تھے اور فرما رہے تھے چکھ مزہ! او بڑوں کی اولاد! او معززین کی اولاد! اس نے مصری کو مارتے وقت کہا تھا ہم بڑوں کی اولاد ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا! او بڑوں کی اولاد اب مار کا مزہ چکھ تو یہ ہے اسلامی نظام عدل کی تیسری خصوصیت 'مساوات اور برابری'۔

چوتھی خصوصیت:

اسلامی نظام عدل کی چوتھی خصوصیت ہے آسان اور فوری انصاف، انصاف یہ عوام کا حق ہے اور حکومت کی ذمہ داری، لہٰذا اس پر کوئی ٹیکس نہیں، کوئی معاوضہ نہیں اس کا، یہ جو ہمارے ہاں کورٹ فیس ہے اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں، اسلام جس نظام عدل کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے وہ سستا بھی ہے اور فوری بھی، ہمارے ہاں تو ایسے بھی ہوتا ہے کہ مقدمہ لڑنے کے لئے جائیداد بیچنی پڑتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ فیصلہ ہونے تک نسل ہی ختم ہو جاتی ہے، مقدمہ ایک نسل سے دوسری نسل تک کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، میرے علم میں ہیں ایسے مقدمات، ہمارے ایک بہت اچھے تعلق والے یہاں صدر میں ساتھی ہے، انتقال فرما گئے، مقدمہ لڑتے لڑتے انتقال فرما گئے لیکن ابھی تک فیصلہ نہیں ہوسکا ان کا انتقال بھی اسی ۸۰ سال کی عمر میں ہوا اور اب ان کی اولاد مقدمہ لڑ رہی ہے، تو اسلامی نظام عدل کی یہ چوتھی خصوصیت آسان اور فوری انصاف، یہ جو کچھ سوات اور فاٹا میں ہو رہا ہے اس پر بحث نہیں اور صاف بات ہے میرے اس بارے میں تحفظات ہیں اور جو صحیح حقائق ہیں ان کا علم بھی نہیں ہے، ہماری معلومات تو اخبارات تک محدود ہیں اور مجھے سو فیصد یقین ہے کہ اخبارات اور میڈیا یہ پورا سچ نہیں بولتے، بہت زیادہ بولے تو دس فیصد سچ بول لیتے ہیں، اور زیادہ آگے بڑھے تو بیس فیصد اور بہت ہی زیادہ آگے بڑھ جائیں تو پچاس فیصد سچ بول لیتے ہیں باقی پچاس فیصد جھوٹ، ہمیں حقائق کا علم نہیں ہے کہ حقیقت کیا ہے سب کچھ اندھیروں میں ہے، شبہات میں ہے اور اشکالات میں ہے، بہت ساری چیزیں ہیں اور میرے اس پر بہت سارے تحفظات ہیں جن کو اس مجلس میں بیان

نہیں کرسکتا اور میں نے اس پر کالم بھی لکھا ہے۔

اور میں اپنے اکابر اور بزرگ علماء سے درخواست کرتا ہوں کہ خدارا! ان علاقوں کا دورہ کریں اور حقائق تک پہنچنے کی کوشش کریں کہ حقائق کیا ہیں، کیا ہورہا ہے، لیکن اس کے باوجود میں جو بات کہنا چاہ رہا ہوں کہ وہاں لوگ شرعی عدالتوں کے قیام کا مطالبہ کیوں کررہے ہیں کیا وجہ ہے؟ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارا عدالتی نظام ظلم اور زیادتی کا شکار ہے، اکثر لوگ اس سے تنگ آئے ہوئے ہیں، آج عدل میسر نہیں ہے تو ان موجودہ عدالتوں سے تنگ آئے ہوئے لوگ اب شرعی عدالتوں کے قیام کا مطالبہ کررہے ہیں اس لئے کہ ان عدالتوں کے ذریعے سے فوری انصاف ملتا ہے، سستا انصاف ملتا ہے، تو یہ ہے اسلامی نظام عدل کی چوتھی خصوصیت آسان اور فوری انصاف۔

پانچویں خصوصیت:

اسلام کے نظام عدل کی پانچویں خصوصیت غیر جانبدارانہ فیصلے جیسا کہ

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ

(سورۃ المائدہ آیت ۸، پارہ ۶)

اور دوسری جگہ فرمایا کہ انصاف کی گواہی دو، انصاف کی بات کرو اگرچہ انصاف کی بات تمہارے والدین کے خلاف جائے، تمہارے رشتہ داروں کے خلاف جائے، مالدار کے خلاف جائے تو بھی انصاف کی بات کرو ظلم کی بات نہ کرو، بارہا میں اور آپ یہ سن چکے ہیں اور سن تو ہم سب چکے ہیں لیکن عمل نہیں ہے۔

حضور ﷺ کا غیر جانب دارانہ فیصلہ

ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں ایک خاتون نے چوری کی، بڑے خاندان کی عورت تھی، قبیلے والوں نے سوچا اس کا ہاتھ کٹے گا تو ہماری ناک کٹ جائے گی، سوچا کسی کو سفارشی بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجتے ہیں تو نظر گئی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پر کہ وہ حضور ﷺ کے متبنیٰ (لے پالک بیٹے) حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے اور حضور ﷺ کو باپ سے بھی بڑا پیار تھا اور بیٹے سے بھی بہت پیار تھا باوجود یہ کہ رنگ کے کالے تھے۔ لیکن بعض اوقات حضور ﷺ کی گود میں ایک طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہوتے تھے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہوتے تھے تو دوسری طرف آپ ﷺ کی گود میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ہوتے تھے، فتح مکہ کے موقع پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے سواری پر تشریف فرما ہیں، اور آپ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں جو آخری لشکر بھیجا تھا تو اس کا قائد بھی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا تو حضور ﷺ کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت تھی، تو ان سے درخواست کی گئی کہ آپ حضور ﷺ سے سفارش کریں باوجود یہ کہ حضور ﷺ کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی جب سفارش سنی تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک کا رنگ غصے سے سرخ ہو گیا فرمایا کہ اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللہِ اسامہ! اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو؟ اس قبیلے کی عورت کے لئے قانون الگ، اور دوسرے قبیلے کی عورت کے لئے قانون الگ ہو۔

اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُقِيْمُوْنَ الْحَدَّ عَلَى الْغَرِيْبِ وَيَتْرُكُوْنَ عَلَى الشَّرِيْفِ

تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ وہ غریبوں پر تو حد جاری کرتے تھے لیکن معززین، اغنیاء، وڈیروں اور بڑوں کو چھوڑ دیتے تھے اس لئے وہ قومیں ہلاک ہوگئیں کہ وہ عدل نہیں کرتی تھیں، (عدل کو چھوڑنے اور ظلم کرنے کی وجہ سے آقا فرما رہے ہیں کہ کئی قومیں ہلاک ہوگئیں، یہاں مجھے یاد آرہا ہے دو روایتیں تفسیر میں میری نظر سے گزری ہیں، آقا کے اس فرمان پر دو روایتیں مجھے یاد آئیں کہ تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوگئیں عدل میں، قانون میں امتیاز کرنے کی وجہ سے، غریب کے لئے قانون الگ، امیر کے لئے قانون الگ، ایک روایت میں آقا ﷺ نے فرمایا کہ "یہ ارض وسماء جو قائم ہیں عدل کی وجہ سے قائم ہیں، اور ملک اور قومیں جو قائم ہوتی ہیں وہ عدل کی وجہ سے قائم ہوتی ہیں، عدل کرنے والوں کی اللہ مدد فرماتے ہیں" ایک اور حدیث میں آیا کہ عدل کرنے والوں کی اللہ مدد فرماتے ہیں اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں، اور ظلم کرنے والوں کی اللہ مدد نہیں کرتے اگرچہ وہ اسلام کا نام لینے والے ہی کیوں نہ ہوں، تو فرمایا کہ تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوگئیں ظلم کی وجہ سے، امیر اور غریب کے درمیان امتیاز کرنے کی وجہ سے)

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ فَاطِمَۃُ فَعَلَتْ ذٰلِکَ لَقَطَعْتُ یَدَھَا

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر یہ چوری کا جرم محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی کیا ہوتا تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا، تو یہ ہے اسلام کے نظام عدل کی پانچویں خصوصیت غیر جانبدارانہ فیصلے۔

قاضی کے اوصاف کیا ہیں؟

ایک سوال اٹھایا گیا ہے کہ قاضی کے اوصاف کیا ہیں؟ قاضی کے بنیادی

اوصاف تو وہ ہیں جو ہر ذمہ دار کے لئے ہیں مسلمان ہو، آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو اور پانچواں یہ کہ عفیف ہو بدکار نہ ہو، اور تو اور آج تو ہمارے ججوں کے بارے میں ایسی خبریں شائع ہو رہی ہیں اخبارات میں کہ وہ تک بدکار ہیں جبکہ پانچویں شرط یہ لکھی ہے قاضی اور جج کے لئے پاکدامن ہونا ضروری ہے جو بدکار ہے وہ قاضی اور جج نہیں بن سکتا، اور چھٹی صفت عقل وفہم رکھتا ہو، اور ساتویں صفت کتاب وسنت کا علم رکھتا ہو۔ ایک اسلامی ملک، اسلامی معاشرے کے لئے، اسلامی عدالت کے جج کے لئے لازم ہے کہ وہ کتاب وسنت کا علم رکھتا ہو، ''میں سارے ججوں کی بات نہیں کر رہا بہت سے جج بڑے صاحب علم ہوتے ہیں سب کی بات نہیں کر رہا بلکہ بے شمار ان میں ایسے ہیں جو قرآن کی تفسیر تو کیا جانتے ہوں گے میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن بھی نہیں پڑھ سکتے ہوں گے'' جبکہ شرط یہ ہے کہ کتاب وسنت کا علم رکھتا ہو، اور آٹھویں صفت عہدے کی طلب نہ ہو، کوئی بھی عہدے کی طلب نہ کرے ''آقا ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی بھی عہدہ طلب کرتا ہے، جو قضاء کا عہدہ طلب کرتا ہے تو اللہ اسکی مدد نہیں کرتا اور جو عہدہ طلب نہیں کرتا بغیر طلب کے اس کو عہدہ مل جاتا ہے تو اللہ اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس کو راہ راست پر رکھتا ہے، فرشتہ اس کی مدد کرتا ہے جس کو بغیر طلب کے عہدہ مل جائے، اور نویں صفت یہ ہے کہ بدمزاج نہ ہو، سخت مزاج نہ ہو عام آدمی کے لئے بھی اور عام مسلمان کے لئے بھی مناسب یہ ہے کہ وہ بدمزاج نہ ہو چہ جائے کہ قاضی اور جج، اور دسویں صفت یہ کہ واقعی اس کے اندر قاضی اور جج بننے کی اہلیت ہو نااہل نہ ہو، آقا ﷺ نے فرمایا اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ جب عہدے نااہلوں کو دیئے جائیں تو پھر

قیامت کا انتظار کرو، بہت جلد قیامت آجائیگی تو یہ ہیں قاضی کے اوصاف۔

آزاد عدلیہ کا قیام کیسے ممکن ہے؟

ایک اور سوال اٹھایا گیا ہے کہ آزاد عدلیہ کا قیام کیسے ممکن ہے؟ جب تک عدلیہ، انتظامیہ اور لیڈروں کے تسلط سے آزاد نہیں ہوگی اس وقت تک آزاد عدلیہ کا قیام ممکن نہیں، اور آج تو بعض ججوں کے بارے میں، بعض عدالتوں کے بارے میں اس طرح کی باتیں ہیں کہ یہ پیپلز پارٹی کے حامی جج ہیں، یہ مسلم لیگ کے حامی جج ہیں، یہ فلاں جماعت کے ہیں، یہ فلاں جماعت کے ہیں، تو اس طور پر آزاد عدلیہ کا قیام کیسے ممکن ہے؟۔

اسلامی نظام عدل دیگر نظام عدل سے بہتر کیوں؟

ایک اور سوال اٹھایا گیا کہ اسلامی نظام، انصاف وعدل دیگر نظام عدل سے بہتر کیوں ہے؟ اسکی وجوہات بیان ہو چکی ہیں، مختصر یہ کہ اسلامی نظام عدل کی بنیاد آسمانی تعلیمات پر ہے، اسلامی نظام عدل میں ہر فرد کے حقوق کی ضمانت ہے، اسلامی نظام عدل میں مساوات ہیں، اسلامی نظام عدل آسان ہے اور اس میں فوری انصاف ملتا ہے، اسلامی نظام عدل میں غیر جانب داری کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، تو ان خصوصیات کی بناء پر اسلامی نظام عدل کو دوسرے نظام ہائے عدل پر فوقیت حاصل ہے۔

کیا شرعی نظام عدل سے سستا اور فوری انصاف ممکن ہے؟

اسی طریقے سے پانچویں سوال کا جواب بھی ہو گیا کہ کیا سستا اور فوری انصاف شرعی نظام عدل کے ذریعے سے ممکن ہے؟ یقیناً ممکن ہے کہ اس میں نہ وکیلوں کے جھمیلے، نہ فیس کا جھنجھٹ بلکہ سیدھا سادا نظام اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِی وَ الْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ

اَنکَرَ مدعی گواہ پیش کرے اور گواہ بھی سچے، اگر گواہ نہیں تو جو انکار کرنے والا مدعی علیہ ہے وہ قسم کھالے فیصلہ ہو جائے گا۔

ججوں اور وکیلوں کا اصل کام کیا ہے؟

اور آخری سوال جو اٹھایا گیا کہ کہ ججز اور وکلاء کا اصل کام کیا ہے، ایک طرف تو ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم وکلاء کو اور ججوں کو مبارک باد پیش کریں کہ انہوں نے ایک بے مثال تحریک چلائی اور عدلیہ کو بحال کروایا اسپران کو مبارک باد پیش کرنے کو دل چاہتا ہے لیکن دوسری طرف ان سے درخواست کرنے کو بھی دل چاہتا ہے کہ آپ کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ آپ کسی ظالم، کسی چور، کسی ڈاکو، کسی بدکار اور کسی ڈکٹیٹر کا ساتھ نہ دیں اور جو وکیل یا جج ایسا کرے اس کا بھی بائیکاٹ کیا جائے یہ جو تحریک چلائی گئی اللہ کی قسم! اس سے کہیں زیادہ ضرورت اس تحریک کے چلانے کی ہے کہ ہمارے وکلاء اور ہمارے ججز، ہماری عدلیات یہ ڈکٹیٹروں، ظالموں، چوروں اور ڈاکوؤں کا ساتھ نہ دیں۔

یہ جو آپ کے سامنے اسلامی نظام عدل کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں اور حضور ﷺ کے اقوال، ارشادات اور واقعات بیان کئے گئے ہیں، اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عدالت کے قصے بیان کئے گئے، حقیقت تو یہ ہے کہ آج یہ قصے تو رہ گئے ہیں ہمارے پاس لیکن عملی طور پر ہم دیکھتے ہیں تو ہمارے ہاں ایسا لگتا ہے جیسے روم کا دور واپس آگیا ہے، ایران کا دور واپس آگیا ہے، آج ہمارے ہاں بھی قانون اور انصاف کو خریدا جاتا ہے، انصاف کو خریدا جاتا ہے اسکی بولی لگتی ہے، کون سا وکیل ایسا ہے جسے کسی بڑی شخصیت کی طرف سے مقدمہ ملے اور وہ وکیل اس بڑی شخصیت

کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ لٹیرا ہے، ڈاکو ہے مگر اس کو بڑی فیس ملے گی تو وہ اس کا مقدمہ لڑنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، ظالموں کو تحفظ کہاں سے ملتا ہے؟ معاف کیجئے گا! ہماری وکلاء برادری کی طرف سے، عدالتوں میں جا کر جہاں ایک غریب آدمی وکیلوں کی بھاری بھرکم فیسیں برداشت نہیں کر سکتا اور ایک سرمایہ دار اور ڈاکو، لٹیرا وہ بڑے بڑے وکیلوں کو، بڑے بڑے ناموں کو خرید کر ناحق پر ہوتے ہوئے بھی مقدمہ کا فیصلہ اپنے حق میں کروالیتا ہے۔

چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ آج ہر طرف ظلم کا رواج نظر آتا ہے اور جو روایت پیش کی گئی کہ کوئی مملکت کفر کے ساتھ تو قائم رہ سکتی ہے ظلم کے ساتھ نہیں، حقیقتاً کہتا ہوں میرے بھائیوں، میری بہنوں! مجھے سخت اندیشے ہیں اس بات کے کہ ہم نے جو ظلم کو اتنا رواج دے دیا اور عدل کو جو اتنا مہنگا کر دیا نایاب کر دیا، کہیں اس ظلم کی وجہ سے ہم سب پر، اس معاشرے پر، اس ملک پر اللہ کا عذاب نازل نہ ہو جائے کہ اللہ پاک کو کسی طور پر بھی ظلم پسند نہیں ہے چاہے مسلمان پر ظلم ہو، کافر پر ظلم ہو، انسان پر ظلم ہو، حیوان پر ظلم ہو اللہ کو پسند نہیں۔

ایک بڑا اسبق آموز واقعہ

ایک بڑا اسبق آموز واقعہ میری نظروں سے گزرا انیسویں صدی میں راجہ رنجیت سنگھ نے ملتان پر حملہ کیا، اس وقت ملتان کا حاکم تھا نواب مظفر خان، روایتی نوابوں کی طرح ظالم تھا، ریچھ اور کتوں کی لڑائیاں کروانے والا اس قسم کا عیاش، لیکن اب جب کشتی ڈوبتی ہوئی دکھائی دی تو اب اللہ یاد آیا، اس زمانے میں اللہ کے ایک ولی، نیک بزرگ انسان تھے ''حافظ جمال الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ملتان سے بہت دور کسی

گاؤں میں رہائش پذیر تھے یہ نواب بھیس بدل کر ملتان سے نکلا چھپتا چھپاتا ان کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اس وقت ملتان خطرے میں ہے اور ہم سب پریشان ہیں اللہ کے حضور دعا کیجئے مظالم بیان کئے کہ سکھ کس قدر مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں، حافظ جمال الدین نے سنا تو خود بھی رونے لگے کافی دیر تک تو ہاتھ ہی نہ اٹھائے، روتے رہے، پھر روتے روتے ایک دم ہاتھ اٹھائے، ہاتھ اٹھائے تو چھوڑ دیئے اور فرمایا مظفر خان! میری دعا سے پہلے اس بے نیاز کی بارگاہ میں اس ریچھ کی چیخیں پہنچ چکی ہیں جس ریچھ کو تم نے اپنے پالتو کتوں سے لڑوا کر مروا دیا تھا، میری دعا کیسے قبول ہوگی تم نے اس حیوان پر جو ظلم کیا، اُن حیوانوں پر جو ظلم کرتے ہوا اپنے پالتو کتوں کی برتری ثابت کرنے کے لئے ریچھوں کو مرواتے ہو ان کی چیخیں میری دعا سے پہلے اس بے نیاز کی بارگاہ میں پہنچ چکی ہیں۔

تو بھائیو! اللہ پاک کو ظلم پسند نہیں ہے میں اس مملکت کے صدر کو نہیں بدل سکتا، وکیلوں اور ججوں کو نہیں بدل سکتا، عالم اسلام کو نہیں بدل سکتا لیکن میں اپنے آپ کو تو بدل سکتا ہوں ہم سب اپنے آپ کو تو بدل سکتے ہیں، میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ عمومی طور پر بھی آج ظلم عام ہو گیا ہے، شاید ہی کسی کا دامن ظلم سے بچا ہوا ہو، لوٹ کھسوٹ، دھوکہ، فراڈ، جھوٹ، دوسروں کی زمینوں پر، پلاٹوں پر، جائیدادوں پر ناجائز قبضہ، ہم اپنی آنکھوں سے دن رات دیکھ رہے ہیں، ہر شخص کمائی کے چکر میں ہے، ناجائز طریقے سے مالدار بننے کے چکر میں ہے، لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ہے، خدارا! آپ تو توبہ کریں، آپ تو ظلم سے باز رہنے میں اور عدل پر قائم رہنے کا عزم کریں، اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ ہمیں وکیل بھی ایسے ہی دیگا، اللہ ہمیں جج بھی ایسے ہی دے گا،

اللہ ہمیں حکمران بھی ایسے ہی دے دے گا جو عدل کرنے والے ہوں گے، میرے یہ جذبات ہیں مجھے معاف کردیجئے گا لیکن شرم کی بات یہ ہے کہ پورے عالم اسلام میں ایسا لگتا ہے جیسے ظلم کا نظام ہے، ظلم ہی ظلم ہے وہ عدل جس کی ہم بات کرتے ہیں وہ قرآن میں محدود رہ گیا، احادیث میں رہ گیا، فقہ کی کتابوں میں رہ گیا، سیرت کی کتابوں میں وہ واقعات رہ گئے ہیں، ہم وعظوں میں بیان کر لیتے ہیں، تقریروں میں بیان کر لیتے ہیں اور خوش ہو جاتے ہیں لیکن آج عملی طور پر عالم اسلام میں مجموعی طور پر ظلم بہت زیادہ ہو گیا ہے، خصوصاً اپنے شہریوں کے ساتھ، یہ جن کو ہم گالیاں دیتے ہیں یہ لوگ کم از کم اپنے شہریوں کے ساتھ تو عدل وانصاف کرتے ہیں، ہمارے ظالموں کا معاملہ تو یہ ہے کہ یہ ان غیروں کے سامنے تو غلام بن کر رہتے ہیں، جھک کر رہتے ہیں لیکن اپنے شہریوں پر بدترین ظلم وستم کرتے ہیں میری دعا ہے اللہ پاک ہم سب کو، ہمارے وکیلوں کو، ہمارے ججوں کو اسلامی نظام عدل عملی طور پر قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اسلام کا نظام تعلیم و تربیت

ازافادات

داعی قرآن ، مُفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق

- کتاب وسنت کی روشنی میں تعلیم وتربیت کی اہمیت
- سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ تعلیم وتربیت
- کیا علمِ قدیم اور علمِ جدید میں تضاد ہے؟
- دینی ودنیاوی درسگاہوں میں فاصلہ کیسے کم کیا جاسکتا ہے؟
- ملک عزیز میں نافذ موجودہ نصابِ تعلیم ہمارے نوجوانوں پر کیا اثرات مرتب کر رہا ہے؟
- سیکولر این جی اوز سے وابستہ مختلف امتحانی تعلیمی بورڈز کی ہمارے ملک میں آمد کے کیا مقاصد ہیں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ

اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢
اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝٤ عَلَّمَ
الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥

(سورۃ العلق: ۱ـ۵)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمِ

میرے بھائیو اور میری بہنو! القرآن کورسز سینٹر کے زیرِ اہتمام درسِ قرآن

کی یہ جو ماہانہ نشست ہوتی ہے مرکزی موضوع کے علاوہ کچھ ذہنی سوالات بھی نے دیے ہیں تو ان شاء اللہ العزیز میں ان سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کروں گا۔

تعلیم و تربیت کی اہمیت

تمہیدی طور پر یہ جان گئے کہ اللہ پاک نے دنیا کا نظام کیسا بنایا ہے؟ کہ کسی بھی چیز میں حسن وخوبی پیدا کرنے کے لیے محنت کی ضرورت ہے اور بگاڑ اور خرابی کے لیے عام طور پر محنت کی ضرورت پیش نہیں آتی، اگر آپ اپنے گھر میں پھول اگانا چاہتے ہیں اور لان بنانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے یقیناً آپ کو محنت کرنے کی ضرورت ہوگی۔ زرخیز مٹی کا انتظام کرنا ہوگا، کھاد ڈالنی ہوگی، گوڈی کرنی ہوگی، پانی لگانا ہوگا، مالی کا انتظام کرنا ہوگا، مسلسل توجہ دینی ہوگی، لیکن اگر خدانخواستہ آپ اس چمن کو، اس گلشن کو، اس ہرے بھرے لان کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اس پر توجہ دینا چھوڑ دیں، گوڈی کرنا چھوڑ دیں، پانی لگانا چھوڑ دیں، کھاد دینا چھوڑ دیں، تو کچھ عرصے بعد وہ خود ہی جھاڑ جھنکار میں اور ویرانے میں تبدیل ہو جائے گا۔ کسی بھی خالی پلاٹ میں اگر آپ کا ارادہ کوئی بلڈنگ بنانے کا ہو، کوئی مارکیٹ بنانے کا ہو۔ فیکٹری اور کارخانہ لگانے کا ہو تو اس کے لیے خاصا سرمایہ درکار ہوگا، خاصی محنت اور توجہ درکار ہوگی۔ لیکن اللہ نہ کرے اگر آپ اس کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے بس غفلت ہی کافی ہے، بے توجہی کافی ہے، کچھ عرصے کے بعد اس جگہ کا یہ حال ہو جائے گا کہ عام آدمی کو وہاں جاتے ہوئے خوف آئے گا لوگ

کہتے ہیں ”خانہ خالی راہ دیومی گیرد“ جو گھر ویران ہوتا ہے وہاں جنات اور دیو کا قبضہ ہوجاتا ہے۔ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا اللہ جانے۔ لیکن صورت ایسی پیدا ہوجاتی ہے کہ جو گھر عرصہ تک ویران پڑا رہے تو لوگ وہاں جاتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ یہاں آسیب کا اثر ہے اور جنات کا قبضہ ہے۔ اگر آپ اپنے بچے کو قرآن کریم کا حافظ بنانا چاہتے ہیں، قاری بنانا چاہتے ہیں، عالم بنانا چاہتے ہیں، محدث، مفسر بنانا چاہتے ہیں، صحافی اور ڈاکٹر بنانا چاہتے ہیں، وکیل اور جج بنانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے خاصی محنت کی ضرورت ہوگی۔ خون جگر دینا پڑے گا، اپنے جذبات کی قربانی پیش کرنی ہوگی، خود بچے کے آرام وراحت کے اوقات کو قربان کرنا ہوگا لیکن اللہ نہ کرے اگر کوئی اپنے بچے کو بگاڑنا چاہتا ہے تو اس کے لیے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہے، نہ بھیجیں اس کو مدرسہ میں، نہ اس کو بھیجیں اسکول میں، نہ توجہ دیں اس پر، نہ وقت دیں، نہ نگرانی کریں اس کی، وہ جہاں چاہے جائے، جس وقت چاہے جائے، جب چاہے جاگے، جب چاہے سوئے، خود بخود اس کے اندر بگاڑ پیدا ہوجائے گا۔ میں عرض یہ کررہا تھا کہ کسی بھی چیز میں کمال پیدا کرنے کے لیے حسن وخوبی پیدا کرنے کے لیے محنت کی ضرورت ہے۔ بے جان چیزوں میں بھی، جاندار چیزوں میں بھی، چنانچہ یہ جو ہم اور آپ دیکھتے ہیں کہ جو لوگ مختلف جانوروں کو مختلف چیزیں سکھاتے ہیں مثلاً گھوڑوں کو سکھاتے ہیں، اونٹوں کو سکھاتے ہیں، مرغوں کو سکھاتے ہیں، تیتر اور بٹیر کو سکھاتے ہیں اور اس کے لیے خاص محنت کرتے ہیں بغیر محنت کے ان کے اندر وہ کمال پیدا نہیں ہوتا اور یہ بھی بتادوں کہ خود اللہ نے علم والے کتے اور جاہل کتے میں فرق کیا

ہے۔قرآن کریم میں اللہ پاک نے فرق کیا اس کتے کے درمیان جس کو کچھ سکھایا گیا ہے اور اس کتے کے درمیان جس کو کچھ بھی سکھایا نہیں گیا پارہ نمبر ۶ کے اندر فرمایا

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ؗ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَیْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

(المائدۃ:۴)

’’جن کتوں کو تم سکھاتے ہو‘‘ اگر میں یہ الفاظ استعمال کروں تو بظاہر بڑے عجیب لگیں گے لیکن معنی تو یہی ہیں وہ کتے جو کچھ علم رکھتے ہوں، جن کتوں کو تم کچھ علم دیتے ہو، اس لیے کہ اللہ نے جو لفظ استعمال کیا تُعَلِّمُوْنَهُنَّ تعلیم کا لفظ استعمال کیا جن کتوں کو تم کچھ سکھاتے ہو وہ اگر شکار کرے، اس شکار کو تمہارے لیے کھانا حلال ہوگا، لیکن جن کتوں کو تم کچھ نہیں سکھاتے وہ اگر ویسے ہی شکار کرلے جیسا کہ سکھایا ہوا کتا شکار کرتا ہے تو اس کا شکار کھانا جائز نہیں ہوگا۔آپ اندازہ کیجیے کہ کتے میں بھی فرق۔علم والے میں اور بغیر علم والے کے، سکھائے ہوئے کے اور بغیر سکھائے ہوئے کے، جس کو سکھایا گیا ہے سُدھایا گیا ہے اور اس کی پوری شرائط ہیں تفسیر کی کتابوں، میں فقہ کی کتابوں میں کہ کون سا کتا ہے کہ جس کو ہم کہیں گے کہ یہ کلب معلم ہے، یہ وہ کتا ہے جس کو سکھایا گیا ہے وہ اگر

شکار کرے تو شکار کرنا جائز، شکار کھانا جائز، شکار حلال اور اگر دوسرا کتا دوسرا جانور شکار کرے اور ویسے ہی شکار کرے جیسا کہ کلب معلم نے کیا تھا، سدھائے ہوئے کتے نے کیا تھا تو اس کے باوجود بھی اس کا شکار کھانا جائز نہیں ہے۔ تو تعلیم کے لیے، تربیت کیلیئے، کمال پیدا کرنے کے لیے، خوب کے لیے محنت کی ضرورت ہے اور تعلیم و تربیت اگر انسان کو دی جائے تو انسان بالکل بدل جاتا ہے اور جو تعلیم و تربیت سے محروم رہے تو وہ بعض اوقات حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ایک عرب شاعر نے کہا ہے کہ: یتیم وہ نہیں ہے جس کا باپ فوت ہو جائے۔ یتیم تو وہ ہے جو تعلیم و تربیت سے محروم رہ جائے۔

یتیموں کے کارنامے

اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ حیران رہ جائیں گے دنیا میں یتیموں نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے دین کے میدان میں بھی، دنیا کے میدان میں بھی، شاعری اور ادب کے میدان میں بھی اور سائنس اور میڈیکل کے میدان میں بھی، یتیموں نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے۔

میں نے ایک صاحب کا مستقل مضمون دیکھا جنہوں نے بڑی ریسرچ کی، تحقیق کی اور بڑے بڑے دنیا میں جو نامور لوگ گزرے ہیں ان کے بارے میں بتایا کہ وہ یتیم تھے اور ان صاحب نے ایک عجیب بات لکھی انہوں نے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ بعض یتیموں کی تعلیم و تربیت اللہ خود کرتے ہیں، اس کا انتظام اللہ پاک خود کر دیتے ہیں، وہ تاریخ کے کئی نامور لوگ ہیں جو یتیم تھے، خود

ہمارے آقا، کائنات کے آقا، جن وانس کے آقا، حضرت محمد رسول ﷺ بھی یتیم تھے۔تو یتیم وہ نہیں جس کا باپ فوت ہو جائے، حقیقی یتیم تو وہ ہے جو تعلیم و تربیت سے محروم رہ جائے، باپ زندہ ہے اور بیٹا اور اولاد تعلیم و تربیت سے محروم ہے تو ایسی ہی اولاد کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ ''زندہ باپ کے یتیم بچے'' تو اسلام نے تعلیم کو، حصول علم کو جتنی اہمیت دی ہے میرے خیال میں دنیا کے کسی مذہب نے بھی نہیں دی ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ ہمارے قریب کے زمانے کی، دو یا تین صدیاں چھوڑ کر اگر آپ تاریخ کا جائزہ لیں تو سب سے زیادہ علماء، محققین، سائنس دان، اطباء، حکماء اور فلسفی و مصور، مسلمانوں میں گذرے ہیں۔ آج کل تو کچھ سناٹا سا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مسلمان ماؤں کی گودیں ویران ہوگئیں، بنجر ہوگئیں، خزاں کا دور ہے، عالم اسلام کو قیادت میسر نہیں آرہی ہے، پورے عالم اسلام میں جو قیادت کے منصب پر فائز ہیں ان میں سے اکثر لٹیرے، ذاتی مفادات کے اسیر، خواہشات کے غلام، غیروں کے بندے، شیطان کے غلام، ایسا لگتا ہے جیسے مسلمان ماؤں کی گودیں قیادت کا نام ہی بھول گئیں عالم اسلام میں قیادت کا نام ہی مٹ کر رہ گیا وہ جو ایک صحابی نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد صورت ایسی تھی جیسے ٹھٹھرتی ہوئی رات ہو، ویرانہ اور جنگل ہو اور بھیڑ بکریوں کا گلہ ہو لیکن چرواہا نہ ہو، بھیڑیئے کثرت کے ساتھ ہیں، درندے کثرت کے ساتھ ہیں، رات ہے، ویرانہ ہے، تاریکی ہے، ٹھنڈک ہے، جنگل ہے، بھیڑ بکریوں کا گلہ ہے لیکن چرواہا نہیں ہے۔تو ان حالات میں حضرت صدیق اکبر

رضی اللہ عنہ نے اُمت کو سنبھالا۔ آج عالم اسلام کی صورت حال کچھ ایسی ہی ہے بھیڑیے کثرت کے ساتھ، ہر طرف سناٹا، ویرانی، سرد اور ٹھنڈی رات لیکن کوئی چرواہا نہیں ہے۔ اُمت کو کوئی سنبھالنے والا، مجتمع کرنے والا نہیں ہے اس لیے آپ اگر غور فرمائیں تو جو ہمارے قریب کی دو، تین صدیاں ہیں ان کو چھوڑ کر پیچھے اگر آپ جائیں تو آپ کو پوری دنیا میں علم کے میدان پر، تاریخ کے میدان پر، سائنس کے میدان پر، طب حکمت اور فلسفے کے میدان پر مسلمانوں کا قبضہ دکھائی دے گا۔ چھ سو سال کے بعد جب پہلی وحی انسانوں کی طرف نازل ہوئی تو پہلا لفظ تھا اقرأ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے گئے ہوئے لگ بھگ ۶۰۰ سال ہو گئے تھے، ۶۰۰ سال کے بعد یوں کہیے کہ زمین کا جو آسمان سے رابطہ ہوا اور لائن بحال ہوئی اور پہلی وحی نازل ہوئی تو پہلی وحی کا لفظ تھا ''اقرأ'' پڑھیے۔ حالاں کہ اس وقت جو حالات تھے پہلا لفظ پہلا حکم عورتوں کے حقوق کے بارے میں بھی ہو سکتا تھا اور عورتوں کی ہمدردیاں سمیٹنے کے لیے بڑا اچھا نعرہ تھا جیسے آج کے دور میں عورتوں کی ہمدردیاں سمیٹنے کے لیے اہل مغرب، مجددین اور دین بے زار اور علماء بے زار لوگ حقوق نسواں کا نعرہ بلند کرتے ہیں، حقوق نسواں کا نعرہ ان کی ہمدریاں سمیٹنے کے لیے، تو اسلام کے لیے تو بڑا اچھا موقع تھا عورتوں کی ہمدردیاں سمیٹنے کے لیے، اس لیے کہ عورت اس وقت واقعی مظلومیت کا ایک نمونہ Sample تھی، ظلم و ستم کا ہدف تھی، اسے زندہ درگور کیا جاتا تھا۔ اس کے پیدا ہونے پر ماتم کیا جاتا تھا، اس کے وجود کو باعث شرم سمجھا جاتا تھا، اس کے لیے کوئی حقوق نہیں تھے، نہ طلاق نہ نکاح، جیسے چاہیں اس کو استعمال کیا

جا سکتا تھا، میراث میں اس کو کچھ حصہ نہیں دیا جاتا تھا، مالِ غنیمت میں اس کو کچھ نہیں ملتا تھا، تو یہ اگر نعرہ لگایا جاتا تو واقعتاً فوراً لوگ متوجہ ہوتے اور خاص طور پر خواتین متوجہ ہوتیں کہ اسلام نے ہمارے حقوق کا نعرہ لگایا ہے۔ تو اس پس منظر میں پہلا نعرہ، پہلا حکم حقوقِ نسواں کے بارے میں ہوسکتا تھا۔ بت پرستی عام تھی پہلا نعرہ، پہلا حکم توحید کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا۔ اخلاق تنزل کا شکار تھے، پہلا حکم اعلیٰ اخلاق کے بارے میں بھی ہوسکتا تھا۔ عبادت کرنے والا کوئی نہیں تھا رب کی، پہلا حکم ''اعبدوا'' بھی ہوسکتا تھا، اشکروا بھی ہوسکتا تھا، اذکروا بھی ہوسکتا تھا، لیکن پہلا حکم وہ کیا تھا؟ اقرأ پڑھیے۔

وحی کا پہلا لفظ ہی حضور کا معجزہ ہے

اور یہ پہلا لفظ دیکھا جائے تو ہمارے آقا ﷺ کا یہ ایک مستقل معجزہ ہے یہ پہلا لفظ وحی کا یہ پہلا لفظ اقرأ پڑھیے یہ حضور کا مستقل ایک معجزہ بھی بن سکتا ہے اگر ہم غور کریں تو اس لیے کہ اس لفظ کے ضمن میں بتا دیا گیا کہ مستقبل کا دور وہ پڑھنے کا دور ہے آنے والا دور قلم، کتاب، کاغذ، تعلیم کے عام ہونے کا دور ہے۔ وگرنہ خود عرب کے اندر جو ماحول تھا وہاں معاذ اللہ معاذ اللہ کہہ رہا ہوں وہاں تو یہ لیکن پڑھنا جانتے نہیں تھے اور اسلام میں معاملات کے بارے میں قرآن کریم کی سب سے طویل آیت ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ

اللہ تعالیٰ نے بار بار فرمایا کہ لکھو، لکھواؤ،

میں عرض کر رہا تھا کہ پہلا حکم یہ خود مستقل معجزہ ہے نبی اکرم ﷺ کا۔ گویا اس کے ضمن میں آنے والا دور قلم و کاغذ کا دور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ ابھی آگے چل کر پھر بات ہوگی اسی حوالے سے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اس نے پیدا کیا انسان کو لوتھڑے سے اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۔ پڑھیے اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ جس نے علم دیا قلم کے ذریعہ سے، یہ قلم کی اہمیت اللہ بیان فرما رہے ہیں مسلمانوں کے سامنے، قلم کی عظمت اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے سورۃ قلم کے اندر قلم کی قسم کھا کر، قلم اور کتابوں کی قسم کھا کر قلم اور کتابت کو عظمت بخشی ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ①

(ن: ۱۔۲)

قلم کی قسم اور جو کچھ لکھتے ہیں اس کی قسم اور کتاب کی قسم۔ مسلمانوں کو متوجہ کیا گیا کہ علم قلم کے ذریعہ سے اور کتاب کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے اور مسلمان سن لیں کہ دنیا کی دوسری قوم تو لکھنے پڑھنے سے بے نیاز ہو سکتی ہے مگر مسلمان نہیں اس لیے کہ مسلمان پر تو لکھنے پڑھنے کو واجب کیا گیا اقرأ عام حکم ہے جو ہے امر۔ ہماری کتابوں میں آتا ہے کہ یہ جو امر کا صیغہ ہوتا ہے، حکم کا لفظ یہ وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ اقرأ پڑھیے، تو مسلمان لکھنے پڑھنے سے مستغنی اور بے نیاز ہو ہی نہیں سکتا۔ تو قرآن کریم میں زور ہے علم پر تعلیم پر۔ اس کے لیے

میں نے پہلا حوالہ دیا پہلی وحی کا کہ اس میں جو حکم آیا وہ پڑھنے کا حکم آیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر فضیلت کی وجہ

اس کے علاوہ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر جو فضیلت ملی وہ علم کی بنیاد پر۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓـئِكَةِ فَقَالَ اَنۡۢبِـئُوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۱﴾

(البقرة: ۳۱)

اے ملائکہ تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم خلافت کے حق دار ہیں تو پھر مجھے بتاؤ ان چیزوں کے نام، ان کی خصوصیات، ان کی تاثیرات اگر تم واقعی اپنے دعویٰ میں سچے ہو لیکن وہ نہ بتا سکے اور آدم نے بتا دیے اس لیے کہ حضرت آدم کو علم عطا کیا تھا۔

عالم اور جاہل برابر نہیں

اور قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ

قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ

{سورۃ الزمر: ۹}

اللہ کہتا ہے کہ کیا علم والے اور لاعلم برابر ہیں؟ نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔ اور اللہ عقل والا ان کو قرار دیتا ہے جو عقل کو وحی کے تابع کر دیتے ہیں۔ وہ عقل جو وحی سے باغی ہو جائے اللہ اس عقل کو عقل نہیں حماقت کہتے ہیں منافق بڑے ہوشیار تھے، بڑے تیز طرار دنیا کے معاملے میں بڑے چالاک اور بچ نکلتے

ہیں، بڑے چالاک، بڑے ہوشیار کہ کوئی قربانی نہ دینی پڑے، کوئی دکھ نہ سہنا پڑے، کسی حادثے کا سامنا نہ کرنا پڑے، نقصان میں شریک نہ ہوں، اور نفع میں شریک ہوں یہ منافقوں کی سوچ تھی اور مسلمان کی سوچ یہ تھی کہ اصل مقصد تو اللہ کی رضا ہے چاہے نفع ہو یا نقصان، فتح ہو یا شکست۔ اصل تو اللہ کی رضا ہے، تو وہ مسلمانوں کو کہتے تھے کہ یہ بے وقوف ہیں دنیاوی نفع ونقصان کا کوئی احساس نہیں ہے۔ یہ بے وقوف ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو بے وقوف قرار دیا، کیوں قرار دیا؟ اس لیے کہ مسلمان اپنے مادی نفع ونقصان سے بے پرواہ ہیں اللہ نے فرمایا: اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ یہ بے وقوف نہیں ہیں۔ مجھے راضی کرنے میں نہ رشتوں کی پرواہ کرتے ہیں نہ جہان والوں کی پرواہ کرتے ہیں۔ بے وقوف وہ ہیں جو مادی فائدہ کی خاطر مجھے ناراض کر لیتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

سنو! بے وقوف تو یہ منافق خود ہیں، لیکن وہ جانتے نہیں تو اللہ عقل مند کس کو کہتے ہیں؟ جو اپنی عقل کو وحی کے تابع کر دے جو اپنی عقل کو وحی کے تابع نہیں کرتا اللہ کی نظر میں وہ احمق ہے۔ تو جان لیجیے کہ اللہ عقل والا ان کو تسلیم کرتا ہے جو اپنی عقل کو وحی کے تابع کر دیں۔ وہ عقل جو وحی کا انکار کرتی ہو، وہ عقل جو وحی سے بغاوت کرتی ہو یہ حماقت ہے۔ اسی طریقے سے قرآن کہتا ہے

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط

(سورۃ فاطر: ۲۸)

میرے بندوں میں سے میری عظمت ان لوگوں کے دل میں ہوتی ہے جن

کے پاس علم ہوتا ہے۔ جن کے پاس علم ان کے دل میں میری عظمت، لیکن جن کے پاس علم نہیں ان کے دل میں میری خشیت اور میری عظمت بھی نہیں ہوتی، تو حصول علم پر تو یوں زور دیا گیا۔ علم کی فضیات یوں بیان کی گئی۔

تربیت کی اہمیت

اور تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی زور دیا گیا نبی اکرم ﷺ کے دنیا میں آنے کے مقاصد اللہ نے جو بیان فرمائے ان میں تعلیم بھی ہے اور تربیت بھی ہے۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط

(البقرۃ ۱۲۹ پارہ ۱)

تعلیم اور تزکیہ۔ تزکیہ کو میں یہاں تربیت کے ہم معنی کے طور پر استعمال کر رہا ہوں تو نبی کے دنیا میں آنے کے مقاصد دونوں، تعلیم بھی اور تربیت بھی اور صحیح بات تو یہ ہے میرے بھائیو اور میری بہنو! حقیقی علم جو ہے یہ خود تربیت کرتا ہے۔ تربیت کا ذریعہ بنتا ہے اور جان لیں کہ حقیقی علم وہ نہیں جو معلومات میں اضافہ کردے بلکہ حقیقی علم وہ ہے جو سیرت سازی، تربیت اور تزکیہ میں موثر کردار ادا کرے حقیقی علم وہ نہیں جو پوری دنیا کو فتنہ وفساد سے بھر دیتا ہے اور حقیقی علم وہ نہیں ہے جو انسان کو ہوا میں اُڑنا اور سمندروں میں تیرنا سکھاتا ہے۔ حقیقی علم وہ ہے جو انسان کو زمین پر انسان بن کر رہنا سکھاتا ہے، حقیقی علم وہ ہے جو انسان کا، بندے کا اپنے رب سے رشتہ ملاتا ہے، حقیقی علم وہ ہے جو دنیا میں امن قائم کرتا ہے، حقیقی علم وہ ہے جو انسان کے دل میں انسان کی قدر کرتا ہے، انسان کو اپنے رب اور مولا سے ملاتا ہے۔ یہ میں نے پہلے سوال کا جواب دیا جو پہلا

سوال اٹھایا گیا کہ اسلام میں تعلیم وتربیت کی اہمیت کیا ہے؟

سرورِ دوعالم ﷺ کا اندازِ تعلیم وتربیت

دوسرا سوال جو اٹھایا گیا وہ یہ کہ حضور ﷺ کی تعلیم وتربیت کا انداز کیا تھا؟ تو جان لیجیے کہ حضور ﷺ کی تعلیم وتربیت میں جو چیز ہمیں سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ ہے ''خیر خواہی'' ''ہمدردی'' بلکہ بات صرف ہمارے حضور ﷺ تک محدود نہیں بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم وتربیت کے اندر جو وصف ہمیں نمایاں دکھائی دیتا ہے وہ خیر خواہی کا ہے۔ اکثر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اللہ نے ذکر فرمایا کہ انہوں نے اپنی اپنی قوم سے کہا؛

وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ﴿۶۸﴾

(سورۃ الاعراف آیت ۶۸)

''میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور امانت دار ہوں''

وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾

(الاعراف: ۷۹)

''میں تمہارا خیر خواہ ہوں لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے ہو''

حضرت لوط علیہ السلام نے بڑے درد سے کہا؛

وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾

(الاعراف: ۷۹)

ہمارے آقا بھی اپنی امت کے لیے خیر خواہ تھے اپنی امت کے اجابت کے خیر خواہ اور امت دعوت کے بھی خیر خواہ تھے، آپ ابوبکر وعمر رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بھی

خیر خواہ تھے اور آپ نہ ماننے والوں کے بھی خیر خواہ تھے، لیکن کسی کو آپ کی خیر خواہی کا احساس ہی نہ ہوا۔ وہ آپ کو دشمن ہی سمجھتے رہے۔ ایک حدیث میں ذکر ہے چھوٹے چھوٹے کیڑے، پتنگے اور پروانے آگ میں چھلانگیں لگائیں اور کوئی شخص ان کو آگ سے ہٹائے وہ ان کو دور ہٹاتا ہے وہ اپنی کمر چھڑا چھڑا کر آگ میں چھلانگ لگانے کی کوشش کرتے ہیں تو خیر خواہ اور ہمدردی۔ پھر دیکھیے کسی کا ایک بیٹا ہے۔ ایک بیٹا ایسا بھی ہے کسی کا ایک بیٹا ایک بیٹی۔ کسی کے چھ، کسی کے دس۔ اسے ان کی تعلیم وتربیت کی فکر ہے اور حضور ﷺ کی امت کے مرد حضور کے روحانی بیٹے اور جتنی عورتیں وہ حضور ﷺ کی روحانی بیٹیاں اور حضور ﷺ کو سب کی تعلیم وتربیت کی فکر ہے۔

نبی علیہ السلام کا امت کے لئے درد

نبی کے درد کا اندازہ لگانا ہو تو یوں سمجھے کہ کسی باپ کی اولاد نافرمان ہو باپ چاہتا ہے یہ ہدایت کے راستے پر چلیں وہ ضلالت کے راستے پر چلتے ہیں، باپ چاہتا ہے یہ علم کے راستے پر چلیں وہ جہالت کے راستے پر چلتے ہیں، باپ چاہتا ہے یہ اچھے لڑکوں سے دوستی لگائیں وہ بروں سے دوستی لگاتے ہیں، باپ چاہتا ہے ماں چاہتی ہے ان کے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا ہوں وہ برے اخلاق اختیار کیے ہوئے ہیں، ماں اور باپ روتے ہیں، تڑپتے ہیں، منت سماجت کرتے ہیں، کبھی ڈراتے ہیں، کبھی آنکھیں دکھاتے ہیں، کبھی لالچ دیتے ہیں، کبھی روپیہ پیسہ دیتے ہیں۔ حد کر دیتے ہیں ان کو راہ راست پر لانے کے لیے ، میں نے دیکھا ایک باپ اپنی اولاد سے بے چارہ اتنا پریشان۔ اپنے بیٹے سے

کہہ رہا ہے، بیٹا اگر تو قرآن پڑھ لے۔ تو تجھے فلاں ملک کی سیر کراؤں گا۔ اب پیسے والا ہے اتنی لالچ دے رہا ہے اب بیٹے کے دل میں کوئی اہمیت ہی نہیں پیدا ہو رہی اب باپ کتنا تڑپتا ہو گا کتنا دل میں کڑھتا ہو گا۔ اے اللہ! میں اس کی خیر خواہی چاہتا ہوں ہمدرد ہوں اس کا۔ اس کا مستقبل سوچ رہا ہوں دنیا میں اس کی عزت، اس کا نام ہو، مجھ سے بھی زیادہ اس کی عزت ہو، مجھ سے بھی زیادہ اس کو سکون ملے میں یہ چاہتا ہوں اور یہ گندگی کے راستے پر چل رہا ہے۔ اللہ کی قسم ! کسی ماں کو اور کسی باپ کو اپنی اولاد کی اتنی خیر خواہی نہیں ہو گی جتنی ہمارے آقا ﷺ کو اپنی امت کی خیر خواہی مطلوب تھی اور جتنا درد آپ کے دل میں تھا اس لیے کہ آپ کے درد کی گواہی اللہ نے دی ہے۔ فرمایا کہ:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾

(سورہ الشعراء ۳ پارہ ۱۹)

میرے محبوب ! ایسا لگتا ہے کہ اگر یہ ایمان نہ لائے تو آپ اپنی جان ہی دے دیں گے۔

اللہ کہہ رہا ہے کہ ایسا لگ رہا ہے مجھے اور اللہ جب کوئی الفاظ استعمال کرتے ہیں، اللہ جب کسی حقیقت کا اظہار کرتے ہیں تو جچی تلی حقیقت ہوتی ہے، اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوتا۔ لفاظی نہیں ہوتی، حقیقت کے مطابق الفاظ ہوتے ہیں واقعی ہمارے حضور کے دل میں وہ درد تھا جس درد کا اظہار اللہ نے قرآن میں کیا ہے۔ تو آپ کی تعلیم و تربیت کا جو انداز تھا جو نمایاں چیز تھی وہ خیر خواہی، فرمایا کہ :

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

(سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸ ا پارہ ۱۱)

جو چیز تمہیں تکلیف میں ڈالے وہ چیز میرے نبی پر بڑی مشکل گزرتی ہے، اَللّٰہُ اَکْبَرْ! مشقت میں تم پڑتے ہو اور تکلیف میرے نبی کو ہوتی ہے۔ آپ جانتے ہیں رحیم اللہ کی بھی صفت ہے اور اللہ نے یہ صفت نبی کے لیے بھی استعمال کی کہ میرا نبی بھی ایمان والوں کے لیے بڑا رحیم ہے، بڑا مہربان، بڑا دردمند۔ آپ کی تعلیم و تربیت میں خیر خواہی کا جو عنصر تھا اس سے متعلق بہت سے واقعات حدیث کی کتابوں میں ہے۔

حضور کا نرالا اندازِ تفہیم

اس مختصر سی نشست میں بیان نہیں کیے جا سکتے۔ ایک واقعہ میں عرض کر دوں:

ایک صاحب آئے اور انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے یہ کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن میں زنا نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے آپ زنا کی اجازت دے دیں، صاف صاف کہہ دیا۔ ہائے اللہ! میں تو کہتا ہوں وہ بھی ہم سے بہت اچھا تھا جو کچھ تھا وہ ظاہر کر دیا، ایسا نہیں کہ چھپ کر جو مرضی کرتے رہیں اور اللہ کے نبی کو پتا ہی نہیں۔ آپ علیہ السلام نے جواب میں بڑی خیر خواہی کے ساتھ، بڑے درد کے ساتھ اور بڑی شفقت کے ساتھ پوچھا کہ اگر کوئی شخص تمہاری ماں کے ساتھ بدکاری کرے برداشت کرو گے؟ اس نے کہا: لا! اللہ کی قسم! یا رسول اللہ ﷺ! قطعاً برداشت نہیں کروں گا، آپ نے پوچھا اگر کوئی تمہاری بیٹی کے ساتھ کرے؟ اس نے کہا: نہیں۔ بہن کے ساتھ؟ کہا،

نہیں۔ بعض روایات میں کئی رشتوں کا ذکر آتا ہے پھوپھی کا، خالہ کا۔ اس نے کہا۔ یارسول اللہ ﷺ ہرگز برداشت نہیں۔ تو آپ نے فرمایا تم جس کے ساتھ بھی بدکاری کرنا چاہتے ہو وہ کسی کی ماں ہوگی، کسی کی بیٹی ہوگی۔ اس کے بعد اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دعا فرمائی، اے اللہ! اس کے سینہ کو پاک کردے اور اس کی شرم گاہ کی تو حفاظت فرمادے اَللّٰہُ اَکْبَرْ وہ صحابیؓ کہتے ہیں اس سمجھانے کے بعد اور حضور ﷺ کی اس دعا کے بعد مجھے سب سے زیادہ جس گناہ سے نفرت دل میں بیٹھ گئی وہ گناہ زنا کا گناہ تھا۔ کہاں یہ تھا کہ اس کی اجازت مانگ رہے تھے اور کہاں یہ ہوگیا کہ سب سے زیادہ نفرت زنا سے ہوگئی تو یہ حضور کے سمجھانے کا انداز، خیر خواہی والا، شفقت والا، محبت والا انداز، تو آپ کی تعلیم و تربیت میں جو چیز نمایاں نظر آتی ہے وہ خیر خواہی کا جذبہ ہے۔ میرے بزرگو اور دوستو! وہ معلم اور ٹیچر جو صرف مکا دکھانا جانتا ہے اور گالیاں دینا جانتا ہے اور برا بھلا کہنا جانتا ہے میں نہیں سمجھتا، اس کے دل میں خیر خواہی کا جذبہ ہے، شفقت کا جذبہ ہے وہ واقعی تعلیم چاہتا ہے وہ واقعی تربیت چاہتا ہے وہ واقعی تزکیہ چاہتا ہے۔ نہیں! وہ صرف دل کا غبار نکالنا چاہتا ہے بس اپنے مخالفین کے خلاف اور یوں تربیت نہیں ہوتی یوں عقائد نہیں بدلتے، یوں نظریات و خیالات نہیں بدلتے۔

علمِ قدیم اور علمِ جدید میں تضاد

میں اس موقع پر مشہور مفکر عظیم ترین مذہبی رہنما حضرت مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دوں گا۔ حضرت نے ایک جگہ فرمایا کہ علم ایک اکائی ہے جو

بٹ نہیں سکتی۔ علم کو قدیم اور جدید مشرقی اور مغربی میں تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے۔ یہ علم قدیم ہے، یہ علم جدید ہے، یہ مشرقی ہے، یہ مغربی ہے۔ ان خانوں میں علم کو تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے۔ علم تو ایک صداقت ہے، ایک سچائی ہے جو اللہ کی دین ہے۔ بہت سے لوگ قرآن وحدیث کے علم کو علمِ قدیم کہتے ہیں اور میڈیکل کا جو علم ہے، صنعت وحرفت جو علم ہے ان کو علم جدید کہتے ہیں یہ ایک سوچ ہے قرآن وحدیث قدیم ہے حالانکہ قرآن وحدیث میں ابدی سچائی ہے، صرف ۱۴۰۰ سال پہلے کی سچائیاں نہیں، ازل کی سچائی ابد کی سچائیاں وہ بیان کی گئیں۔ مخلوق کی ابتداء سے لے کر انتہا تک کی سچائیاں بیان کی گئیں۔ اگر اس اعتبار سے کوئی قرآن وحدیث کے علم کو قدیم کہتا ہے تو میں تسلیم کرتا ہوں لیکن اگر اس اعتبار سے کوئی کہے کہ آج یہ بوسیدہ ہو گیا ہے، آج کے ترقی یافتہ دور ترقی یافتہ دور کے ساتھ یہ میل نہیں کھاتے تو ہرگز حَاشَا وَكَلَّا اس جھوٹے دعویٰ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور یہ بھی جان لیں کہ قرآن وحدیث کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے طب کے ساتھ، حکمت کے ساتھ، صنعت وحرفت کے ساتھ، میڈیکل کے ساتھ، سائنس کے ساتھ، ٹیکنالوجی کے ساتھ، کوئی تضاد اور کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، کیسے ٹکراؤ ہو سکتا ہے؟ قرآن نے خود صنعت وحرفت کا ذکر کیا ہے اس کی ترغیب دی ہے۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ

(سورۃ الانبیاء ۸۰، پارہ ۱۷)

اللہ تو کہتا ہے کہ صنعت وحرفت تو میرے انبیاء علیہم السلام کی وراثت ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے یہ صنعت وحرفت، یہ فیکٹریاں اور کارخانے یہ مختلف مصنوعات یہ

تو انبیاء کی وراثت ہے وہ یہ کام کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام یہ کام کرتے تھے۔ زراعت کے ساتھ کیسے ٹکراؤ ہو سکتا ہے قرآن کا؟ جبکہ قرآن نے خود زراعت کا ذکر کیا۔ اللہ کے نبی نے زراعت کی فضیلت بیان فرمائی، صنعت وحرفت کی فضیلت بیان فرمائی فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ ط

اللہ کاریگر بندے کو، صنعت وحرفت والے کو پسند کرتا ہے وہ اللہ کا محبوب ہے۔ تجارت کا کیسے تضاد ہو سکتا ہے قرآن کے ساتھ؟ جبکہ قرآن نے متعدد جگہ پر تجارت کے فضائل بیان فرمائے، تجارت کی شرائط بیان فرمائیں، تجارت کے آداب بیان فرمائے اور کیسے ٹکراؤ ہو سکتا ہے میڈیکل کا اور حکمت اور طب کا، قرآن وحدیث کے ساتھ جبکہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعبہ میں ہدایات دی ہیں اور کیسے ٹکراؤ ہو سکتا ہے سائنس کے ساتھ قرآن کا؟ جبکہ قرآن کی تقریباً ساڑھے سات سو کے قریب آیات تکوینیات کے بارے میں ہیں، کہ سورج اور چاند کے بارے میں، زمین وآسمان کے بارے میں، دریاؤں اور سمندروں کے بارے میں، ہواؤں اور آگ کے بارے میں، عناصر کے بارے میں، فرق صرف یہ ہے کہ جو میں نے عرض کیا اور میں نے کہا تھا کہ آگے اس بات کو دوبارہ چھیڑوں گا۔ کوئی بھی فن سیکھا جائے خواہ وہ ٹیکنالوجی ہو، ایجوکیشن ہو، میڈیکل ہو، کوئی بھی علم ہو اور کوئی بھی فن ہو وہ رب کے نام کے ساتھ ہو، بنیاد ہو رب کے نام سے تو وہ اسلامی فن ہے۔ قرآن اس سے منع نہیں کرتا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴿۱﴾

(سورۃ العلق آیت نمبر ۱، پارہ ۳۰)

پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ اور جان لیجیے بعض اہل علم نے لکھا کہ مسلمانوں کو صنعت وحرفت اور دوسرے ایسے علوم وفنون جو زندگی کے مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا حاصل کرنا فرض ہے تاکہ وہ غیروں کے محتاج نہ بن جائیں، تاکہ مسلمان غیروں کا محتاج نہ بن جائے۔ آج مسلمان غیروں کا محتاج بن گیا، قدم قدم پر، اک اک چیز میں غیروں کا محتاج، ان کے طعنے کہ اسلحہ ہمارا استعمال کرتے ہو اور ملبوسات ہمارے، مشروبات ہمارے اور ہماری پستی کی انتہا تو یہ ہے کہ ہم کو برگر بنانا بھی نہیں آتا۔ ہاں ہم برگر بھی ان کے کھاتے ہیں اور بوتلیں بھی ان کی پیتے ہیں، ہم پرفیوم بھی ان کے استعمال کرتے ہیں، ہائے میرے اللہ! ہماری پستی کی انتہا لیکن یہ پستی کا راستہ ہمیں قرآن نے نہیں دکھایا۔ قرآن نے تو بلندی کا راستہ دکھایا تھا ہم نے اس راستے کو چھوڑ کر خود تنزل اور ذلت کا راستہ اختیار کیا۔

دینی ودنیاوی درسگاہوں کا فاصلہ کیسے کم کیا جائے؟

ایک سوال اور اٹھایا گیا، وہ یہ کہ دینی ودنیاوی درس گاہوں کا فاصلہ یہ کیسے کم کیا جاسکتا ہے؟؟ آج تو ایسا لگتا ہے کہ یہ بالکل دو ایسی انتہائیں ہیں جن میں کبھی وصل نہیں ہوسکتا، جن میں کبھی اتحاد نہیں ہوسکتا، دونوں ضدین ہیں۔ کالج اور یونیورسٹی اور مکتب ومدرسہ بالکل ایک دوسرے کی ضد۔ حالانکہ یہ ضد نہیں ہے وہاں بھی علم ہے یہاں بھی علم ہے، علم کے اعتبار سے تو دونوں برابر اور میں نے آپ کو بتایا کہ حضرت ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علم کو جدید وقدیم اور مشرقی

اور مغربی میں تقسیم کرنا یہ تو صحیح نہیں ہے تو ان میں اتنا تضاد، اتنی دوری نہیں ہونی چاہیے تھی۔

لیکن بعض حضرات نے دونوں کے درمیان ایسی خندق حائل کر دی کہ لگتا ہے کہ اب یہ دونوں کبھی قریب نہیں آسکتے۔ میں اس سلسلے میں ان لوگوں کو بھی قصوروار کہتا ہوں جنہوں نے کم علمی کی بنا پر، کم فہمی کی بنا پر مطلقاً انگریزی زبان کا سیکھنا ہی حرام قرار دے دیا حالاں کہ کوئی زبان اپنی ذات کے اعتبار سے نہ کفر کی زبان ہے، نہ ایمان کی زبان ہے۔ ایک عربی زبان تو ہے جس سے ہم محبت کرتے ہیں کہ قرآن کی زبان ہے، حضور کی زبان ہے اور جنت والوں کی زبان ہے لیکن عربی میں گالیاں بھی ہوسکتی ہیں، عربی میں گانے بھی ہیں، عربی میں کفر بھی بکا جا سکتا ہے، ابوجہل جو کفریہ زبان بولتا تھا تو وہ انگریزی تو نہیں بولتا تھا ابوجہل عربی ہی بولتا تھا، امیہ بھی عربی ہی بولتا تھا، عبداللہ بن عربی ہی بولتا تھا، حضور کے دشمن عربی ہی بولتے تھے، اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی زبان نہ مسلمان ہوسکتی ہے نہ کافر ہوسکتی ہے ہر وہ زبان مسلمان ہے جب اس کے اندر اسلام کی بات ہو دعوت کی بات ہو قرآن چاہے وہ فرانسیسی ہو، چاہے وہ ہندی ہو ہندو کی زبان ہے تو کیا ہم ہندی زبان کو اپنے اوپر حرام کر دیں گے اس لیے کہ ہمارے دشمنوں کی زبان ہے، ہندوں کی زبان ہے، نقصان تو اپنا ہی کریں گے، اسلام نے تو ہم کو منع نہیں کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ یہ زبان سیکھو۔ میں نے تو اس زبان میں دعوت دینی ہے، خطوط لکھنے ہیں۔ تو میں ان لوگوں کو بھی اس خندق کا، اس تضاد کا، اس دوری کا ذمہ دار ٹھہراتا ہوں

جنہوں نے مطلقاً ہی انگریزی زبان کو حرام کہنا شروع کردیا۔

سب سے زیادہ قصوروار کون؟

لیکن ان سے بھی زیادہ وہ لوگ قصوروار ہیں جنہوں نے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے دروازے دینی تعلیم کے لیے، قرآن وحدیث کے لیے، اہل علم کے لیے بند کردیے کہ وہاں سب کچھ سیکھا جاسکتا ہے لیکن قرآن وحدیث نہیں۔ آج بہت سے لوگ دینی مدارس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کیا ہوگیا ان دینی مدارس کو؟ یہاں سے صرف مفتی پیدا ہوتے ہیں، صرف مفسر پیدا ہوتے ہیں، امام وخطیب پیدا ہوتے ہیں، یہاں سے ڈاکٹر کیوں نہیں پیدا ہوتے؟ انجینئر کیوں نہیں پیدا ہوتے؟ سائنس دان کیوں نہیں پیدا ہوتے؟ تو بڑا لوگوں کو متعصب کرتے ہیں کہ یہ بڑا نکتہ ہے جو انہوں نے بیان کردیا بڑی اہم بات۔ تو چونکہ مدرسوں سے ڈاکٹر پیدا نہیں ہوتے لہٰذا مدارس فضول ہیں، بے کار ہیں، بوجھ ہیں معاشرہ پر اَللّٰہُ اَکْبَرُ! مدرسوں پر تو یہ اعتراض ہے کہ یہاں سے ڈاکٹر پیدا نہیں ہوتے اور یہاں سے انجینئر پیدا نہیں ہوتے لیکن کیا کبھی کسی نے کالج ویونیورسٹی پر اعتراض کیا یہاں سے کوئی امام پیدا نہیں ہوتا، کوئی مفتی پیدا نہیں ہوتا، کوئی مفسر پیدا نہیں ہوتا حالانکہ ایک اسلامی ملک کا مدرسہ ہے، اسلامی ملک کا کالج ہے، یونیورسٹی ہے ہمیں تو وہاں سے یہ توقع رکھنی چاہیے کہ وہاں سے امام وخطیب بھی پیدا ہوں، مفسر بھی پیدا ہوں۔ تو بھئی اس تضاد کو کم کیا جاسکتا ہے اس کو جو دنیاوی اور دینی درس گاہوں میں پائی جاتی ہے جب ادھر والے ادھر اپنے قدم بڑھائیں تو ادھر والے ادھر اپنے قدم بڑھالیں۔

ایک زمانہ میں یہ سوچ پائی جاتی تھی چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ علی گڑھ کے پڑھے ہوئے وہ بھیجے جائیں دارالعلوم دیوبند میں اور دارالعلوم دیوبند کے پڑھے ہوئے وہ کچھ طلبہ بھیجے جائیں علیگڑھ میں، تاکہ وہاں کے پڑھے ہوئے یہاں آکر مفتی اور محدث بنیں اور یہاں کے پڑھے ہوئے وہاں جاکر جدید علوم وفنون سیکھیں تو یہ فاصلہ کم ہو۔ایک زمانہ میں یہ سوچ پائی گئی لیکن پھر نہ معلوم اس سوچ کا تسلسل کیسے ختم کردیا گیا اور اس خندق کو وسیع سے وسیع تر کردیا گیا۔

موجودہ نصابِ تعلیم کے نوجوانوں پر اثرات

ایک پانچواں سوال جو اٹھایا گیا وہ یہ کہ جو موجودہ نصاب تعلیم ہے اس کے نوجوان نسل پر کیا اثرات ہیں؟

بہتر تو یہ تھا کہ اس سوال کا جواب کوئی ایسے صاحب ہی دیتے جن کا تعلق کالجوں اور یونیورسٹیوں اور وہاں کے طلبہ کے ساتھ ہوتا اور وہ اس ماحول سے خوب واقف ہوتے نصابِ تعلیم میں اصل چیز جو ہے وہ مقصد تعلیم ہے۔تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ بنیادی چیز یہ ہے کہ اہم کردار ادا کرتی ہے کہ تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ دیکھیے اگر قرآن کی تعلیم کا مقصد قرآن پر اعتراض ہو، روپیہ پیسہ کمانا ہو، قرآن کی تعلیم کا مقصد شہرت اور عزت ہو، تعلیم کا مقصد بے وقوفوں پر اپنی بڑائی جتلانا ہو تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس کا یہ مقصد ہوگا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا چونکہ نیت اور مقصد صحیح نہیں ہے، اور اگر ایک شخص میڈیکل کے شعبے میں جاتا ہے یا سائنس کے شعبے میں یا کسی بھی شعبے جاتا ہے اور اس کی نیت یہ ہے کہ اس شعبہ میں تخصص اور کمال حاصل کرکے اسلام کی خدمت کروں، مسلمانوں کی

خدمت کروں، اللہ کا نام دنیا میں بلند کروں، مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کا محتاج ہونے سے بچاؤں، تو اس کا سیکھنا اور اس کا ڈاکٹر بننا عبادت ہے۔لیکن خدانخواستہ جس کی نیت اور بنیادی مقصد تعلیم صرف پیٹ کا بھرنا، اعلیٰ سے اعلیٰ ملازمت کا حاصل کرنا ہو، اسلام کی خدمت، نہ مسلمانوں کی خدمت، نہ عالم اسلام کی خدمت، قرآن وحدیث کی خدمت، یہ مقصد ذہنوں سے نکال دیا گیا تو پھر ہم قابل اعتراض سمجھتے ہیں جبکہ موجودہ زمانے میں کالجز اور یونیورسٹیوں کا ماحول کس قدر دین سے دور ہے اور کسی طریقہ سے وہاں اسلام کے شعائر کا مذاق اُڑایا جاتا ہے تو ماحول ایسا بنا دیا گیا پھر اس سے کیا کیا قباحتیں جنم لے رہی ہیں ایک تیسری چیز جس کو ہم قابل اصلاح سمجھتے ہیں استاد اہم کردار ادا کرتا ہے طلبہ کا ذہن بنانے میں اور ان کا کردار بنانے میں۔

حضرت مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی پیاری بات فرمائی، فرمایا کہ: اگر استاد ملحد اور بے دین ہے وہ قرآن پڑھائے تو اپنے شاگردوں کو دین سے قرآن سے دور کردے گا اور اگر استاد ذہنی اعتبار سے پکا مومن ہے وہ تورات اور انجیل بھی پڑھائے تو قرآن کے قریب کردے گا۔ یہ حقیقت ہے استاد اثر انداز ہوتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہاں اساتذہ کے انتخاب میں کوئی ایسی باریک بینی نہیں کی جاتی کہ استاد عقیدہ کے اعتبار سے مضبوط ہو، اپنے فن میں اُسے کمال بھی حاصل ہو، مخلص و دیانتدار بھی ہو۔ جبکہ وہاں یہ ذہن پایا جاتا ہے کہ وہ کسی بھی مذہب کا ہوسکتا ہے لیکن اگر اسے اپنے اس فن میں کمال حاصل ہے تو وہ وہاں استاد لگ سکتا ہے۔ حالانکہ ان تین چیزوں کا اگر لحاظ کرلیا جائے تو کالج و یونیورسٹی میں بھی دین

کے خادم، دین کے مبلغ اور دین کے داعی پیدا ہو سکتے ہیں۔

سیکولر این جی اوز سے وابستہ تعلیم بورڈ کی ہمارے ملک میں آمد کے مقاصد

ایک آخری سوال جو اٹھایا گیا کہ پاکستان میں سیکولر تعلیمی بورڈ کے آنے کے مقاصد کیا ہیں؟

اب مسئلہ میرے ساتھ یہ ہے کہ میں تو ایک مدرسے کا طالبعلم ہوں آپ کے بقول چھوٹے سے کنویں کا مینڈک نہ علمی مواد اور نہ اتنا تجربہ، نہ مشاہدہ، لٹریچر اور ہمارے منتظمین سوالات ایسے رکھ دیتے ہیں جن کے لیے ان چیزوں کا ہونا بہت ضروری ہے میں اس سوال کے جواب میں صرف آغا خان امتحانی بورڈ کا ذکر کروں گا اور اس کا بھی بہت تفصیل کے ساتھ نہیں بلکہ آغا خان امتحانی بورڈ جس کو بڑے اختیارات دیے جا رہے ہیں اس وقت حکومت کی طرف سے، اس کے مقاصد کو سمجھنے کے لیے میں اس کے سوال نامے کے ذکر پر اکتفا کروں گا جو سوال نامہ آغا خان ایجوکیشن سروس پاکستان نے نویں کلاس سے لے کر گیارہویں کلاس تک کے طلبہ وطالبات کے لیے تیار کیا، اس میں سے صرف چند سوالات اس وقت ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔ اس وقت تفصیل میں نہیں جاتا، اسی سے آپ جان لیں گے کہ اس کے کیا مقاصد ہیں؟ وہ کیا چاہتے ہیں؟ طلبہ وطالبات میں کیا تبدیلی لانا چاہتے ہیں؟ ان کے معیار کو بلند کرنا چاہتے ہیں؟ ان چند سوالوں سے آپ ان کا اندازہ کر سکیں گے۔ سارے سوالات آپ کو نہیں بتا رہا صرف چند سوال۔ ان میں ایک سوال یہ ہے کہ جو طلبہ سے بھی کیا گیا اور طالبات سے بھی ① ۔ کیا آپس کے تعلقات استوار کیے۔ ② ۔ اگر استوار کیے تو کتنی عمر میں؟ ③ ۔ کیا آپ نے بہن

کو بے لباس دیکھا ہے؟ ④۔کیا آپ بچپن میں والدہ کے سوتے رہے؟ کیا آپ نے کبھی انہیں ننگا دیکھا ہے؟ ⑤۔کیا آپ کے باپ نے آپ کے ساتھ کبھی جنسی تعلقات قائم کیے؟ یہ صرف پانچ سوالات آپ کو میں سناتا ہوں ورنہ سوالات کی فہرست بڑی طویل ہے ان سوالات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس قسم کے جو تعلیمی بورڈ ہیں ان کے کیا مقاصد ہیں؟ آخر میں بڑے درد کے ساتھ کہتا ہوں میرے بھائیو اور میری بہنو! میں تو قرآن کریم کا ادنیٰ سا طالبعلم، مفسرین اور محدثین کی جوتیوں میں بیٹھنے والا ہوں، میری ناقص سی سوچ یہ ہے کہ مسلمانوں کے نظامِ تعلیم وتربیت میں قرآن کی بنیادی حیثیت دینا ضروری ہے جو نظامِ تعلیم وتربیت ہے وہ مکتب میں ہو، مدرسہ میں ہو، اسکول میں ہو، کالج میں ہو، یونیورسٹی میں ہو یا کسی بھی تعلیمی ادارہ میں ہو اس میں قرآن کو بنیادی حیثیت دینا ضروری ہے ، پہلے مرحلے پر ناظرہ قرآن کریم صحیح تلفظ کے ساتھ، تجوید کے آسان قواعد کے ساتھ ایسا نہیں کہ جیسا چاہے پڑھ لے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے۔

میں نے کہا انگریزی کی ضرورت ہے لیکن اتنا احساس کمتری کہ آپ اپنی اولاد کے لیے یہ سوچیں کہ اتنا کافی نہیں ہے کہ میری اولاد انگریزی سمجھ سکے ، انگریزی بول سکے بلکہ آپ کی کوشش یہ ہوتی کہ میری اولاد انگریزی بولے تو انگریز کے لہجے میں بولے، ہاں امریکیوں کے لہجے میں حالانکہ ہر ایک کا لہجہ بھی مختلف۔ فرانسیسیوں کا لہجہ مختلف، برطانوی کا مختلف، امریکیوں کا مختلف، جرمنوں کا مختلف اور ان کے ہاں سب سے زیادہ زور اپنی مادری زبان پر ہوتا ہے۔ جرمن اپنی زبان کے بارے میں بڑے حساس۔ لیکن ایسا نہیں کہ اپنی زبان کو

بھول ہی جائیں انگریزی کے بارے میں تو آپ کی یہ سوچ ہو کہ میرا بچہ انگریزی بولے تو انگریزوں کے لہجے میں لیکن قرآن جس لہجے میں چاہے پڑھے پنجابی لہجے میں پڑھ لے، لکھنوی لہجے میں پڑھ لے اور پختون لہجے میں پڑھ لے، جس لہجے میں پڑھ لے چل جائے گا اللہ تعالیٰ قبول کرنے والا ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَر! کیا شیطان نے ڈھکوسلا دیا ہے کہ اللہ قبول کرنے والا ہے جیسی تیسی نماز پڑھ لے، جیسا تیسا حج کرلے، جیسی تیسی تلاوت کرلے۔ صحیح کرسکتا ہے پھر بھی غلط کرلے تو بھی اللہ تعالیٰ قبول کرنے والا ہے۔ وہاں تو یہ نہیں ہے وہاں تو یہ عالم اور یہاں یہ عالم؟ تو ناظرہ قرآن پر توجہ اور دوسرا فہم قرآن، تفسیر قرآن ضروری، قرآن کا سمجھنا یعنی کم از کم اتنا ہو کہ پورے کے پورے قرآن کو سمجھتا ہو میں نہیں کہتا کہ اس کو پورا مفتی بنادیں، محدث بنادیں علامہ بنادیں، لیکن خدارا! قرآن تو سمجھادیں، اس کو قرآن تو سمجھ میں آجائے ہمارا اللہ ہم سے کیا کہتا ہے؟

پتا ہی نہیں ہمارا اللہ ہم سے کیا کہتا ہے اور اگر سرکاری سطح پر یہ کام نہیں ہوتا تو کاش یہ پرائیویٹ ادارے اپنے اپنے اسکولوں میں اس چیز کو لازم کردیں۔ ناظرہ قرآن پڑھائیں، فہم قرآن، تفسیر قرآن، مستند علماء سے تفسیر قرآن سیکھنا لازم کردیں، مساجد میں ایسے حلقے قائم ہوجائیں، تعلیم بالغان کے حلقے قائم ہوجائیں، میں شکوہ کروں گا اللہ معاف فرمائے اور ائمہ کرام بھی مجھے معاف کردیں شکوہ کروں گا ائمہ کرام سے، خطباء عظام سے کہ وہ بھی فہم قرآن کو عام کرنے کے لیے اپنا کردار عام نہیں کرتے ہیں قرآن کے علوم کو عام کرنے کے لیے اپنا کردار ادا نہیں کرتے، نماز پڑھائی جمعہ کا خطبہ دیا اور اپنے گھر میں بس

ملازمت پوری ہوگئی مجھے اتنے کی ہی تنخواہ ملتی ہے۔ کاش دل میں درد ہو کہ قرآن کی تعلیمات، قرآن کے علوم ومعارف عام ہو جائیں بزرگو، دوستو، بہنو اور بیٹیو! قرآن کریم کو بنیادی حیثیت دی جائے، سرکاری سرپرستی نہیں ملتی تو پرائیویٹ طور پر ہی اس کو عام کرنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ پاک مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اسلام نے کتنی شادیوں کی اجازت دی ہے؟

المعروف بہ

تعددِ ازواج

ازافادات

داعیٔ قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق

- اسلام نے مرد کو ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت کیوں دی ہے؟
- کیا تعدد ازواج کی اجازت عورت پر ظلم ہے؟
- کیا مرد کی طرح عورت کو بھی بیک وقت ایک سے زیادہ شوہر رکھنے کی اجازت دی جاسکتی ہے! نہیں تو کیوں؟
- نبی کریم ﷺ کی زیادہ شادیوں میں کیا حکمت تھی اور اس حوالے سے مستشرقین کے اعتراضات کی حقیقت کیا ہے؟
- ایک سے زیادہ شادی کرنا فرض ہے یا مستحب یا کچھ اور؟
- بیویوں کے درمیان انصاف کرنے کے حوالہ سے قرآنی احکامات کیا ہیں؟
- ہم جنس پرستی کو اسلام کس نظر سے دیکھتا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ

اَمَّا بَعۡدُ:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ۳

(النساء:۳)

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡم

قابلِ صد احترام علماءِ کرام اور معزز خواتین و حضرات!

آج کی ماہانہ علمی اور فکری نشست کے لیے ''تعددِ ازدواج'' کے عنوان کا انتخاب کیا گیا ہے، میں طے شدہ عنوان کے حوالے سے گفتگو شروع کرنے سے پہلے اپنے

رحیم وکریم مولیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں اسلام جیسا دین فطرت عطا کیا ہے، جو فطرتِ سلیمہ کے سارے جائز تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے، ان میں سے کسی پر بندش نہیں لگاتا، اس کی راہ میں غلط قسم کی رکاوٹیں کھڑی نہیں کرتا، اس کی صلاحیتوں کو کچلتا نہیں۔

فطرتِ سلیمہ اور مسخ شدہ فطرت میں فرق

میں فطرتِ سلیمہ کی بات کر رہا ہوں، مسخ شدہ اور بگڑی ہوئی فطرت کی بات نہیں کر رہا، مسخ شدہ فطرت تو چاہتی ہے کہ چوری اور ڈاکہ زنی کی اجازت ہونی چاہیے، قتل و غارت گری کا دروازہ بھی کھلا رہنا چاہیے، زنا اور بدکاری کو سندِ جواز ملنی چاہیے، بلکہ بگڑی ہوئی فطرت اور طبیعت تو کہتی ہے نکاح کی ضرورت ہی نہیں، انسان کو کھلی چھٹی دے دینی چاہیے کہ وہ جس طرح چاہے جنسی پیاس بجھالے، ہم جنس پرستی کرے تو بھی جائز، حیوانوں کے ساتھ منہ کالا کرے تو بھی جائز، مشت زنی کرے تو بھی جائز، مصنوعی آلات میں اپنی جان اور طاقت ضائع کرے تو بھی جائز، قریبی محرمات کو اپنی ہوس کا نشانہ بنائے تو بھی جائز، لیکن فطرتِ سلیمہ کہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی پابندی ہونی چاہیے کیونکہ انسان کو اگر کھلی چھٹی دے دی جائے تو وہ انسان نہیں رہے گا حیوان بن جائے گا بلکہ حیوانوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوگا۔

میرا اللہ اپنی لازوال کتاب میں بگڑی ہوئی فطرت والوں کے بارے میں کہتا ہے:

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ط

(الاعراف: ۱۷۹)

''یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ چوپاؤں سے بھی بدتر ہیں۔''

اور حقیقت یہی ہے کہ جس بدنصیب کی فطرت بگڑ جائے وہ حیوانوں اور درندوں سے بھی بدتر ثابت ہوتا ہے، ایسا شخص وہ کچھ کر گزرتا ہے جو حیوان بھی نہیں کرتے۔

آپ بتائیے! آپ نے حیوانوں کو اپنی شہوانی پیاس بجھانے کے لیے وہ حرکتیں کرتے دیکھا یا سنا ہے جو انسان کرتا ہے؟

انسان نُما درندے

آپ کو دو ٹانگوں والے اور انسانی سوسائٹی میں چلنے پھرنے والے ایسے درندے مل جائیں گے جو پانچ اور چھ سال کے بچوں اور بچیوں کو اپنی درندگی کا نشانہ بناتے ہیں اور ایسا کرنے کے بعد ان کا گلا گھونٹ کر کچرا کنڈی اور گندے نالے میں ایسے پھینک دیتے ہیں جیسے ٹشو پیپر پھینکا جاتا ہے۔ مگر جنگل کے درندوں میں ایسی ایک مثال بھی نہیں ملے گی۔

اپنی سوسائٹی میں آپ کو ایسے درندے بھی مل جائیں گے جو پانچ پانچ اور چھ چھ مل کر کسی ایک بیٹی، کسی ایک بہن بلکہ کسی ایک ماں کو حیوانیت کا نشانہ بناتے ہیں یہاں تک کہ موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔

میں ایک ایسا واقعہ جانتا ہوں جس میں اٹھارہ اور بیس سال کی عمر کے چند نوجوانوں نے ستر سال کی دیوانی عورت کی عزت و ناموس کو برباد کیا...... اور کیسے کہوں کہ جس پر ستم ڈھایا گیا وہ بھی مسلمان تھی اور ستم ڈھانے والے بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔

تو بھائی میں بات کر رہا ہوں فطرتِ سلیمہ کی، فطرتِ سلیمہ کے جتنے بھی تقاضے ہیں اسلام ان کی تکمیل کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ تکمیل کی ترغیب بھی دیتا ہے،

ان تقاضوں میں سے ایک تقاضا مرد اور عورت کے ازدواجی تعلق کا بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان میں شہوت رکھی ہے اور شہوت کا ہونا عیب نہیں کمال ہے، اسی لیے نامردی کے طعنے کو ایک قسم کی گالی سمجھا جاتا ہے۔

اسلام میں نکاح کا حکم

شہوت کے علاوہ انسان کے اندر توالد وتناسل کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کا نام باقی رہے، اس کے بچے ہوں جن سے وہ پیار کرے، جنہیں دیکھ کر اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، جن کی کلکاریوں سے گھر آباد رہے، جو اس کے مال اور علم وعمل کے وارث بنیں اور ایک مسلمان کی آرزو یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے بچے دین اسلام کے خادم اور داعی بنیں وہ دنیا میں پھیل جائیں اور اسلام کا علم بلند کریں۔

جائز طریقہ سے شہوت کی تکمیل اور توالد وتناسل کے لیے اسلام نے نکاح کرنے اور کروانے کا حکم دیا ہے۔

شریعت کی پسند......نکاح والی زندگی

قرآن بتاتا ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے نکاح والی زندگی کو پسند فرمایا ہے، بے نکاحی زندگی کو نہیں، سورۂ رعد میں ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ

(الرعد: آیت ۳۸)

’’اور ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے اور ہم نے انہیں بیویاں اور اولاد عطا فرمائی۔‘‘

گویا اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھا دیا کہ بیوی بچوں کا ہونا تقویٰ اور کمال کے منافی نہیں، اگر منافی ہوتا تو انبیاءِ کرام کو تجرّد والی زندگی گزارنے کا حکم دیا جاتا اور انہیں نکاح کی اجازت نہ دی جاتی۔

سورۂ نور کی آیت ۳۲ میں ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾

(سورۃ النور: ۳۲)

”تم میں جو بے نکاح ہیں ان کا نکاح کرادو اور اپنے نیک غلاموں اور لونڈیوں کا بھی، اگر وہ تنگدست ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا، اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے۔“

غنا اور نکاح

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نکاح کروانے کی ترغیب دے رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھا رہے ہیں کہ یہ مت سوچو کہ جو شخص اپنا پیٹ بڑی مشکل سے پال رہا ہے وہ نکاح کے بعد دو افراد اور بچے پیدا ہونے کے بعد چار، چھ یا آٹھ، دس افراد پر مشتمل کنبے کا پیٹ کیسے پالے گا؟

ذہنوں میں اٹھنے والے اس سوال کے جواب میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص غریب اور فقیر ہوگا تو میں اسے غنا عطا کردوں گا۔

اور تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ واقعی ایسا ہوتا ہے، ایک تو غنا اس لیے بھی آجاتا ہے کہ سمجھدار انسان شادی کے بعد سنجیدہ ہوجاتا ہے، وہ فکرمند ہوکر پہلے سے زیادہ

محنت کرتا ہے، کاروبار کو وسعت دینے کی نئی تدبیریں کرتا ہے، اگر ملازم ہو تو پارٹ ٹائم کام تلاش کرتا ہے، ذاتی اخراجات گھٹا دیتا ہے، فضول خرچی سے توبہ کر لیتا ہے۔

غنا کی دوسری وجہ اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد ہوتی ہے، جو شخص اپنے علاوہ دوسروں کے لیے سوچتا اور محنت کرتا ہے، غیبی مدد اس کے شامل حال ہو جاتی ہے، اللہ کے خزانوں کی کوئی انتہاء نہیں اور اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں، وہ جو ایک کے رزق کا انتظام کر سکتا ہے وہ دس کے رزق کا بھی انتظام کر سکتا ہے۔

ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَۃٌ حَقٌّ عَلَی اللّٰہِ عَوْنُھُمْ:

اَلنَّاکِحُ یُرِیْدُ الْعِفَافَ...

وَالْمُکَاتَبُ یُرِیْدُ الْاَدَاءَ...

وَالْغَازِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ...

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کی مدد کرنا اللہ پر واجب ہے، نکاح کرنے والا جو کہ پاکدامنی چاہتا ہو، مکاتب غلام جو کہ (مالک کا حق) ادا کرنا چاہتا ہو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''اِلْتَمِسُوا الْغِنٰی فِی النِّکَاحِ۔''

''غنا کو نکاح میں تلاش کرو۔''

بات تو بڑی عجیب ہے، کیونکہ نکاح میں تو آج کل اتنے اخراجات ہوتے ہیں کہ انسان پاگل ہو جاتا ہے، وہ لطیفہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ نوجوان بیٹے نے اپنے والد سے نکاح کے اخراجات کے بارے میں سوال کیا تو والد نے جواب دیا، پورا

حساب تو نہیں بتا سکتا بس یہ دیکھ لو کہ میں اپنے نکاح کے لیے اٹھانے والا قرض آج تک ادا کر رہا ہوں۔

ایک طرف تو بے پناہ اخراجات ہیں دوسری طرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا وعدہ ہے کہ اللہ تمہیں غنا عطا فرمائے گا۔

تو بھائی بات یہ ہے کہ جب نکاح کرنے میں نیت درست ہوگی اور آقا کی سنت کے مطابق سادگی کے ساتھ نکاح کیا جائے گا اور نمود و نمائش سے بچا جائے گا تو یقیناً اللہ کی مدد آئے گی، سچا مسلمان اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتا ہے اور یقیناً اس کی مدد کی جاتی ہے۔

غربت اور نکاح

اس آیت کریمہ اور حدیث نبوی سے ثابت ہوا کہ غربت کو نکاح میں آڑے نہیں آنے دینا چاہیے۔

صحیح بخاری میں سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم رسول اللہ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے، ایک عورت آئی اور اس نے اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کیا، آپ رسول ﷺ نے فرمایا: مجھے ضرورت نہیں، وہ ایک طرف سر جھکا کر بیٹھ گئی، کچھ دیر بعد ایک غریب صحابی اٹھے اور عرض کیا کہ آپ اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیجیے، آپ ﷺ نے پوچھا تمہارے پاس (مہر کے طور پر دینے کے لیے) کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ سوائے ازار کے اور کچھ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ازار اسے دے دیا تو تم اپنے ستر کا انتظام کیسے کرو گے؟ جاؤ کچھ تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ انہوں نے اپنی بیچارگی کا اظہار کیا، آپ ﷺ نے سوال کیا کیا تمہیں قرآن کا کچھ حصہ یاد ہے؟ انہوں نے

اثبات میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے قرآن کی برکت سے اس کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا۔

غربت کے باوجود نبی کریم ﷺ نے ان کا نکاح کر دیا اور یہ رشتہ آپ نے طے فرمایا تو قرآن کا علم رکھنے کی وجہ سے، اس سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو دین اور قرآن کا علم رکھنے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اپنی بیٹیوں کے رشتے علماء اور حفاظ کے ساتھ طے کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں، حالانکہ تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ جو باعمل عالم ہوتے ہیں وہ جاہلوں کے مقابلے میں بیویوں کے حقوق ادا کرنے کے لیے زیادہ فکر مند ہوتے ہیں۔

نکاح صحابہ رضی اللہ عنہم کی نظر میں

عرض یہ کر رہا تھا کہ غربت ایسی چیز نہیں جسے نکاح میں رکاوٹ سمجھ لیا جائے اور غربت کی وجہ سے نکاح میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

چونکہ ہمارے آقا ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بار بار نکاح کی اہمیت بیان فرماتے تھے اور تاخیر سے بچنے کی تلقین فرماتے تھے، اس لیے صحابہ کرامؓ اپنے نکاح اور اپنی اولاد کے نکاح میں تاخیر نہیں کیا کرتے تھے، جونہی کوئی مناسب رشتہ سامنے آتا نکاح کر دیتے تھے، اسی طرح اگر کسی کی بیوی کا انتقال ہو جاتا یا طلاق کی وجہ سے جدائی ہو جاتی تو وہ ایک دن بھی نکاح کے بغیر رہنا پسند نہیں کرتے تھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر مجھے پتہ چل جائے کہ میری زندگی میں سے صرف ایک دن باقی ہے تو بھی میں نکاح کے بغیر رہنا پسند نہیں کروں گا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ شدید بیمار پڑ گئے اسی بیماری میں ان کا انتقال بھی ہو گیا، انتقال سے پہلے وہ اپنے متعلقین سے کہتے تھے کہ لوگو!

میرا نکاح کرادو کیونکہ میرے آقا ﷺ نے مجھے تاکید فرمائی تھی کہ اس حال میں مجھ سے نہ ملنا کہ تمہارے نکاح میں کوئی خاتون نہ ہو۔

آقا صلی ﷺ اور نکاح

اپنے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت دیکھ لیجئے! آپ سے زیادہ تقویٰ والا، آپ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور آپ سے زیادہ عبادت کرنے والا کوئی نہیں، لیکن اس کے باوجود آپ نے نکاح والی زندگی گزاری اور نکاح بھی ایک دو نہیں بلکہ گیارہ کیے، دو بیویوں کا انتقال ہوگیا جبکہ نو آخر تک زندہ رہیں، کثرتِ نکاح کی وجہ سے اسلام دشمنوں نے میرے آقا پر شہوت پرستی کا الزام لگایا ہے۔

آقا ﷺ کے تعدِّ ازواج کے چند پہلو

ہم دشمنوں کے منہ تو بند نہیں کرسکتے لیکن چونکہ ان کے پروپیگنڈا کی وجہ سے بعض مسلمان بھی متاثر ہوجاتے ہیں اس لیے ان کے ذہن صاف کرنے کے لیے اپنے آقا ﷺ کے تعددِ ازواج کے محض چند پہلو آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

پہلا پہلو

پہلا پہلو تو یہ کہ ہمارے آقا ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا جو دو دفعہ کی بیوہ تھیں اور ان کی عمر آپ سے بہت زیادہ یعنی چالیس سال تھی، جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے کسی دوسری خاتون کے ساتھ نکاح نہیں کیا، جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا ان کی عمر پینسٹھ سال اور ہمارے آقا ﷺ کی عمر پچاس سال تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے

اپنی بھرپور جوانی ایسی خاتون کے ساتھ گزار دی جو آپ ﷺ سے عمر میں تقریباً دوگنی تھی حالانکہ آپ کے صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہن اپنی نوجوان بہنیں اور بیٹیاں آپ کے نکاح میں دینا اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے، اگر آپ اشارۃً بھی فرمادیتے تو آپ کے لیے مزید نکاح کرنا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔

دوسرا پہلو

دوسرا پہلو یہ ملحوظ رکھیں کہ سرورِ دو عالم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دو پہلو تھے، آپ کی زندگی کا کچھ حصہ گھر میں گزرتا تھا اور کچھ گھر سے باہر، گھر سے باہر آپ کی زندگی کے جو بھی معاملات تھے انہیں محفوظ کرنے اور امت کی طرف نقل کرنے والے ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، لیکن جو خانگی اور اندرونی زندگی تھی اسے محفوظ رکھنا کسی ایک زوجہ کے بس کی بات نہ تھی اسی لیے متعدد ازواج کی ضرورت پڑی تاکہ کوئی گوشہ بھی مخفی نہ رہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ازواجِ مطہرات نے شب و روز میں پیش آنے والا ہر عمل امت کے سامنے پیش کردیا۔

تیسرا پہلو

تیسرا پہلو یہ یاد رکھیں! کہ آپ کے سخت ترین دشمنوں نے آپ کو شاعر، ساحر، مجنوں اور کاہن تو کہا لیکن کسی کو آپ کے کردار پر انگلی اٹھانے اور آپ کو شہوت پرست ہونے کا طعنہ دینے کی ہمت نہیں ہوئی۔

مکہ کے مشرکوں کو چھوڑیئے، مدینہ منورہ کے یہودیوں اور منافقوں نے بھی کبھی یہ الزام عائد نہیں کیا کہ آپ معاذ اللہ! شہوت پرست ہیں، وہ یہ الزام کیسے عائد کر سکتے تھے جبکہ آپ کا کردار ان کے سامنے کھلی کتاب کی طرح تھا، پھر یہ بھی سوچیں کہ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک شخص انتہائی پارسا اور پاکدامن ہو لیکن وہ یکایک

شہوت پرستی میں مبتلا ہو جائے، اگر ہمارے آقا ﷺ کی ذات میں یہ کمزوری ہوتی تو نبوت ملنے سے پہلے یا کم از کم نکاح ہونے سے پہلے کوئی ایک واقعہ تو ایسا پیش آتا جس سے ثابت ہوتا کہ آپ کو اپنے جذبات پر قابو نہیں۔

چوتھا پہلو

چوتھا پہلو یہ پیش نظر رکھیں کہ آپ نے جتنی عورتوں سے نکاح فرمایا سب کی عمر (دو کے سوا) چھتیس اور اکیاون سال کے درمیان تھی اور سب کے نکاح میں کوئی نہ کوئی سیاسی اور معاشرتی حکمت یا تالیفِ قلب وغیرہ کا اخلاقی جذبہ کارفرما تھا۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کی جان نثاری اور وفاداری بے مثال تھی آپ نے ان کی صاحبزادیوں کو نکاح میں قبول فرما کر ان کی عزت اور شرف میں اضافہ فرمایا۔

حضرت ام حبیبہؓ نے پورے خاندان کی مخالفت کے باوجود اسلام قبول کیا اور اپنے خاوند کے ساتھ ہجرتِ حبشہ فرمائی، وہاں ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش مرتد ہو گئے مگر آپ ثابت قدم رہیں، میرے آقا ﷺ نے شرفِ زوجیت عطا فرما کر ان کی تالیفِ قلب فرمانے کے ساتھ ابوسفیان کے دل میں بھی اسلام کے لیے نرم گوشہ پیدا فرما دیا۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے نہ چاہتے ہوئے بھی محض حضورِ اکرم ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کر لیا، جب ان کے ساتھ نبھا نہ ہو سکا اور طلاق تک نوبت پہنچ گئی تو آپ نے نکاح کی صورت میں ان کے زخمی دل کے لیے مرہم کا سامان کیا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنو مصطلق سے تھیں اس قبیلے سے مسلمانوں کے تعلقات خراب تھے، جنگ کی نوبت بھی آ چکی تھی مگر نبی کریم ﷺ کے ساتھ رشتہ

ہوجانے کے بعدان کے دل نرم پڑ گئے اور وہ اسلام کے دامن میں پکے ہوئے پھل کی طرح آ گرے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا قبیلہ نجد کے سردار کی بہن تھیں، یہی وہ قبیلہ ہے جس نے ستر بے گناہ مسلمانوں کو دھوکے سے شہید کیا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ داری ہوجانے کے بعد یہ قبیلہ اسلام کا وفادار بن گیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ام المؤمنین بننے سے یہودیوں پر اچھے اثرات مرتب ہوئے اور بہت سے سلیم الطبع یہودی مشرف باسلام ہو گئے۔

تعددِ ازواج کی انہی مصلحتوں، حکمتوں اور ثمرات کو دیکھ کر فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا کہ

''مؤرخین یورپ کی نظر میں تعددِ ازواج گویا عمارتِ اسلامی کا بنیادی پتھر اور اشاعتِ دین اسلام کا بڑا سبب ہے۔''

تعددِ ازواج اور دیگر مذاہب واقوام

پانچواں پہلو بڑا اہم ہے وہ یہ کہ تعددِ ازواج ایسا عمل نہیں ہے جس کی ابتداء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی بلکہ دیگر قوموں اور مذاہب میں بھی ہمیں تعددِ ازواج کا ذکر ملتا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق مشہور ماہر لسانیات جارج مرڈاک کی رپورٹ ۱۹۴۹ء کے مطابق دنیا کی ۵۵۴ قوموں میں سے ۴۱۵ میں تعددِ ازواج کا رواج پایا جاتا ہے۔

غیر الہامی مذاہب میں سب سے زیادہ معروف ''ہندو مذہب'' ہے اس کی تاریخی اور مذہبی کتابوں یں تعددِ ازواج کا صراحۃً ذکر ہے، ہندو مذہب میں جو

قابلِ احترام مشہور شخصیات پائی جاتی ہیں ان کی کئی کئی بیویوں کا ذکر آپ کو ملے گا بلکہ آ ئنایار برہمن کے راجہ ہریش چندر کی تو سو بیویاں تھیں۔

آج بھی ہندوستان میں تعددِ ازواج پر عمل ہو رہا ہے میں نے اسی ہفتے کے اخبار میں دیکھا کہ ہندوستان میں ایک شخص کی پچاس بیویاں ہیں۔

یہودیت اور عیسائیت میں بھی تعددِ ازواج کو جائز کہا گیا ہے۔

یہودی مصنف ابراہیہ لیون ''تاریخ یہود'' میں لکھتا ہے کہ تعددِ ازواج کی یہودی مذہب میں کوئی ممانعت نہ تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین، حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار، حضرت داؤد علیہ السلام کی دس اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویوں کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے۔

اس مستشرقین اور اسلام دشمنوں کی ہٹ دھرمی اور ضد و عناد پر حیرت ہوتی ہے جو تمام مذاہب کو چھوڑ کر صرف اسلام کو اور دوسری تمام شخصیات سے صرفِ نظر کر کے صرف حضرت خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

تعدد کا جواز

لیکن ہمیں ان کی تنقید کی کوئی پرواہ نہیں ہمارے لیے اللہ کی کتاب اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور آپ کی احادیث کافی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ سے ہم تعدد کو تو ثابت کرتے ہیں لیکن چار سے زائد شادیاں کرنا آپ ہی کی خصوصیت تھی، عام مسلمانوں کو صرف چار کی اجازت ہے،

سورۂ نساء آیت ۳ میں ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا

فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③

(سورۃ النساء آیت ۳)

''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں سے نکاح کر کے انصاف نہیں کر سکو گے تو دوسری عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں ان سے نکاح کرلو، دو دو، تین تین اور چار چار سے، لیکن اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم ان کے درمیان عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے یا جو تمہاری ملکیت میں ہو یہ زیادہ قریب ہے کہ تم ناانصافی اور ایک طرف مائل ہونے سے بچ جاؤ گے۔''

ایک صاحب تھے جن کا نام غیلان ابن امیہ ثقفی تھا، انہوں نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں، حضور اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا:

''اِخْتَرْ مِنْهُنَّ اَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ''

''ان میں سے چار رکھ لو اور باقی کو جدا کر دو۔''

اسلام نے چار بیویوں تک رکھنے کی اجازت تو دی ہے مگر شرط یہ لگائی ہے کہ ان کے درمیان عدل و انصاف کیا جائے، جو شخص حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتا یا عدل و انصاف نہیں کر سکتا اسے ایک سے زائد نکاح کی اجازت تو کیا ہوگی ایک نکاح کی اجازت دینا بھی مشکل ہوگا۔

حکم عدل

ایک حدیث میں سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے ایک سے زائد شادیاں کیں مگر بیویوں کے درمیان انصاف نہ کیا وہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھے گا کہ اس کا ایک پہلو شل ہوگا۔

قرآن اور حدیث میں جس عدل کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد تین چیزوں میں

عدل ہے:

☆اضافی جیب خرچ اور تحائف میں عدل......

☆شب باشی میں عدل......

☆ضروری نان نفقہ میں عدل......

ضروری نان نفقہ سے مراد یہ ہے کہ مناسب خوراک، لباس اور رہائش مہیا کی جائے۔ جہاں تک قلبی محبت میں عدل کا تعلق ہے تو وہ مطلوب اور واجب نہیں ہے، اس لیے کہ وہ انسان کی طاقت اور اختیار میں نہیں۔

ہمارے آقا ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تھا:

تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِىْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ط

اس کے باوجود آپ اپنی ازواج میں عدل کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب آپ سفر میں تشریف لے جانا چاہتے تو ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے جس کا نام قرعہ میں نکل آتا اسے ہم سفر ہونے کا شرف بخشتے۔

ظاہری اور مادی اعتبار سے عدل کے باوجود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بے پناہ خصوصیات کی وجہ سے آپ کے دل میں ان کے لیے محبت زیادہ تھی اس لیے آپ ﷺ اللہ سے دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا أَمْلِكُ، فَلَا تُؤَاخِذْنِيْ فِيْمَا لَا أَمْلِكُ۔

''اے اللہ! جہاں تک میرے اختیار میں ہے میں اپنی بیویوں میں عدل کی تقسیم کرتا ہوں، لہٰذا جو میرے اختیار میں نہیں ہے اس پر مؤاخذہ نہیں فرمانا۔''

یہی حکم ساری امت کے لیے ہے، مادی اعتبار سے عدل واجب ہے مگر معنوی اعتبار سے عدل واجب نہیں، اگر دل میں کسی ایک بیوی کی طرف میلان زیادہ ہو تو

ہم اسے ظلم سے تعبیر نہیں کر سکتے، البتہ اضافی خرچ، شب باشی اور ضروری نان نفقہ میں جو شخص کسی ایک بیوی کے ساتھ ترجیحی سلوک کرے گا وہ یقیناً ظالم شمار ہوگا۔

بعض لوگ دوسری اور تیسری شادی کرنے میں تو قرآن کے حوالے دیتے ہیں مگر عدل اور مساوات میں قرآن اور اسوۂ رسول ﷺ کو بھول جاتے ہیں۔

مجھے چند دن پہلے فون کر کے ایک خاتون نے اپنے شوہر کے بارے میں روتے ہوئے بتایا کہ وہ اپنی دوسری بیوی کے سامنے مجھے ذلیل بھی کرتا ہے اور مارتا پیٹتا بھی ہے، میں اس شخص کو جانتا ہوں وہ بظاہر دیندار ہے، پہلے غریب تھا اب اس کے پاس دولت کی ریل پیل ہے، غربت کے دنوں میں جو شادی کی ہوگی وہ بیوی اب نگاہوں میں جچتی نہیں ہوگی، اسے غربت، جہالت اور سادہ صورت ہونے کے طعنے دیتا ہوگا اور دوسری کے اندر کمالات ہی کمالات نظر آتے ہوں گے، اسے خوش کرنے کے لیے پہلی بیوی پر ہاتھ اٹھاتا ہوگا، دوسری شادی کرنے کے بعد اس قسم کی گھٹیا حرکتیں کرنے والے کان کھول کر سن لیں کہ وہ ظالم ہیں اور ظلم کا انجام اچھا نہیں ہوتا، روپے پیسے اور عزت وشہرت کی وجہ سے اپنی غربت کے دنوں کی ساتھی کو مت بھول جاؤ اور ہر نئی چیز کو آسمان سے اتری ہوئی مخلوق مت سمجھو ورنہ اللہ کا انتقام بڑا سخت ہے۔

تعدد ازواج پر دیگر دلائل

کتاب وسنت اور تاریخ مذاہب کے علاوہ عقلی اور طبعی اعتبار سے دیکھیں تو بھی مرد کو تعددِ نکاح کی اجازت ہونی چاہیے، اس پر چند دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں:

ا)......عورت کے مقابلے میں صحت مند مرد کے اندر شہوت زیادہ ہوتی ہے، عورت اپنی بیماری، ماہانہ ایام اور ولادت جیسے جان لیوا مراحل سے گزرنے کی وجہ

سے اس کی خواہش کو پورا نہیں کر پاتی۔

۲)......مرد کا مزاج گرم اور عورت کا مزاج عام طور پر سرد ہوتا ہے۔

۳)......تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ بیماریوں کے مقابلے میں عورت کے اندر قوتِ مدافعت زیادہ پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی اوسط عمر مرد سے زیادہ ہوتی ہے، جب اوسط عمر زیادہ ہوگی تو عورتوں کی تعداد بڑھتی چلے جائے گی۔

۴)......جنگوں اور حوادث میں عام طور پر مرد ہی کام آتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مرد کم ہوتے جاتے ہیں اور عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

۵)......باری تعالیٰ سورۂ قمر میں فرماتا ہے:

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾

(القمر: آیت ۴۹)

''ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے۔''

اس آیت کو سامنے رکھ کر اعداد وشمار کے ماہرین کی جدید ترین رپورٹ کا مطالعہ کیا جائے تو انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اللہ اپنی ساری مخلوق کی ضروریات کیسے ناپ تول کر پوری کرتا ہے، اس رپورٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ برطانیہ میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد چالیس لاکھ، جرمنی میں پچاس لاکھ، روس میں ستر لاکھ، امریکہ میں اٹھہتر لاکھ اور پاکستان میں ایک کروڑ زیادہ ہے۔

ہندوستان واحد بدنصیب ملک ہے، جہاں مردوں کی تعداد اور عورتوں کی تعداد کم ہے، اس کی وجہ آپ جانتے ہیں کیا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں ہر سال دس لاکھ حمل کا اسقاط ہوتا ہے اور زیادہ تر اسقاط اس وقت کیا جاتا ہے جب الٹرا ساؤنڈ کے ذریعہ معلوم ہو جائے کہ حمل میں

لڑکی ہے، یوں کثرتِ اسقاط کی وجہ سے لڑکیوں کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہم جنس پرستی عام ہوگئی ہے، لڑکیوں کی طرح لڑکوں کے بھی چکلے اور بازار ہیں، معصوم بچے گندے ماحول، اپنے جیب خرچ اور والدین کی غربت کی وجہ سے خرانٹ بوڑھوں اور وحشی نوجوانوں کا تختہ مشق بنتے ہیں۔

ہم جنس پرستی

آپ کو یہ سن کر شاید حیرت ہوگی کہ اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے اس قطعۂ ارضی میں بھی ہم جنس پرستی کو رواج دینے کی سر توڑ کوشش کی جارہی ہے، حقوق نسواں (جو کہ درحقیقت حقوق زنا ہے) کے لیے مہم چلانے والے ٹی وی چینل نے اب ہم جنس پرستی کے موضوع پر مباحثے اور مذاکرے شروع کردیے ہیں اور ان مباحثوں میں ایسے مادر پدر آزاد لڑکوں اور لڑکیوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے جو پرزور طریقے سے اس خلافِ فطرت عمل کے حامی ہیں۔

ساری خرابیوں کی جڑ

یہ ساری خرابیاں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب فطرت شریعت سے بغاوت کرجاتی ہے، شریعت نے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے لیے پیدا کیا ہے اور لڑکیاں، لڑکوں سے زیادہ پیدا کی ہیں، پیدا کرنے والا اللہ جانتا تھا کہ بعض مردوں کو ایک سے زائد بیویوں کی ضرورت پیش آسکتی ہے، چنانچہ اس نے ایک سے زائد کی اجازت بھی دی اور پیدا بھی زیادہ ہی کیں، اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو معاذاللہ! ہندوؤں کی طرح اسقاط کا راستہ اختیار کیا جائے اور کائناتِ رنگ و بو کے گلشن میں نکلنے والی کلیوں کو مہکنے سے پہلے ہی مسل دیا جائے یا پھر تعددِ نکاح کی اجازت دے

کر ضرورت مند مردوں کے آنگن میں دو چار پھول مہکا کر معاشرے کو بدبودار ہونے سے بچا لیا جائے۔

بدبودار معاشرہ

اگر ہم تعدد پر پابندی لگائیں گے تو معاشرہ زنا کی سڑانڈ سے بدبودار ہوجائے گا مردوں سے زیادہ پیدا ہونے والی عورتیں بھی آخر اپنے سینے میں دل رکھتی ہیں، وہ پہاڑ جیسی لمبی زندگی نکاح کے بغیر کیسے گزار سکیں گیں، اگر کسی بھی وجہ سے اکیلی بیوی کے طور پر انہیں کسی نے قبول نہ کیا اور دوسری بیوی کے طور پر ہم نے کسی کے عقد میں دینا گوارا نہ کیا، تو کیا اس کے بھائی اور بھاوجیں اسے اپنے اوپر بوجھ سمجھنا شروع نہیں کردیں گے؟

آپ تسلیم کریں یا نہ کریں، حقیقت یہ ہے کہ ایسا ہو رہا ہے، لڑکی کا رشتہ نہیں آتا یا جسے لڑکے والے بار بار دیکھ کر ٹھکرا دیتے ہیں وہ خود بھی نفسیاتی مریضہ ہوجاتی ہے اور بعض بھاوجیں اسے بوجھ بلکہ منحوس سمجھنا شروع کردیتی ہیں۔

بے نکاحی عورتوں کے علاوہ آپ ان مردوں کی حالت پر نظر ڈالیں جو طبعی طور پر ایک سے زیادہ بیویوں کی ضرورت محسوس کرتے ہیں یا جن کی بیوی کسی بیماری وغیرہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ازدواجی عمل کا حق ادا نہیں کرپاتی تو وہ کیا کریں؟ اگر ہم انہیں دوسری شادی کی اجازت نہ دیں تو دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو وہ صبر کریں...... یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں صبر کرنے والے کم ہی ہوتے ہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ بیوی سے ہٹ کر دوسری عورتوں سے ناجائز تعلق قائم کریں اور آج کل یہی ہو رہا ہے، حیرت کی بات ہے کہ جائز تعلق میں تو ایک سے زیادہ عورت کو برداشت نہیں کیا جاتا مگر ناجائز تعلق جتنی عورتوں سے کوئی

چاہے قائم کرلے، اس پر کوئی سیخ پا نہیں ہوتا، غیر مسلم ممالک میں آپ دیکھیں، ایک ایک مرد کتنی عورتوں کو داشتہ بناتا ہے اور کہاں کہاں اپنی شہوت کی آگ سرد کرتا ہے؟ نہ جنس کو دیکھتا ہے، نہ غیر جنس کو، نہ انسان کو نہ حیوان کو، نہ محرم کو نہ غیر محرم کو، مگر کوئی نہیں جو اس غلاظت کے خلاف آواز اٹھائے لیکن اگر انہیں پتہ چل جائے کہ کوئی اللہ کا بندہ دوسری بیوی گھر میں لانا چاہتا ہے تو پوری حکومت حرکت میں آجاتی ہے اور میڈیا آسمان سر پر اٹھالیتا ہے۔

فرق یہ ہے

آپ ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ طائفہ اور رنڈی کا مستقبل کیا ہوتا ہے؟ جب اس کی جوانی اور حسن جوبن پر ہوتا ہے، اس پر مال اور جان قربان کرنے کی باتیں کرنے والے دسیوں ہوتے ہیں لیکن جب جوانی ڈھل جاتی ہے اور حسن کی چمک ودمک ماند پڑجاتی ہے کوئی اس پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کرتا بلکہ عین جوانی میں بھی جب دل بھر جاتا ہے یا جب جھوٹے عاشق کے سامنے محبوبہ کی دوسری کمزوریاں آجاتی ہیں تو وہ کنارہ کشی کرلیتا ہے، میں نے اخبارات میں ایسی خبریں پڑھی ہیں کہ گھر سے بھگا کر لے جانے والے دیوانے کے دماغ سے جب شہوت کا گرد وغبار نکل گیا اور جو محبوبہ اسے کل تک خوبیوں کا پیکر دکھائی دیتی تھی اس میں اب خرابیاں ہی خرابیاں نظر آنے لگیں تو اس نے اسی چہرے پر تیزاب ڈال کر اسے مسخ کردیا جسے وہ چاند سے بھی زیادہ حسین کہتا تھا۔

اگر بالفرض غلط تعلقات کے نتیجے میں حمل ہو جائے تو بھی عورت کو بے یارومددگار چھوڑ کر مرد راہِ فرار اختیار کرلیتا ہے۔

میں جب جنوبی افریقہ گیا تو پتہ چلا کہ یہاں کے جوڑوں کی اکثریت بے

نکاحوں کی ہے، بچے پیدا ہو جاتے ہیں مگر نکاح نہیں کرتے، جاننے والے ایک مفتی صاحب نے بتایا کہ ہمارے قریب کوارٹر میں مرد اور عورت رہتے ہیں، ان کے چار بچے ہیں، میں مرد سے کہتا ہوں اب تو نکاح کرلو، وہ کہتا ہے مجھے اس عورت پر اعتماد نہیں کہ یہ حقوقِ زوجیت ادا کرسکتی ہے۔

نکاح کی صورت میں مرد پورا ذمہ دار ہوتا ہے وہ دکھ درد میں شریک ہوتا ہے اسے بیوی بچوں کے سارے حقوق اور اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں، مگر زنا کی صورت میں وہ کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوتا اس لیے اسلام کہتا ہے کہ نکاح کرو، زنا نہ کرو، ضرورت ہو تو ایک سے زائد نکاح کرلو مگر زنا کی کسی صورت بھی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

جب تعدد نکاح عام تھا

جب تعددِ نکاح عام تھا، نہ تو اس پر خاندانی اور معاشرتی پابندیاں تھیں اور نہ ہی اسے ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا تھا تو حقیقت یہ ہے کہ مرد طالب ہوتے تھے اور عورت مطلوب ہوتی تھی، خود اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے کہ مرد رشتہ تلاش کرے نہ کہ عورت ماری ماری پھرتی رہے۔ سورۂ نساء کی آیت ۲۴ میں ہے:

وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ

(سورۃالنساء: ۲۴)

”اور تمہارے لیے محرمات کے سوا باقی عورتیں حلال کی گئی ہیں کہ تم انہیں اپنے اموال سے تلاش کرو۔“

اگر عورت مطلقہ یا بیوہ ہوتی تھی تو بھی اس کے کئی طلبگار پیدا ہو جاتے تھے اور اس کے لیے کئی کئی رشتے آتے تھے، یہاں تک کہ بعض وعدہ لینے کا ارادہ کرتے

تھے کہ عدت ختم ہونے کے بعد ہم سے رشتہ کرنا، کہیں اور نہ کر لینا، اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا، سورۂ بقرہ آیت ۲۳۷ میں ہے:

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

(البقرۃ آیت: ۲۳۵)

''اللہ جانتا ہے کہ تم بیوہ ہو جانے والی عورتوں کو ضرور یاد کرو گے لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدہ نہ لے لو، ہاں یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو اور جب تک عدت ختم نہ ہو جائے، عقد نکاح پختہ نہ کرو، جان لو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور جان لو بیشک اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔''

جس معاشرے میں تعدد نکاح عام تھا وہاں کئی کئی بار ہونے والی بیوہ کے بھی رشتے آتے تھے۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو الجہم رضی اللہ عنہ جیسی نامور شخصیات نے رشتے کا پیغام بھیج دیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا، چونکہ جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہوتا ہے اور اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ سچ بولے، ایسے موقع پر کسی کا عیب بیان کرنے کی بھی اجازت ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاویہ کی طبیعت میں کنجوسی اور ابو الجہم کی فطرت میں سختی پائی جاتی ہے اس لیے تم ان کے بجائے اسامہ سے رشتہ کر لو۔

آپ نے دیکھا جس معاشرے میں تعدد کی اجازت تھی وہاں مطلقہ اور بیوہ کے بھی رشتے آتے تھے پھر اہم بات یہ کہ رشتے کے امیدوار جہیز کے طلبگار نہیں ہوتے تھے، رہائش کے لیے مکان اور ضروری سامان کا انتظام وہ خود کرتے تھے۔

سعودی عرب کے بارے میں آپ نے سنا ہوگا کہ وہاں شادی اور اس کے بعد کے تمام اخراجات لڑکے والوں کے ذمہ ہوتے ہیں، لڑکا اپنی فیملی کے لیے حسب استطاعت رہائش کا انتظام کرتا ہے، پھر اس میں ضروری برتن، بستر، فرنیچر وغیرہ مہیا کرتا ہے اور نکاح کے بعد بیوی کو سجے سجائے گھر میں لاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں نے زیادہ نخرے کیے تو یہ لڑکی کسی شادی شدہ کی بیوی بننا بھی قبول کرسکتی ہے جو اسے وہ سب کچھ دے گا جو یہ مانگے گی۔

جہاں تعدد نکاح ممنوع ہے

لیکن ہمارا معاشرہ جہاں تعدد کو عملی طور پر ممنوع سمجھ لیا گیا ہے وہاں کیا صورتحال ہے؟

عورت مطلوب نہ رہی بلکہ طالبہ بن گئی

یہاں عورت مطلوب نہیں رہی طالب بن گئی ہے، لڑکی والے رشتوں کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں، جوانیاں ڈھل رہی ہیں مگر نکاح کی کوئی صورت نہیں بنتی، لڑکے والے پورے گھرانے سمیت ایسے نکلتے ہیں جیسے تفریح کے لیے نکلے ہوں، کہا جاتا ہے کہ ہم لڑکی دیکھنے جا رہے ہیں، ان کی خوب آؤ بھگت ہوتی ہے، لڑکی والے خود اگرچہ دال چاول ہی کھاتے ہوں مگر آنے والے مہمانوں کو خوش کرنے کے لیے دسترخوان پر ہر نعمت مہیا کرتے ہیں، کھانے سے فارغ ہو کر لڑکی کو جانچا

پرکھا جاتا ہے، پسند آ گئی تو بہت اچھا ورنہ دوسرا گھر، تیسرا گھر...... ہر ہفتے خوب تفریح ہوتی ہے......بعض لوگوں کو منہ پھاڑ پھاڑ کر کہتے ہوئے سنا ہے، کتنے ہی گھر دیکھ چکے ہیں کوئی لڑکی ہی پسند نہیں آ رہی، کسی کو اماں پسند نہیں کرتی، کسی کو ابا پسند نہیں کرتے، کسی کو بہنیں ریجیکٹ کر دیتی ہیں، کسی کی شکل اچھی نہیں ہوتی، کسی کا گھر تنگ علاقے میں ہوتا ہے، کسی کا ابا معمولی ملازم ہوتا ہے، کسی کے بھائی اَن پڑھ ہوتے ہیں، کسی کی والدہ سادہ ہوتی ہے، کسی کی بڑی بہن مطلقہ ہوتی ہے، غرضیکہ ہزار عیب نکال لیے جاتے ہیں۔

اگر سارے خاندان کو بہو پسند آ گئی تو اب جہیز کے بارے میں ڈھیٹ بن کر پوچھا جاتا ہے کہ کیا کچھ دیا جائے گا، اگر جہیز اتنا ہو کہ اس سے ناک اونچی ہو سکتی ہو تو حامی بھر لی جاتی ہے اور اگر ناک کٹنے کا خطرہ ہو تو معذرت کر لی جاتی ہے، لوگ کیا کہیں گے، فقیروں کے ہاں رشتہ کر لیا ہے جو کچھ دے بھی نہیں سکتے۔

☆ جہاں تعدد نکاح کو ممنوع سمجھ لیا جائے گا وہاں بیوہ سے رشتے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں ہوگا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی ساری زندگی صدقہ خیرات پر گزر جائے، میں سب کی بات نہیں کرتا لیکن ہمارے ہاں عمومی طور پر ایسا ہی ہے کہ ہر بیوہ کو خیرات کا مصرف سمجھا جاتا ہے حالانکہ بعض بیوہ مالدار بھی ہوتی ہیں مگر ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ بیوہ کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، بعض بیوہ بھی ایسی ہیں کہ وہ گھر میں پچاس پچاس تولہ سونے کے زیورات ہونے کے باوجود خاموشی سے زکوٰۃ لیتی رہتی ہیں، ہم نے ایسی بیوہ بھی دیکھی ہیں جو چند ماہ بلکہ چند دن ہی نکاح میں رہیں، کسی حادثے میں شوہر کا انتقال ہو گیا، چونکہ ان کے خاندان میں بیوہ کے نکاح کو معیوب سمجھا جاتا ہے اس لیے انہوں نے باقی زندگی بیوگی ہی کی حالت میں گزار دی، جھوٹی

رسموں کو اپنی معاشرت کا حصہ سمجھنے والے کبھی جوانی میں ہوجانے والی اس بیوہ کا حال تو پوچھیں جو نوکرانی بن کر رہنے اور بھاوجوں کی یا نندوں کی کڑوی کسیلی باتیں سننے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔

☆ جہاں عملی طور پر تعدد نکاح کو حرام سمجھ لیا جائے وہاں لاکھوں جوانیاں نکاح کے بغیر ہی ڈھل جاتی ہیں۔

میں بار بار ''عملی طور پر'' کے الفاظ اس لیے استعمال کررہا ہوں کیونکہ زبان سے تو کوئی مسلمان بھی تعدد کو حرام کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا، البتہ ان کے عمل اور ان کے رویے سے لگتا ہے کہ وہ اسے جائز نہیں سمجھتے۔

عبرت آموز واقعہ

ایک ساتھی نے بڑا عبرت آموز قصہ سنایا، انہیں ایک ایسے معمر بزرگ نے سنایا جن کی جوانی امریکہ میں گزری، خود بھی نیک سیرت تھے اور خاندان بھی بڑا نیک نام تھا، امریکہ میں وہ کسی بڑی فرم میں ملازم تھے ان کی سیکرٹری امریکن لڑکی تھی، یہ حسب ضابطہ اس سے دفتری کام تو لیتے تھے مگر اس سے کسی قسم کے مراسم نہیں رکھتے تھے، لڑکی کے لیے یہ صورت ناقابل برداشت تھی، وہ جس ماحول میں پلی بڑھی تھی اس ماحول میں باس اپنی سیکرٹری سے خاصے بے تکلف ہوتے ہیں، اس کے پہلے باس بھی ایسے ہی تھے، آخر ایک دن تنگ آکر وہ ان سے پوچھنے پر مجبور ہوگئی کہ تم نامرد ہو یا میں بدصورت ہوں، انہوں نے جواب دیا دونوں باتیں صحیح نہیں، اللہ نے مجھے مردانگی عطا کی ہے اور تمہیں حسن سے نوازا ہے، اس نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ تم میری جوانی سے فائدہ نہیں اٹھاتے، انہوں نے کہا میں مسلمان ہوں۔ اس نے کہا میں نے بہت مسلمان دیکھے ہیں، ان کا کردار بھی دیکھا ہے، وہ تو یہاں کے گوروں

سے بھی زیادہ شہوت پرست ہوتے ہیں، عورتوں پر سب کچھ لٹاتے پھرتے ہیں، مال بھی اور جوانی بھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ گفتار کے مسلمان ہیں میں کردار کا مسلمان ہوں، وہ خاموش ہوگئی، اپنے نئے باس کے کردار کی مضبوطی نے اسے بڑا متاثر کیا، اس نے اسے قرآن کریم اور چند دوسری کتابیں دیں، مطالعہ کے بعد اس نے اسلام قبول کرلیا اور اپنے باس سے کہا کہ مجھے اپنے عقدِ نکاح میں قبول کرلیں۔ اس لیے کہ قرآن تو چار تک کی اجازت دیتا ہے، یہ سوچ میں پڑ گئے، جانتے تھے کہ دوسری بیوی کا مطلب پہلی بیوی اور پورے خاندان کو ناراض کرنا ہے اور انہیں ناراض کرنے کی یہ اپنے اندر ہمت نہیں پاتے تھے اس لیے اسے پوری صورتحال بتاتے ہوئے کھلے لفظوں میں کہہ دیا کہ میں سب کو ناراض نہیں کرسکتا، اس نے کہا کہ آپ تو کہتے تھے کہ میں کردار کا مسلمانوں ہوں، ظاہر ہے سوائے ندامت اور جہالت کے ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

تو بھائی! زبانی کلامی تو ہر مسلمان ہی اسے جائز کہتا ہے مگر عملی طور پر اکثر مسلمان اسے انتہائی غلط عمل سمجھتے ہیں اور ایسا کرنے والے کے کردار کو بھی شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

غلط تاویل

اور بعض ایسے ہوشیار بھی ہیں جو قرآنِ کریم ہی سے تعدد کو غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے استدلال کے لیے صغریٰ کبریٰ ملا کر نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی گفتگو کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ دیکھو بھائی سورۂ نساء کی آیت ۳ میں اللہ کہتا ہے کہ اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم عدل نہیں کرسکو گے تو پھر ایک بیوی پر ہی اکتفاء کرو اور دوسری طرف سورہ نساء ہی کی آیت ۱۲۹ میں اللہ فرماتا ہے "تم کبھی بھی اپنی بیویوں میں

پوری طرح عدل نہیں کر سکتے اگر چہ تم اس کی کتنی ہی خواہش اور کوشش کرلو۔"

تو جب خواہش اور کوشش کے باوجود عدل ہو ہی نہیں سکتا تو ایک سے زیادہ شادی کی اجازت بھی نہیں دی جا سکتی، لیکن یہ استدلال انتہائی بودا اور کمزور ہے اس لیے کہ تمام مفسرین اور علماء نے لکھا ہے کہ سورۂ نساء کی آیت ۳ جس میں عدل کا ذکر ہے، اس سے مراد مادی اعتبار سے عدل ہے یعنی اضافی جیب خرچ، شب باشی اور بنیادی اخراجات میں عدل اور آیت ۱۲۹ میں جس عدل کی نفی ہے اس سے مراد قلبی میلان کے اعتبار سے عدل ہے اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ دل پر اختیار نہ ہونے کی وجہ سے دلی محبت میں عدل ہو بھی نہیں سکتا اور اس پر کوئی مواخذہ بھی نہیں، اس لیے کہ مواخذہ صرف ایسے عمل پر ہوتا ہے جو انسان کے اختیار میں ہو، سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۶ میں ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ط

"اللہ تعالیٰ انسان کو صرف ایسے عمل کا مکلف بناتا ہے جو اس کے اختیار میں ہو۔"

بدترین استہزاء

وہ لوگ جو متعدد بیویوں میں عدل نہیں کر سکتے یا جن کا عدل کا ارادہ ہی نہیں ہوتا بلکہ پہلی بیوی کو تنگ کرنا یا اسے بلیک میل کرنا مقصد ہوتا ہے ان کے لیے دوسری شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

گزشتہ دنوں اخبار میں ایک خاتون کا خط شائع ہوا جس میں اس نے مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھا تھا، اس کا کہنا تھا کہ انٹرنیٹ پر بیہودہ پروگرام دیکھنے کی وجہ سے میرے شوہر کے دماغ میں خنّاس گھس گیا ہے اور وہ مجھ سے خلاف فطرت

طریقے سے اپنی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے، میں اسے منع کرتی ہوں تو وہ مجھے دھمکی دیتا ہے کہ جانتی ہو شریعت نے مجھے چار شادیوں کی اجازت دی ہے، اگر تم بات نہیں مانو گی تو میں دوسری شادی کرلوں گا۔

اندازہ لگائیے! کیسے گھٹیا مقصد کے لیے وہ شریعت کا حوالہ دے رہا ہے، اس شخص جیسے جتنے بھی شوہر ہیں جو اپنی بیویوں کو خلافِ شریعت کاموں پر مجبور کرتے ہیں اور اگر وہ آمادہ نہ ہوں تو انہیں دوسری شادی کی دھمکی دیتے ہیں وہ شریعت کے ساتھ نہ صرف بدترین استہزاء کرتے ہیں بلکہ اسلام کے روشن احکام کو بدنام کرنے کا ذریعہ بھی بنتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ ان کی غلط حرکتوں کی وجہ سے کتنے ذہنوں پر غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ضروری وضاحت

یہاں میں یہ وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ تعدد نکاح فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ صرف جائز یا زیادہ سے زیادہ مستحب ہے، اگر کوئی شخص اپنے خاندانی اور گھریلو حالات کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ دوسرا نکاح کرنے کی وجہ سے مجھے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے یا گھر کی تنگی کی وجہ سے تو تکرار اور جنگ وجدل کا سلسلہ شروع ہوسکتا ہے تو اسے اپنے بارے میں سوچ سمجھ کر مشورہ کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ مخالفت اور مشکلات سے گھبرا کر پہلی یا دوسری بیوی کو طلاق دے دے۔ ہم نے ایسے واقعات بھی دیکھے ہیں کہ پہلے جوش میں آکر دوسری شادی کر لی، عہد و پیمان بھی کر لیے لیکن جب حالات کا دباؤ دیکھا تو طلاق دیدی۔ پہلے خوب جائزہ لے لیجئے کہ میں اپنی بات پر قائم رہ سکتا ہوں یا نہیں رہ سکتا، اس کے بعد کوئی فیصلہ کیجئے، جلد بازی میں کوئی قدم نہ اٹھائیے۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ نے بھی دو شادیاں کی تھیں مگر وہ دوسروں کو ایک ہی پر اکتفاء کا مشورہ دیا کرتے تھے، یونہی ہم نے اپنے بعض احباب کو دوسری شادی کے بعد پچھتاتے ہوئے دیکھا ہے۔

ایک اہم سوال

ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ مرد کو تو زیادہ شادیوں کی اجازت ہے عورت کو اجازت کیوں نہیں اور یہ سوال تعدّد کے منکرین کی طرف سے بھی اٹھایا جاتا ہے۔

اہل علم نے اس سوال کے مختلف جوابات دیئے ہیں:

☆ تجربات اور حقائق سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ عورت کے مقابلے میں مرد میں جنسی خواہش زیادہ ہوتی ہے۔

☆ زچگی کے دنوں میں اور ماہواری میں بھی عورت کو مختلف مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کی وجہ سے ایک ہی شوہر کی خواہش پورا کرنا اس کے لیے مشکل ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ بیک وقت کئی مردوں کی خواہش پوری کر سکے، آپ سوچیے اگر اسے دو شوہروں میں سے ہر ایک اپنی طرف بلا رہا ہو تو وہ کس کی دعوت قبول کرے گی اور کس کی دعوت رد کرے گی۔

☆ اگر عورت کے ساتھ ایک سے زائد مرد تعلق رکھیں تو جدید میڈیکل کہتی ہے کہ عورت خود بھی بیمار ہو سکتی ہے اور بیماریاں پھیلانے کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے، چنانچہ ایڈز جیسی مہلک بیماری کے پھیلنے کا سبب یہی بیان کیا جاتا ہے۔

☆ جو بچے پیدا ہوں گے ان کا نسب مجہول ہوگا جبکہ اسلام میں نسب کی حفاظت پر بڑا زور دیا جاتا ہے، وہ غیر مسلم ممالک جہاں زنا عام ہے وہاں کسی ملک میں ۴۰ فیصد کسی ملک میں ۵۰ فیصد اور کسی ملک میں ۸۰ فیصد بچے ایسے ہیں جن کے

نسب کا کوئی پتہ نہیں ہوتا، ولدیت کے خانے میں باپ کے بجائے ماں کا نام لکھا جاتا ہے، یہ چیز ان کے ہاں معیوب نہیں ہے مگر اسلام میں سخت معیوب ہے۔

☆ سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ ہمارا دین عورت کو اس کی اجازت نہیں دیتا اور بات یہ ہے کہ کسی حکم کی حکمت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ منع کر دیں تو ہم اس کام کو حرام سمجھیں گے خواہ ساری دنیا حلال سمجھتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت کے احکام سمجھنے اور انہیں عملی زندگی میں نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وأخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمین

نکاح، طلاق اور خلع کا اسلامی تصور

از افادات
داعیِ قرآن، مفسرِ قرآن
حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب
مولانا اشفاق احمد
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

- نکاح والی زندگی بہتر ہے یا بے نکاحی؟
- مغربی دنیا میں شادیوں سے فرار کن قباحتوں کو جنم دے رہا ہے؟
- طلاق دینے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟
- کیا عورت کو طلاق کا حق دیا جاسکتا ہے۔ نہیں تو کیوں؟
- حلالہ کی حقیقت کیا ہے؟
- کیا عورت یک طرفہ خلع لے سکتی ہے؟
- طلاق میں کیا قباحتیں پوشیدہ ہیں؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ ط
اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِہِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ط

(سورۃ النور آیت ۳۲: پارہ ۱۸)

وَقَالَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ط

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۹، پارہ ۲)

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ ط

میرے مسلمان بھائیو اور بہنو! جیسا کہ اشتہار کے ذریعے آپ کے علم میں یہ بات آچکی ہے کہ درس قرآن کی اس ماہانہ نشست کا آج موضوع نکاح، طلاق اور

خلع کا اسلامی تصور ہے۔ میں اسی حوالے سے اپنی گفتگو کو محدود رکھوں گا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ زندگی کے ہر شعبہ میں کتاب وسنت کی تعلیمات کو مدنظر رکھنے اور اللہ کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نکاح والی زندگی بہتر ہے یا بے نکاحی؟

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ نکاح والی زندگی بہتر ہے یا بے نکاحی؟ تو قرآن وحدیث کے مطالعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان کے لیے بلکہ حقیقت میں پورے انسانوں کے لیے نکاح والی زندگی ہی بہتر ہے۔ انسانوں میں جو بہترین انسان تھے یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام انہوں نے نکاح والی زندگی بسر کی بے نکاحی نہیں۔ انبیاء کے بعد انسانوں میں سب سے نیک انسان، معیاری انسان، پاکیزہ انسان، منتخب انسان، ہماری نظر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نکاح والی زندگی بسر کی۔

صحابہ کی نظر میں نکاح کی اہمیت

شاید ہی آپ کو کوئی ایسا صحابی رضی اللہ عنہ ملے جس نے کسی مجبوری کی بناء پر نکاح نہ کیا ہو وگرنہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بے نکاحی زندگی کا تصور بھی نہیں کرتے تھے ۔ان کی نظر میں نکاح کی کتنی اہمیت تھی اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھے پتہ چل جائے کہ میری زندگی کے صرف دو چار دن باقی ہیں تو بھی میں نکاح والی زندگی ہی بسر کرنا چاہوں گا، میں اللہ کے سامنے اس حال میں پیش نہیں ہونا چاہتا کہ میں بغیر نکاح کے ہوں۔ میرے عقد میں کوئی عورت نہ ہو میں اس حالت میں اللہ کے سامنے پیش نہیں ہونا چاہتا کہ میں

بغیر نکاح کے ہوں۔ میرے عقد میں کوئی عورت نہ ہو میں اس حالت میں اللہ کے سامنے پیش نہیں ہونا چاہتا بلکہ اس حالت میں اللہ کے سامنے پیش ہونا چاہتا ہوں کہ میں نکاح والی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عملی زندگی کے علاوہ اگر آپ قرآن وحدیث کا مطالعہ کریں تو اس سے بھی نکاح کی اہمیت کا پتہ لگتا ہے اور یہ کہ مسلمانوں کو نکاح کرنا چاہیے بلکہ نکاح کروانے بھی چاہئیں اس لیے کہ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ط

(سورۃ النور آیت ۳۲، پارہ ۱۸)

تمہارے جو لوگ بے نکاح ہیں تم انکے نکاح کروا دو حتیٰ کہ فرمایا کہ جو آزاد ہیں ان کے بھی نکاح کرواؤ اور جو غلام اور لونڈیاں ہیں ان کے بھی نکاح کروا دو۔

نکاح کے بارے میں رائج مغالطہ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے اور پیدا ہوسکتا ہے کسی کے ذہن میں بھی، خاص طور پر اس شخص کے ذہن میں جو پوری زندگی کو اور دنیا کے نظاموں کو مادی وسائل اور اسباب کی نظر سے دیکھتا ہو کہ جو غریب ہے جو تنگ دست ہے اس کے لئے اپنا خرچہ برداشت کرنا مشکل ہے تو جب نکاح ہو جائے گا تو بیوی کے اخراجات اور بچوں کے اخراجات وہ کہاں سے برداشت کرے گا اور بہت سارے لوگ بالخصوص مغربی تہذیب میں نشوونما پانے والا اس میں پلنے بڑھنے والا اور اس کے نظریات سے متاثر ہونے والے، اس کے نظریات کو اختیار کرنے والے اس وجہ سے نکاح نہیں کرتے کہ ہم تو اپنے اخراجات برداشت نہیں کرسکتے بیوی بچوں کے اخراجات کہاں

برداشت کریں گے۔ اور دوسری وجہ ان کی نکاح سے نفرت ہے، نکاح سے دوری ہے وہ یہ ہوتی ہے کہ بے نکاح تو ہم آزادانہ زندگی گزارتے ہیں نکاح کے بعد ہماری زندگی محدود ہو جائے گی، مقید ہو جائے گی شوہر کے پیروں میں بیوی کی اور بیوی کے پیروں میں شوہر کی زنجیر اور دونوں کے پیروں میں بچوں کی زنجیر تو ایک مقید اور محدود سی زندگی۔ جبکہ بغیر نکاح کے آزادانہ زندگی ہے تو اس وجہ سے ان میں سے بہت سارے نکاح ہی نہیں کرتے کہ اپنے اوپر کوئی بوجھ نہیں لینا چاہتے۔ اپنے آپ کو کسی قید میں مقید نہیں کرنا چاہتے۔ زندگی بھر آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔

قرآن کا جواب

لیکن اسلام کہتا ہے نہیں۔ فرمایا کہ: جو اس وجہ سے گھبرا رہا ہے کہ میں اپنے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا بیوی بچوں کے اخراجات کہاں سے برداشت کروں گا۔

اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ

(سورۃ النور آیت نمبر ۳۲ پارہ ۱۸)

اگر وہ فقیر ہوں گے اللہ ان کو غنی کر دے گا۔

اور ایسی مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں کہ نکاح سے پہلے ایک شخص کے لیے خود اپنا خرچہ برداشت کرنا مشکل سا محسوس ہوتا تھا لیکن نکاح کے بعد بیوی آئی، بچے آئے، چھ آٹھ بچے آئے لیکن اللہ پاک نے ان کا خرچہ برداشت کرنا بھی اس کے لیے آسان کر دیا۔ جوں جوں افراد بڑھتے گئے آمدنی میں وسعت ہوتی چلی گئی اور ایسی مثالیں تو بہت ساری میرے سامنے ہیں کہ جن والدین کو میں نے دیکھا کہ غربت کی لکیر سے بھی نیچے زندگی بسر کر رہے تھے۔ بچے پیدا ہوں گے، بچے جوان ہوں گے،

اللہ نے ان کو ہنر دے دیا، تجارت میں لگ گئے، کوئی اچھی ملازمت مل گئی اور وہی والدین جو کل تک غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کر رہے تھے آج قابل رشک زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ایسی تو بہت ساری مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ پہلے کمانے والے دو ہاتھ تھے اب کمانے والے دس ہاتھ بن گئے تو رزق میں وسعت آ گئی، غناء آ گئی، خوشحالی آ گئی اور اخراجات کا برداشت کرنا آسان ہو گیا اور بہت سے لوگ تو پھر ایسے گھرانوں پر رشک کرتے ہیں کہ ان کے کمانے والے پانچ بیٹے ہیں میرا ایک بھی نہیں ہے اگر میرے بھی ایسے بچے ہوتے تو آج میں غربت کی زندگی نہ گزار رہا ہوتا تو اللہ جو کہتا ہے کہ:

اگر فقیر ہو گے تو غنی کر دے گا۔ تو بعض اوقات تو غیبی مدد بھی ہوتی ہے اس پر بھی ہمارا یقین ہے۔ لیکن بہر حال اللہ پاک نے یہ عالمِ اسباب بنایا ہے یہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ عام طور پر اسباب کے تحت ہوتا ہے۔ اسباب اختیار کیے جاتے ہیں اور مسبب الاسباب ان اسباب میں برکت دے دیتا ہے تو یوں بھی خوشحالی آتی ہے کہ کمانے والے زیادہ ہو جاتے ہیں یا یہ شخص جو پہلے اکیلے زندگی بسر کر رہا تھا ذمہ داری کا احساس نہیں تھا جو ملا کھا لیا اور جہاں موقع ملا سو گیا آج اس کو ذمہ داری کا احساس ہے بیوی کے حقوق اداء کرنے ہیں، بچوں کے حقوق ادا کرنے ہیں اب وہ زیادہ دوڑ دھوپ کرتا ہے تو اسباب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یوں غنی آتی ہے اور خوشحالی آتی ہے اور اللہ کا وعدہ پورا ہو جاتا ہے۔

إِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط

(سورۃ النور آیت ۳۲، پارہ ۱۸)

تو محض فقر و غربت کے اندیشے سے نکاح نہ کرنا غلط سوچ ہے، اور یہ جو فرمایا وَ اَنْکِحُوْا الْاَیَامٰی کہ بے نکاحوں کے نکاح کرواؤ تو میرے بھائیو اور بہنو! یہ رشتہ کروانا بہت بڑا نیک عمل ہے۔ اگرچہ آج کے دور میں مشکل عمل ہے کیونکہ میں بھی بہت تھوڑا سا اس نیک عمل میں حصہ لینے کی کوشش کرتا ہوں اور ڈرتا بھی بہت ہوں، اس لیے کہ آج کل اکثر لوگوں کا ایک چہرہ نہیں ہے کئی کئی چہرے ہیں تو دکھانے کا چہرہ اور ہوتا ہے اور برتنے کا چہرہ اور ہوتا ہے آج کا چہرہ اور ہے اور کل کا چہرہ اور۔ جب وہ آپ کے پاس ضرورت مند بن کر آئے گا تو اس کا چہرہ اور ہوگا اور جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے گی تو اس کا چہرہ کچھ اور ہوگا۔ تو اس لیے آج کے دور میں کسی کی ضمانت دینا اور کسی پر اعتماد کرنا بہت ہی مشکل ہے لیکن بہر حال یہ نیک عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا رشتہ کرواؤ، نکاح کرواؤ اپنے میں سے بے نکاحوں کے اور ہمارے آقا ﷺ نے بھی اس کی ترغیب دی فرمایا کہ:

اے نوجوانوں کی جماعت! جو تم میں سے نکاح کر سکتا ہے نکاح کر لے۔

مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَائَۃَ فَلْیَتَزَوَّجْ۔

فرما کہ: نکاح کی وجہ سے نظر کی بھی حفاظت ہوتی ہے، شرم گاہ کی بھی حفاظت ہوتی ہے۔

رشتہ ڈھونڈنے میں معیار کیا ہونا چاہیے

اور ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر مناسب رشتہ ملے تو اسے ٹھکراؤ نہیں اسے قبول کر لو اگر تم نے مناسب رشتے ٹھکرانے شروع کر دیئے تو فرمایا کہ زنا کی کثرت ہو جائے گی، بدکاری کی کثرت ہو جائے گی۔“

اور آج یہ چیز ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ بہت سے لوگ معیار کی تلاش میں رہتے ہیں معیار، معیار۔ بہت سے رشتوں کو ٹھکرا دیا جاتا ہے صرف اس لیے کہ یہ ہمارے معیار کے نہیں ہیں اور معیار کیا ہے؟ بہت سے لوگوں کی نظر میں معیار صرف مال و دولت ہے، پیسہ معیار ہے جہاں سے بڑا جہیز ملنے کی امید ہو تو ان کے معیار کا رشتہ ہے اور جہاں سے ان کی توقع کے مطابق جہیز ملنے کی امید نہ ہو تو یہ غیر معیاری رشتہ ہے معیار ہے پیسہ، مال و دولت، جہیز کا سامان اور جہیز ساری زندگی نہیں چلتا کہ ہماری ۶۰ اور ۷۰ سال کی زندگی میں وہ جہیز کا سامان ہی چلتا رہے گا۔ ہائے اللہ! نامعلوم کتنی بہنیں اور کتنی بیٹیاں ایسی ہیں جن کی جوانیوں کو داغ لگ گئے اس لئے کہ ان کے والدین کے پاس منہ مانگا جہیز دینے کی سکت نہیں ہے۔ ہم نے ایک ہندوانہ رسم کو اپنے معاشرہ کا ایک لازمی جُزو قرار دے دیا کہ جہیز کا ہونا ضروری ہے۔

تعجب کی بات

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ تو دیندار ہیں اور ہم آج دیندار کس کو کہتے ہیں کہ جی نماز پڑھتا ہے، حج کیا ہے، ڈاڑھی رکھی ہے، تو یہ دیندار ہے۔ بہت سے لوگ جو دیندار ہیں وہ بھی جب شادی بیاہ کی رسموں میں جاتے ہیں تو وہاں ان کا طرز عمل بھی خالص ایک دنیادار جیسا ہوتا ہے، ان کی دین داری صرف مسجد کی حد تک ہے۔ ان کی دینداری حج اور عمرہ کی حد تک ہے باقی رہا نکاح، شادی، غمی کی رسمیں گویا کہ انکا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو معیار کی تلاش۔ میں عرض کر رہا تھا کہ معیار کیا ہے؟ بہت سے لوگوں کی نظر میں معیار مال و دولت ہے، روپیہ پیسہ ہے، بڑا جہیز ہے۔ بہت سے لوگوں کی نظر میں معیار بڑی بڑی ڈگریاں ہیں۔ اور ہوتا پھر یہ

ہے کہ بعض اوقات لڑکیوں کے پاس بڑی ڈگریاں اب ان کے والدین تلاش کرتے ہیں کہ لڑکا بھی بڑی ڈگری والا ہو وہ ملتا نہیں ہے تو بہت ہی جاہل، ان پڑھ لڑکیوں کے نکاح ہو جاتے ہیں اور ڈگریوں والیاں گھروں میں بوڑھی ہوتی رہتی ہیں۔

اخبار میں با قاعدہ میں نے ایک فیچر دیکھا انہوں نے با قاعدہ سروے کیا کہ اکثر جو بغیر رشتہ کے بیٹھی ہوئی ہیں وہ ہیں جن کے پاس بڑی بڑی ڈگریاں ہیں اور ملازمتیں اپنا ہم پلہ تلاش کرتی ہیں ظاہر ہے ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ بیوی تنخواہ لے رہی ہے ۲۵۰۰۰ اور شوہر تنخواہ لے رہا ہو ۵۰۰۰۔ اس کے ساتھ رشتہ کیسے کر لے اور کر لے تو ساری زندگی گردن تو نیچے جھکے رہے گی، گھر کا خرچہ تو وہ چلا رہی ہے اس بے چارے کی حیثیت تو ایک فرمانبردار اور وفادار ملازم کی سی ہوگی تو بعض لوگوں کی نظر میں معیار یہ ہے بعض لوگوں کی نظر میں معیار حسن و جمال، خوبصورتی بس اور کچھ نہیں اور قربان جائیں اپنے آقا حضرت محمد ﷺ کے قدموں کی خاک پر انہوں نے فرمایا کہ:

”دیکھو! نہ جمال کی وجہ سے نکاح کرو، نہ مال کی وجہ سے نکاح کرو، نہ اونچے خاندان کی وجہ سے نکاح کرو بلکہ رشتہ میں سب سے پہلی ترجیح تمہاری وہ سیرت ہونی چاہئے۔“

سیرت کیسی ہے؟ تقویٰ کیسا ہے؟ دینداری کیسی ہے؟ سب سے پہلی ترجیح یہ ہو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ صورت کو بالکل نہ دیکھا جائے، خاندان کو بالکل نہ دیکھا جائے یہ مطلب نہیں لیکن جہاں ترجیح کا معاملہ آجائے کہ کس بنیاد پر رشتہ کرنا ہے تو اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ: ”بنیاد تمہاری نظر میں دینداری، سیرت اور تقویٰ ہونا چاہئے“، سیرت باطنی حسن ہے اور شکل ظاہری حسن ہے، ظاہری حسن زوال پذیر ہے، باطنی

حسن کو زوال نہیں ہے اور ظاہری حسن فتنہ کا سبب ہے، باطنی حسن فتنہ کا سبب نہیں ہے، گھر بسانے کا ذریعہ ہے، بہت سے لوگ جو صرف صورت کی بناء پر رشتہ کرتے ہیں بعد میں پچھتاتے ہیں اور یہ بھی جان لیں بعض رشتے جو صورت کی بناء پر ہوتے ہیں کچھ عرصہ بعد جب صورت نظر سے اتر جاتی ہے اور سیرت نہیں ہوتی تو ایسے گھر بھی اجڑ جاتے ہیں لیکن جن بچیوں کی سیرت اچھی ہوتی ہے صورت اگرچہ سادہ ہو وہ کسی نہ کسی مرحلے میں دل میں اپنا گھر بنا ہی لیتی ہیں بات طویل ہوجائیگی میں یہ عرض کر رہا تھا کہ پہلا سوال یہ کہ زندگی کیسی بسر کرنی ہے؟ نکاح والی یا بغیر نکاحی؟

نکاح کے بارے میں اسلامی نظریہ

اسلام کا حکم یہ ہے کہ نکاح والی زندگی بسر کرو۔ تجرّد کی زندگی رہبانیت کی زندگی اور بے نکاحی زندگی کو ہمارے آقا ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔ اب نکاح کے بعد طلاق پر آیئے۔

طلاق کے معنی

طلاق کا معنی یہ ہے کہ کسی مخصوص لفظ کے ذریعہ سے نکاح کی قید کو ختم کر دینا۔ نکاح کے رشتہ کو، نکاح کے عقد کو، نکاح کی قید ختم کرنے کو طلاق کہتے ہیں۔ طلاق کا تصور دوسرے مذاہب میں بھی پایا جاتا ہے لیکن اپنے اپنے مفہوم میں، مثال کے طور پر یہودیت میں شوہر کو طلاق دینے کی مکمل آزادی تھی، وہ جیسے چاہتا جب چاہتا طلاق دے دیتا اور ایک دفعہ طلاق کے بعد پھر دوبارہ اس مطلقہ عورت سے کسی طور پر بھی نکاح کی اجازت نہ تھی۔ عیسائیوں کے ہاں طلاق کی بالکل اجازت نہیں تھی۔ آج بھی اگر آپ موجودہ انجیل کا مطالعہ کریں تو اس میں ایسی عبارتیں آپ کو مل

جائیں گی جن سے ثابت ہوتا ہے طلاق دینا مطلقاً حرام ہے خواہ میاں بیوی میں کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں، ان کا اکٹھے رہنا محال ہو جائے، زندگی تلخ ہو جائے لیکن اس کے باوجود عیسائیت میں طلاق دینا حرام ہے۔ لیکن جب اس میں مشکلات پیش آئیں تو انہوں نے تفریق جسمانی کا نظریہ پیش کیا۔ تفریق جسمانی کیا ہے؟ کہ شوہر اور بیوی جسمانی طور پر الگ الگ رہیں۔ رہائش دونوں کی الگ الگ، مکان فلیٹ الگ الگ ہو جائے لیکن رہیں گے میاں بیوی رشتہ نہیں ٹوٹے گا۔ اور ان دونوں کے لیے دوسرا نکاح کرنا بھی حرام۔ یہ عیسائیت کا مذہب بتا رہا ہوں، آج کا عمل نہیں بتا رہا آج تو جو مغرب کے عیسائی ہیں ان کے ہاں خاص طور پر اوّل تو نکاح ہوتا ہی نہیں اور اگر نکاح ہو جائے تو نکاح کا مطلب ہے طلاق۔ اگر کسی جوڑے میں طلاق نہیں ہوئی تو سمجھ لیجئے کہ نکاح نہیں ہوا، وگرنہ جہاں نکاح ہوگا وہاں طلاق بھی ہوگی۔

تو میں عیسائی مذہب کی بات کر رہا ہوں آج کی عیسائی دنیا کی بات نہیں کر رہا اس لیے کہ آج کی عیسائی دنیا تو مذہب سے بالکل آزاد ہو چکی ہے اور انہوں نے اپنی سہولت کے لیے اپنے قوانین وضع کر لیے۔

ہندو مذہب میں طلاق کی حیثیت

دوسرا بڑا مذہب دنیا میں ہندو مذہب ہے۔ ہندو مذہب میں بھی طلاق مطلقاً حرام۔ یہاں تک کہ آپ اندازہ کیجئے کہ شادی کے باوجود ایسا تو ہو سکتا ہے کہ ایک عورت کسی غیر مرد سے تعلق قائم کر لے لیکن طلاق نہیں ہو سکتی۔ ایسی روایات بھی ان کے ہاں ملتی ہیں اگر کسی عورت کے ہاں اپنے شوہر سے بچہ نہ ہو تو وہ بچے پیدا کرنے کے لیے کسی دوسرے مرد کے پاس بھی جا سکتی ہے لیکن اپنے شوہر سے طلاق نہیں لے سکتی۔

اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ان کے ہاں یہ تصور تھا اور آج بھی بعض علاقوں میں اس کی مثالیں ہیں اور اس کو قابل تحسین عمل سمجھا جاتا ہے وہ یہ کہ اگر شوہر کا انتقال ہو جائے اور اسے آگ میں جلایا جارہا ہو تو اس عورت کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ ہی زندہ جل کر مرجائے۔ تو ہندو مذہب میں بھی طلاق کی اجازت نہیں تھی مذہب کی بات کررہا ہوں۔ آج اگرچہ ان کے بعض مذہبی رہنماؤں نے طلاق کا راستہ نکالا لیکن جو اصل مذہب تھا ہندو مذہب کا اس میں طلاق کی اجازت نہیں تھی۔

نکاح وطلاق کے معاملے میں اعتدال صرف اسلام میں ہے

دنیا کا چوتھا بڑا مذہب الحمدللہ اسلام ہے اور بحمدللہ ہم اسی مذہب کے پیروکار ہیں اسی پر زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اسی پر مرنا چاہتے ہیں اور الحمدللہ دل کی گہرائی سے ہم یہ بات سمجھتے ہیں کہ تمام مذاہب کے مطالعہ کے بعد اور موازنے کے بعد کہ اعتدال کا راستہ صرف اسلام نے دکھایا ہے جس میں انسانی فطرت کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کیا گیا ہے۔ وہ اسلام نے راستہ دکھایا ہے عقائد میں بھی دیکھیں تو اعتدال ہے، عبادات میں بھی دیکھیں تو اعتدال ہے، معاملات میں بھی دیکھیں تو اعتدال ہے، دین کے تقاضے بھی پورے کئے گئے دنیا کے تقاضے بھی پورے کئے گئے ہر جگہ اعتدال۔ تو طلاق کے باب میں بھی اسلام نے اعتدال کا راستہ اختیار کیا نہ تو عیسائیوں کی طرح اور ہندوؤں کی طرح طلاق پر مطلقاً قدغن لگائی اور اس کو ہر صورت میں حرام قرار دیا، نہ یہودیوں کی طرح شوہر کو طلاق کی ہر صورت میں چھٹی دے دی اسلام نے ایسا نہیں کیا۔

بلکہ کتاب وسنت کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عام حالات میں طلاق کو پسند نہیں کیا گیا بالخصوص ایسے مردوں اور ایسی عورتوں کی تو شدید مذمت کی گئی جو محض ایک عورت سے رشتہ توڑ کر دوسری عورت سے یا ایک عورت ایک مرد سے توڑ کر دوسرے سے کرنا چاہتی ہے بلا کسی وجہ کے بغیر کسی پریشانی کے، بغیر کسی جھگڑے کے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

لَعَنَ اللّٰہُ الذَّوَّاقِیْنَ وَالذَّوَّاقَاتِ

''چکھنے والے مردوں اور چکھنے والی عورتوں پر لعنت ہے اللہ کی''

یعنی جو کبھی اِدھر کبھی اُدھر، کبھی اُدھر کبھی اِدھر رشتے جوڑتے ہیں ان پر لعنت۔ طلاق کی کثرت سے بچنے کے لیے اسلام نے جو ہدایات دی ہیں ان میں پہلی تو یہ ہے کہ دیکھو جب تم رشتہ جوڑو لڑکی یا لڑکے کا تو دیکھ بھال کے رشتہ کرو، عجلت میں فیصلہ نہ کرو، مشورہ کرلو سب سے پہلے، دوسرے نمبر پر استخارہ کرو۔

استخارہ کی حقیقت

مجھے استخارہ کے حوالے سے بار بار بات کرنی پڑتی ہے، بہت سے لوگ استخارہ کو وحی سمجھتے ہیں کہ گویا کہ مجھ پر آسمان سے وحی نازل ہوگی، میں نے استخارہ کیا ہے تو آسمان سے مجھ پر وحی آئے گی کہ ہاں تم یہ کام کرلو۔ تو بھئی استخارہ وحی نہیں ہے اللہ کے بندو، وحی تو کیا الہام بھی نہیں ہے اور جو کاروباری لوگ، جو پیسا لے کر استخارے کر رہے ہیں وہ صرف اپنی دکانیں چلا رہے ہیں ان پر کوئی وحی نہیں آتی ہے اور آج تو ہم سن رہے ہیں کہ ٹی وی پر بیٹھے ہوئے استخارہ کرتے ہیں دو سکینڈ میں استخارہ۔ ادھر سے سوال کیا یہ کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے؟ اور ادھر جو بیٹھا ہوا بدبخت ٹی وی

پر اس نے فوراً کہہ دیا نہیں کرنا چاہئے۔ کیسے؟ جیسے اس نے براہ راست اللہ سے معلوم کر لیا ٹیلی فون کر کے کہ فلاں کام کرنا چاہئے یا نہیں کرنا چاہئے۔ حیرت کی بات ہے۔ بڑی جرأت کی بات ہے۔

استخارہ کو کاروبارہ بنا دیا اور استخارہ کو لوگوں نے وحی اور الہام کا درجہ دے دیا اور استخارہ کو قطعیت اور یقین کا درجہ دے دیا۔ استخارہ تو ایک دعا ہے یعنی اللہ سے خیر کی دعا کر لو۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا۔ استخارہ کا معنی ہے ''خیر کی دعا کرنا،، اے اللہ! میں یہ کام کرنا چاہتا ہوں میں غیب کا علم نہیں جانتا تو غیب کا علم جانتا ہے کل کیا ہو مجھے کچھ پتہ نہیں تجھے پتہ ہے اے اللہ! یہ کام دین اور دنیا کے اعتبار سے میرے حق میں بہتر ہے تو اس کو کرنا آسان کر دے اور اگر مشکل ہے تو میرے دل سے اس کا ارادہ ختم فرما دے مجھے اس کام سے بچا لے۔،، یہ اللہ سے ایک دعا ہے، دوسری دعاؤں کی طرح۔ تو اسے ایک دعا ہی کا درجہ دینا چاہئے۔ دعا سے آگے نہیں جانا چاہئے۔ تفصیل کا موقع نہیں ہے لیکن چونکہ عمومی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اور لوگوں نے روڈوں پر، چوراہوں پر اشتہارات لگا رکھے ہیں جیسے کاروبار والوں نے لگا رکھے ہیں۔ استخارہ ہم سے کروائیے اور یہ بورڈ وغیرہ پڑھ کر اور یہ اشتہار پڑھ کر لوگ ہماری طرف بھی رجوع کرتے ہیں لیکن چونکہ الحمدللہ اکثر بیان میں کہتے رہتے ہیں اس موضوع کے بارے میں کہ ہم سے کوئی استخارہ نہ کروائے نہ ہم کرتے ہیں دعا کر دیں گے لیکن ہم کسی کے لیے استخارہ نہیں کرتے۔

استخارہ ہر شخص کو خود کرنا چاہئے اور جو ہم سے کہتے ہیں اس سے اکثر درخواست کرتا ہوں کہ میرے بھائی! اپنے بیٹے اور اس بیٹی کے لیے جو درد تمہارے دل میں

ہے وہ پیسہ لے کر استخارہ کرنے والے کے دل میں درد نہیں ہو سکتا۔ جتنی تڑپ کے ساتھ آپ دعا کریں گے یہ کاروباری شخص دعا نہیں کرے گا، یہ فراڈیئے ہیں دھوکہ دے رہا ہے آپ کو۔ اللہ کی طرف رجوع کرتے میرے اللہ نے کوئی دربان نہیں بٹھایا، کوئی چوکیدار نہیں بٹھایا، کوئی وزیر نہیں بنائے، کوئی مشیر نہیں بنائے، کوئی معاون نہیں بنائے کوئی سیکریٹری نہیں بنائے کہ تم ان کو درخواستیں دو اور یہ درخواستیں میری بارگاہ میں پیش کرتے ہیں بلکہ اللہ تو کہتا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط

(البقرۃ۱۸٦ پارہ۲)

میرے حبیب! جب میرے بندے آپ سے پوچھیں کہ میں کہاں ہوں؟ کیسے مجھ سے رابطہ ہو سکتا ہے تو آپ یہ نہ فرمائیں کہ تم درخواستیں مجھے دو میں درخواستیں اللہ کے حضور پیش کروں گا بلکہ ان کو یہ بتاؤ کہ:

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لا

(البقرۃ۱۸٦ پارہ۲)

میں تمہارے بہت قریب ہوں مجھ سے رابطہ کرنے کے لیے کسی واسطہ کی ضرورت نہیں۔ براہ راست آؤ! جب چاہو آؤ جو مسئلہ چاہو لے کر آؤ اور جس زبان میں پیش کرو میں تمہاری درخواستیں سنتا بھی ہوں اور قبول بھی کرتا ہوں۔

طلاق کے معاملہ میں پہلی ہدایت، احتیاطاً مشورہ کرنا چاہیے

تو عرض کر رہا تھا کہ طلاق سے بچنے کے لیے شریعت نے پہلا حکم تو یہ دیا کہ مشورہ کرلو۔ یہ بھی حکم دیا گیا کہ مشورہ کرو، قرآن میں مشورہ کرنے کی ترغیب ہے، اللہ کے نبی بھی مشورہ کی ترغیب دیتے تھے اور حدیث میں حضور پاک ﷺ کے

بارے میں آتا ہے کہ: ایک صحابی کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے زیادہ مشورہ کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ اللہُ اَکْبَرُ! کیا سیرت تھی میرے آقا ﷺ کی۔ آپ پر تو وحی نازل ہوتی تھی۔ آپ کا دل معصوم، دماغ معصوم، زبان معصوم، لیکن اس کے باوجود ہر ہر معاملہ میں مشورہ کرتے تھے۔

حد یہ کہ جب منافقوں نے آپ کی زوجہ مطہرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو حضور ﷺ نے اس موقع پر بھی صحابہ سے مشورہ کیا ہے۔ بتاؤ! مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اللہُ اَکْبَرُ کوئی جذباتی شخص ہوتا تو کیا کرتا۔ یا تو اپنی بیوی کی گردن اڑا دیتا یا پھر تہمت لگانے والے کی گردن اڑا دیتا۔ لیکن اللہ کے نبی ﷺ نے نہ اپنی بیوی پر ہاتھ اٹھایا نہ منافقین پر ہاتھ اٹھایا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ بتاؤ! مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کتنا نازک معاملہ تھا زوجہ مطہرہ پر تہمت کا۔ لیکن اس معاملے میں بھی اللہ کے نبی نے مشورہ کیا۔ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں ہمارے آقا ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے کس لیے؟ تا کہ میری امت بھی میری اس سنت پر عمل کرے مشورہ کرے۔ تو فرمایا کہ پہلے تو مشورہ کرو اور یہ بھی یاد رکھیں رشتہ کے بارے میں یا کسی شخص کے بارے میں اگر ہم سے کوئی مشورہ کرے تو علماء نے لکھا ہے کہ: یہ وہ مقام ہے جس میں غیبت کرنا جائز ہے۔ ویسے تو کسی کی پیٹھ پیچھے برائی بیان کرنا جائز نہیں۔ غیبت آپ جانتے ہیں کتنا بڑا گناہ ہے مردہ بھائی کا گوشت کھانا ہے غیبت کرنا۔ لیکن فرمایا گیا کہ اگر تم سے کوئی مشورہ کرتا ہے کہ میں فلاں جگہ رشتہ کرنا چاہتا ہوں اور تمہیں اس لڑکے یا اس خاندان کی کچھ کمزوریاں معلوم ہیں جو اسے معلوم نہیں تو تمہارے لیے جائز ہے کہ تم کھول کر ان کمزوریوں کو

بیان کروا سے غیبت شمار نہیں کیا جائے تو مشورہ کرلو۔

دوسری ہدایت، تدبیر استخارہ کرنا ہے

دوسرے نمبر پر استخارہ کرلو اور تیسرے نمبر پر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تم رشتہ کرنا چاہتے ہو دیکھ بھی سکتے ہو۔

آپ جانتے ہیں غیر محرم لڑکے یا لڑکی کو دیکھنا ویسے شریعت میں حرام۔ نظریں جھکانے کا حکم۔ لیکن اگر رشتہ کرنا چاہتے ہو تو دیکھنے کی اجازت بھی ہے ایک صحابی آئے یا رسول اللہ! فلاں جگہ رشتہ کرنا چاہتا ہوں فرمایا: تم نے دیکھا بھی ہے؟ خود ترغیب دے رہے ہیں اللہ کے نبی ﷺ۔ تم نے دیکھا بھی ہے؟ پہلے دیکھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ نکاح کے بعد تم یہ سمجھو میرا تصور تو کچھ اور تھا۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ اس دنیا کی مخلوق نہیں ہوگی حور ہوگی اور یہاں تو کچھ اور ہے۔ فرمایا: نہیں، دیکھ لو۔

کیونکہ بہت سے لوگ بہر حال صورت کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں تو طلاق سے بچنے کے لیے پہلا طریقہ اور پہلی ہدایت جو اسلام نے دی ہے وہ یہ کہ رشتہ دیکھ بھال کر کرو۔ جلد بازی میں نہیں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ جو جلد بازی میں رشتے ہوتے ہیں وہ ٹوٹتے بھی جلد بازی میں ہیں۔ آج کے بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں، اللہ معاف فرمائے، کسی کے رشتہ موبائل سے طے ہوجاتے ہیں اور کسی کے رشتہ انٹرنیٹ کے ذریعہ طے ہوجاتے ہیں اور کوئی چوراہوں پر ملتے ہیں تو رشتے کے لیے انتخاب کر لیتے ہیں لیکن پھر ایسے رشتہ ٹوٹتے بھی ایسے ہی ہیں۔ یہ پہلی تعلیم ہے۔

دوسری تعلیم یہ کہ اسلام نے کہا کہ دیکھو جب رشتہ کرلیا تو اب صرف کمزوریوں پر نظر نہ رکھو خوبیوں پر بھی نظر رکھو اس دنیا کا کوئی انسان ایسا نہیں جس کے اندر خوبیاں

ہی خوبیاں ہوں اور کمزوری کوئی نہ ہو۔ میں اگر یہ کہوں تو مناسب ہوگا کہ ایک ہی انسان ہے اس امت کے اندر جس کے اندر خوبیاں ہی خوبیاں اور کمزوری کوئی نہیں اور وہ ہے ہمارے سردار محمد رسول اللہ ﷺ۔ باقی ہر کسی کے اندر خوبیاں بھی ہیں تو کمزوریاں بھی ہیں اور کمزوریاں ہیں تو خوبیاں بھی ہیں۔ فرمایا کہ: فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ خاص طور پر شوہروں سے خطاب کیا فرمایا کہ: اگر تم کسی عورت کو ناپسند کر رہا ہو فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ⑲ ہوسکتا ہے تم کسی کو ناپسند کر رہے ہو اور اللہ نے تمہارے لیے اس کے اندر بہت زیادہ بہت بڑی خیر چھپا رکھی ہے۔

ہاں تم کسی وجہ سے، اس کی کسی عادت کی وجہ سے اسے ناپسند کر رہے ہو لیکن ممکن ہے کوئی خیر کا پہلو ہوسکتا ہے اللہ تم کو اسی سے وہ اولاد دے جو اولاد دنیا میں تمہارا نام روشن کر دے۔ صرف کمزوری پر نظر نہیں۔ خوبیوں پر بھی نظر ہو۔ ایک حدیث میں ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا کہ: کوئی مومن کسی مؤمنہ عورت سے جدائی اختیار نہ کرے ،ہوسکتا ہے کہ اس کی ایک عادت اس کو پسند نہیں لیکن دوسری عادت پسند آجائے۔،،

بدگمانی سے بچیے

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنی توجہ صرف خوبیوں پر نظر رکھتے ہیں کمزوریوں پر نہیں۔ اور دوسرے کی صرف کمزوریوں پر نظر رکھتے ہیں خوبیوں پر نہیں۔ اور اللہ نے نظام ایسا بنایا ہے آپ تلاش کریں گے تو بُرے سے بُرے آدمی کے اندر بھی کوئی اچھی بات مل جائے گی مثالیں تو بہت ساری ہیں۔ میں اخبار تو بہر حال پڑھتا ہوں اور اخبار جب پڑھتے ہیں تو سب کچھ نظر سے گزرتا ہے اچھا، برا سب کچھ ہی۔ تو ایک

کھلاڑی ہے مشہور۔اس کے بارے میں میرا کچھ، اللہ مجھے معاف فرمائے، خیال تھا بدگمانی سی تھی بڑا آوارہ سا ہے، عیاش سا ہے، ایسا ہے ویسا ہے۔ ایسی خبریں ایسے اسکینڈل اس کے پڑھتے رہتے ہیں۔

تو ایک دن میں نے اس کا انٹرویو پڑھا تو اس میں سوال کرنے والے نے پوچھا: تم اپنے دن کا آغاز کیسے کرتے ہو؟ اس نے کہا: تہجد کی نماز سے اَللہُ اَکْبَرُ اس نے کہا کہ: رات کو آخری عمل کون سا کرتے ہو؟ اس نے کہا اپنی والدہ کے پاؤں دباتا ہوں۔ اس نے کہا سب سے زیادہ پسندیدہ شخصیت تمہاری کون سی ہے؟ اس نے کہا حضرت محمد رسول ﷺ میں نے فوراً استغفار کیا یا اللہ! مجھے معاف کر دینا، میں تو اس کے بارے میں بدگمانی رکھتا تھا اور اس کے اندر کیا کیا خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ تو بھائی! اسلام یہ کہتا ہے کہ اپنی کمزوریوں پر نظر رکھو اور دوسرے کی خوبیوں پر۔ بالخصوص میاں بیوی۔ کوئی نہ کوئی خوبی تو نظر آ ہی جائے گی۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے واقعات بڑے مشہور ہیں۔ واقعات تو ابھی نہیں سناؤں گا لیکن ان کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ کہ ان کی بیوی بڑی سخت مزاج تھی، دماغ سیدھا کر دیتی تھی لوگ حضرت حضرت کہہ کر دماغ خراب کرتے تھے اور بیوی ایسی خبر لیتی تھی کہ دماغ سیدھا ہو جاتا تھا بعض اوقات مُرید جاتے ان کے گھر میں۔ حضرت نے کھانا منگوایا۔ وہ دو چار سناتی کہ ایسی تیسی تیرے حضرت کی وہ کہاں سے آ گیا۔ تو بڑی سخت مزاج تھیں۔ واقعات مشہور ہیں ان کی سیرت میں لوگوں نے کئی واقعات بیان کیے ہیں۔ تو کسی نے کہا: حضرت! ایسی سخت مزاج ہے

آپ طلاق کیوں نہیں دے دیتے؟ فرمایا کہ سخت مزاج تو ہے لیکن آج میں جس مقام پر ہوں وہ اس کی سخت مزاجی کی وجہ سے ہے۔ یہ سخت زبان استعمال کرتی ہے میں اللہ کی رضا کے لیے صبر اختیار کرتا ہوں اور اللہ مجھے نوازتا ہی چلا جاتا ہے اور فرمایا کہ: زبان کی تو واقعی بری ہے لیکن کردار کی اتنی صاف ہے مجھے یقین ہے اگر مجھے جیل میں ہمیشہ کے لیے ڈال دیا جائے تو کسی کو اس پر بری نظر ڈالنے کی جرات نہیں ہوگی۔ کردار کی اتنی صاف ہے۔ تو خوبی پر نظر۔ تو اللہ والے نے تو یہ پہلو تلاش کر لیا کردار کی صاف ہے تو دوسرا یہ کہ میں اس کی زیادتی پر صبر کرتا ہوں اور اللہ مجھے نوازتا ہے۔ یہ پہلو تلاش کر لیا۔ تو کوئی نہ کوئی خوبی تو ہوگی بھائی! تو کثرت طلاق سے بچنے کے لیے دوسرا طریقہ یہ ہے اسلام کہتا ہے کہ خوبی پر بھی نظر رکھو۔

طلاق کے بارے میں تیسری ہدایت

تیسرا طریقہ یہ کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ اگر میاں بیوی کو ایک دوسرے کے اندر کوئی غلط بات دکھائی دے تو طلاق میں جلدی نہ کرے بالخصوص شوہروں کو حکم دیا کیونکہ طلاق کا اختیار اسلام نے شوہر کو دیا ہے بیوی کو نہیں۔ تو شوہر سے کہا کہ اگر تمہیں بیوی کی طرف سے نافرمانی کا اندیشہ ہو تو طلاق دینے میں جلد بازی نہ کرو بلکہ

فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ

(سورۃ النساء ۳۴ پارہ ۵)

نصیحت کرو پھر اس کا بستر الگ کردو تیسرے مرحلے پر مارنے کی اجازت دی ہے۔

مارنے کا مطلب ایسا ہے آج کے دور میں جب بولا جائے تو ممکن ہے ہماری بہت سی بہنوں، بیٹیوں کے ماتھے پر شکن پڑ جائے کہ یہ کیا مارنے کی اجازت اسلام

دے رہا ہے۔ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ اختصار سے بات کرتا ہوں اسلام ہر زمانے کے لیے ہے، ہر ماحول کے لیے ہے، ہر معاشرہ کے لیے ہے، ہر سوسائٹی کے لیے ہے، اس کے مخاطب شہری بھی ہیں، دیہاتی بھی ہیں، پڑھے لکھے بھی ہیں اور جاہل بھی ہیں ہر قسم کے لوگ ہیں، بعض جگہ پر اور بعض حالات میں ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ ہاتھ اٹھانے کی اجازت دی جاسکتی ہے لیکن یہ اس کے لیے ہے جو سمجھا بھی چکا ہو، بستر کو الگ کر چکا ہو یعنی دوسرے طریقوں پر عمل کر چکا ہو مجبوراً اسے ہاتھ اٹھانے کی اجازت دی گئی اور وہ بھی کس حد تک، صرف اس حد تک کہ ایسی پٹائی ہو کہ جسم پر زخم وغیرہ نہ لگے۔ بعض نے لکھا ہے کہ صرف مسواک سے مار سکتا ہے اور یہاں جو بعض شوہر اللہ انہیں ہدایت دے۔ اس طریقہ سے پٹائی کرتے ہیں کہ جس ڈنڈے سے جانور کی پٹائی کی جاتی ہے اس ڈنڈے سے اپنی شریک سفر کی پٹائی کر رہا ہے اور بعض تو بے قصور، محض اپنی مردانگی ثابت کرنے کے لیے، اپنی طاقت ثابت کرنے کے لیے، اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے۔ اسلام اس پٹائی کی اجازت نہیں دیتا ہے اور جو بدبخت اسلام کے نام پر ایسا کرتا ہے وہ اسلام کو بدنام کرنے کا ذریعہ ہے اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔ یہ تیسرا طریقہ، تیسری تعلیم، تیسری ہدایت ہے اسلام کی طلاق سے بچنے کے لیے۔

چوتھی ہدایت

چوتھی ہدایت اسلام نے یہ دی ہے کہ اگر اختلافات شدت اختیار کر جائیں تو فرمایا کہ دونوں کے رشتہ داروں کو بٹھایا جائے لڑکی کے رشتہ داروں کو بھی اور لڑکے کے رشتہ داروں کو بھی۔ اور ان کے سامنے معاملہ پیش کیا جائے وہ فیصلہ کریں۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ

(سورۃ النساء ۳۵، پارہ ۵)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''دونوں کے خاندان میں سے ایک ایک فیصلہ کرنے والے کو لے لو اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہوگا تو میں ان کے درمیان اصلاح پیدا کر دوں گا۔''

اور سن لیجئے میری بہنو، میرے بھائیو! ایک حدیث میں ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہ میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں کہ جو نماز سے بھی افضل، روزہ سے بھی افضل، حج سے بھی افضل۔ اللہُ اَکبرُ فرمایا کہ یہ نفلی نماز، نفلی روزوں اور نفلی حج، عمروں سے بھی افضل عمل ہے۔

یہ تو عمومی طور پر ہے روٹھے ہوؤں کو منا دینا، میاں بیوں کو آپس میں ملا دینا یہ تو اس سے بھی زیادہ افضل عمل ہے۔

پانچویں ہدایت

پانچویں ہدایت اسلام کی یہ ہے کہ اگر دونوں کے خاندان بھی ناکام ہو جائیں اور طلاق ہی ضروری ہو جائے تو اسلام کہتا ہے ایک بار پھر سوچ لو۔ کہ اللہ کی نظر میں مباح اور جائز چیزوں میں سے سب سے زیادہ قابل نفرت عمل طلاق ہے۔ طلاق کی اجازت دی ہے اسلام نے مجبوری کی بناء پر۔ لیکن فرمایا کہ سب سے زیادہ قابل نفرت عمل، جائز چیزوں میں سے طلاق ہے۔ اور ایسی خاتون جو کسی معقول وجہ کے بغیر، سوال کرتی ہے طلاق کا۔ اُس کے بارے میں ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا کہ:

حَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ

اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔

جو کسی معقول وجہ کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرتی ہے۔ تو فرمایا کہ اس بات کو دیکھ لو بڑا قابل نفرت عمل ہے لیکن اگر اس کے بغیر چارہ ہی نہ ہو، نباہ کی کوئی صورت ہی دکھائی نہیں دیتی۔ اب طلاق دے سکتے ہیں لیکن کیسے؟ دیکھیں اسلام کی تعلیم کیسی ہے؟ فرمایا کہ ایک تو حیض کے دنوں میں طلاق نہ دے۔ کیونکہ حیض کے دن کراہت کے دن ہوتے ہیں حیض کا زمانہ کراہت کا زمانہ، فرمایا کہ: حیض میں طلاق نہ دو۔

دوسری بات یہ کہی کہ صرف ایک طلاق دے کر بیوی کو چھوڑ دو۔ یہ طلاق احسن ہے۔ اس لیے کہ اگر ایک طلاق دے کر بیوی کو چھوڑ دیا تو عدت گزرنے سے پہلے شوہر رجوع کرنا چاہے تو رجوع بھی کر سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس زمانے میں کوئی اللہ کا بندہ ایسا سامنے آجائے مصالحت کروادے۔ رجوع کرنا ممکن ہے۔ اور اگر بالفرض رجوع نہ بھی کرے تو جب عدت گزر جائے گی تو جدائی ہو جائے گی اور جدائی کے بعد بھی اگر کسی وقت دونوں میاں بیوی نے دوبارہ نکاح کرنے کا فیصلہ کر لیا تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں حلالہ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے اب اسلام نے کتنا اچھا طریقہ بتایا۔ ایک طلاق دے کر چھوڑ دو۔ اگر اس پر بھی اکتفاء نہیں کرتے تو فرمایا کہ ہر طہر میں ہر پاکیزگی کے دنوں میں ایک طلاق دے دو۔ پہلے مہینہ میں ایک طلاق، دوسرے مہینہ میں دوسری طلاق اور تیسرے مہینہ میں تیسری طلاق۔ یوں کرو۔

لیکن اگر کسی نے شریعت کی ان ساری ہدایات کو نظر انداز کر دیا اور تینوں طلاقیں دے دیں تو جان لیجئے کہ پھر تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ خواہ حیض میں

طلاق دے، حمل میں طلاق دے، لکھ کر طلاق دے، زبانی طلاق دے، کوئی گواہ ہو تو بھی، کوئی گواہ نہ ہو تو بھی، جیسے بھی دے طلاق ہو جائے گی۔ ٹیلیفون پر بھی دے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اب سختی ہے لوگ شریعت کی ساری ہدایت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور جوش و غصہ سے مغلوب ہو کر آپے سے باہر ہو کر تینوں طلاقیں بیک وقت دے دیتے ہیں اور پھر مسئلے پوچھتے پھرتے ہیں کہ بتایئے مولوی صاحب کوئی راستہ؟ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں دونوں خاندانوں کا مسئلہ ہے۔ پتہ چل گیا تو لڑائی جھگڑے ہوں گے۔ میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں اللہ جانتا ہے جنہوں نے طلاقیں دے دیں اور خفیہ طور پر پھر حلالے بھی کر لیے اور دوبارہ نکاح بھی کر لیے اور خاندانوں کو پتہ نہیں چلنے دیا۔ کیا اس بے غیرتی سے بہتر یہ نہیں تھا کہ آپ اپنے غصے کو کنٹرول میں رکھتے اور شریعت کی ہدایت کو نظر انداز نہ کرتے۔ شریعت نے جب کہا کہ ایک طلاق دے دو تو اس سے بھی وہی کام ہو جائے گا جو تین طلاقیں دینے سے ہوتا ہے تم جدائی چاہتے ہو تو جدائی جیسے تین طلاقوں سے ہوتی ہے ایک طلاق سے بھی جدائی ہو جائے گی جب عدت گزر جائے گی تو دونوں کے درمیان جدائی اور قربان جایئے اسلام کی تعلیمات پر اور آج کون ہے جو ان تعلیمات پر عمل کرنے والا ہے؟ کوئی بھی نہیں جو ان پر عمل کرے۔

اسلام کہتا ہے کہ اگر طلاق بھی ہو رہی ہے تو دیکھو اچھے طریقے سے جدائی اختیار کرو حتیٰ کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ طلاق دے دو تو کچھ ہدیہ بھی دے دو کون تصور کرتا ہے ہمارے ہاں تو ایسے طلاق دیں اور دھکا مار کے باہر نکال دیں چلی جاؤ۔ حیاء ہی نہیں ہے، اللہ کے بندے! تیرے ساتھ زندگی کے ۲۵ سال اس نے گزار دیئے، تیرے

بچوں کی ماں ہے، تیرا گھر بسایا اس نے۔ ۲۵ سال تک تیرے گھر کو سنبھالا، خدمت کی اس نے، آج ذرا سی بات پر دھکا مار کر رات کے وقت نکال دیا۔

ایسے ایسے واقعات بھی دیکھیں، بے سہارا خاتون چھوٹے سے بچے کو لے کر روڈ پر کھڑی ہے رات کے وقت شوہر نے گھر سے نکال دیا ہے۔ ڈوب مرنے کا مقام ہے ایسے شوہروں کے لیے۔

ظہار کا مسئلہ

اَللّٰہُ اَکْبَرْ! سورۂ مجادلہ ۲۸ پارہ کی پہلی سورہ کبھی اس کا شان نزول دیکھیے گا۔ شوہر نے بیوی کو کہہ دیا تھا کہ تو میری ماں کی طرح ہے۔ جس کو "ظہار،، کہتے ہیں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرْ اور پھر ان کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ یا رسول اللہ ﷺ! جب تک میں جوان تھی۔ شکل و صورت اچھی تھی تو اس کی محبوبہ بنی ہوئی تھی، آج میں نے اس کے کئی بچے پیدا کر دیئے، وہ رنگ و روپ نہ رہا تو آج مجھے کہتا ہے تو میری ماں کی طرح ہے۔ شکوہ کیا حضور ﷺ سے۔ یا رسول اللہ ﷺ! میرے بچے تباہ ہو جائیں گے۔ فقر و فاقہ کا شکار ہو جائیں گے۔ میرا کیسے گزارہ ہوگا، حضور ﷺ یہی فرماتے رہے طلاق ہو گئی، طلاق ہوگئی، جدائی ہوگئی اس نے ماں کہہ دیا لیکن اللہ نے کہہ دیا:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا

(المجادلة ۱، پارہ ۲۸)

میرے حبیب ظہار سے طلاق نہیں ہوتی اور یہاں عبرت کے لیے، نصیحت کے لیے یہ بات عرض کر رہا ہوں۔ چونکہ اللہ نے فرمایا: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ اللہ نے اس عورت کی بات سن لی میرے حبیب جو آپ سے شکورہ کر رہی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ عورت میرے گھر میں ایک کونے میں بیٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر رہی تھی اور میں نے اس کی بات کو نہیں سنا اور میرے اللہ نے آسمان پر اس کی بات کو سُن لیا۔

تو طلاق کا یہ طریقہ نہیں ہے میرے بھائیو! طلاق کوئی جذباتی عمل نہیں ہے نہ نکاح کوئی جذباتی عمل ہے اسلام تو اس پر بھی کہتا ہے کہ سوچ سمجھ کر رشتہ کرو اور اسلام طلاق کے لیے بھی کہتا ہے کہ سوچ سمجھ کر طلاق دو۔

لیکن اگر آپ نے اسلام کی ہدایات کو نظر انداز کر دیا تو پھر طلاق ہو جائے گی۔ کوئی مفتی حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ آپ کرتے ہیں تو کرتے رہیں اپنے سر پر کوئی گناہ کو لے، مولویوں کے سر پر کیوں ڈالتے ہیں۔ کہ گناہ گار مولوی ہوں آپ کی خاطر حرام کو حلال کر کے بتادے اور آپ کہہ دیں کہ میرے لیے تو جائز ہو گیا۔ کوئی مفتی، کوئی مولوی حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ یہ تو طلاق کی بات تھی۔

خلع کے معنی

تیسرا موضوع جو آج کے اشتہار میں دیا گیا وہ خلع ہے۔ خلع کیا ہے؟ اصل میں تو خلع کا تصور یہ ہے کہ عورت جب بہت تنگ ہو، شوہر کے ساتھ گزارا کرنا مشکل ہو تو وہ یوں کرے کہ شوہر کو کچھ مال کی پیشکش کر دے یا اپنا مہر معاف کرنے کی پیش کش کر دے کہ میں اپنا مہر معاف کرتی ہوں یہاں مجھے یاد آ گیا میں آپ کی دلچسپی کے لیے ویسے ہی سنا دوں مشرقی عورت واقعی مشرقی عورت تھی یا آج بھی ہے اتنی سادہ عورت، اردو زبان کا جو مشہور ادیب ہے احسان دانش اس نے لکھا ہے کہ میری بیوی کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ مہر عورت کا حق ہے یا شوہر کا حق ہے۔ وہ یہ سمجھتی رہی کہ شاید

مہر، شوہر کا حق ہے جو عورت سے لیتا ہے۔ تو ایک دفعہ ہمارے درمیان ان بن ہو گئی تو میں نے کہا کہ اب تمہارے ساتھ گزارا نہیں ہو سکتا۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے نہیں گزارہ ہو سکتا تو میں چلی جاؤں گی لیکن خدا کے واسطے مجھے مہر معاف کر دینا تو کہتا ہے کہ اس کی بات سن کر میری ہنسی چھوٹ گئی اور جو ساری غصے والی فضا تھی وہ بدل گئی۔ تو مشرقی عورت کو یہ بھی پتہ نہیں کہ مہر میرا حق ہے تو اسلام یہ کہتا ہے کہ اگر عورت شوہر کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتی تو اب اسے مہر معاف کر کے یا اس کو کچھ مالی معاوضہ دے کر اس سے طلاق لے لے اور نکاح کے رشتہ کو ختم کروائے، یہ ہے خلع۔

لیکن جان لیں کہ اگر واقعی شوہر کی طرف سے زیادتی ہو رہی ہو تو اس کے لیے مال کا لینا جائز نہیں ہے۔ ہاں عورت کا دینا تو جائز ہو گا لیکن شوہر کے لیے لینا جائز نہیں ہو گا۔ حدیث سے بھی خلع کا تصور ملتا ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ثابت بن قیس کی زوجہ تھیں انہوں نے کہا: یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے جو تمہیں باغ دیا ہوا ہے مہر میں۔ وہ واپس کر سکتی ہو؟ عرض کیا ہاں واپس کر سکتی ہوں لیکن میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے وہ واپس کر دو اور یہ تمہیں طلاق دے دے۔ چنانچہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے جو باغ مہر میں دیا تھا وہ واپس لے لیا اور ان کو طلاق دے دی۔

خلع لینا کس صورت میں جائز ہے؟ جب شوہر واقعی ظالم ہو، حقوق ادا نہ کرتا ہو، خرچہ نہ دیتا ہو، یا ظالمانہ قسم کی پٹائی کرتا ہو اس کی طرف سے اگر واقعی زیادتی ہو رہی ہو تو

عورت خلع لے سکتی ہے عدالت میں جا کر طلاق لے سکتی ہے۔ عدالت شوہر کو بلائے گی دونوں کا موقف سنے گی۔ اور اس کے بعد عدالت شوہر کو حکم دے گی یا تو حقوق ادا کر دیا پھر طلاق دے دو اور اگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہو تو ایسی صورت میں عدالت کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا لیکن آپ نے سنا کہ خلع کے لیے ضروری ہے کہ عدالت دونوں کا موقف سنے۔ دونوں کو بلایا جائے اور شوہر سے یہ بات چیت کی جائے۔

آج کل جو ہو رہا ہے وہ خلع کے نام پر ڈرامہ ہو رہا ہے بعض اوقات شوہر کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ بیوی نے میرے خلاف عدالت میں داخواست دی ہوئی ہے آج ہمارے وکیل بھائیوں کو حکومت کے ظلم و ستم کا بڑا شکوہ ہے جلوس نکالتے ہیں لیکن کبھی یہ بھی تو سوچیں کہ کہیں ایسا تو نہیں یہ سارا ظلم و ستم اور لاٹھی چارج، جیل کی کال کوٹھریاں خود ان کی زیادتیوں کا نتیجہ ہیں۔ ہمارے وکیل بھائی سب کچھ کرنے کے لیے تیار، مظلوم کو ظالم ثابت کرنے کے لیے تیار اور ظالم کو مظلوم ثابت کرنے کے لیے تیار۔ بس ان کی فیس دے دیجئے کہ خلع لینا چاہتی ہیں شوہر سے جان چھڑانا چاہتی ہے اور جان بھی کس لیے؟ صرف اس لیے کہ اسے کوئی دوسرا آوارہ لڑکا پسند آ گیا وہاں نکاح کرنا چاہتی ہے وگرنہ شوہر کی طرف سے کوئی شکایت نہیں شریف انسان ہے، حقوق ادا کرتا ہے لیکن اس کی نظر کہیں اور پڑ گئی کسی دوسری جگہ رشتہ کرنے کے لیے ڈرامہ رچا رہی ہے عدالت میں جا کر اور وکیل نے اس کے لیے سارے مراحل آسان کر دیئے اس نے طریقہ بتا دیا میں تمہیں بتا دیتا ہوں میری فیس دے دو میں تمہیں طلاق دلوا دوں گا۔

یاد رکھئے اس طریقے سے طلاق نہیں ہوتی ہے جب تک شوہر کو بلا کر عدالت اس

کا موقف نہ سنے اور واقعی اس کا ظلم وزیادتی ثابت نہ ہو اس وقت تک نہ خلع جائز ہے نہ عدالت کو اس کا اختیار ہے اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ بہت سی بگڑی ہوئی لڑکیاں اس طریقہ سے خلع لے کر دوسری جگہ نکاح کر لیتی ہیں یہ نکاح نہیں ہوتا زنا ہوتا ہے یہ حرام ہے اس کا کرنا جائز نہیں ہے۔ شریعت نے پورا ایک خلع کا طریقہ بتایا ہے اس کو اختیار کرنا ضروری ہوگا اسلام کے خلع کو بدنام نہ کیجئے اور اسلام کے خلع کے نام پر ڈرامے نہ کیجئے اور جو اسلام کے صحیح احکام ہیں ان کو اختیار کیجئے۔

تو میرے بھائیو میری بہنو! نکاح، طلاق اور خلع اس کے بارے میں جو اسلام کی تعلیمات اور ہدایت تھیں وہ آج کی نشست میں میں نے بیان کرنے کی کوشش کی۔ اللہ پاک ہم سب کو اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے اور ان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

خاندانی منصوبہ بندی اور اسلام

ازافادات

داعیٔ قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق

- خاندانی منصوبہ بندی میں کیا فوائد اور کیا نقصانات پوشیدہ ہیں؟

- کیا خاندانی منصوبہ بندی کی ہر صورت حرام ہے؟ اگر نہیں تو کن شرطوں کے ساتھ جائز ہے؟

- اسقاط حمل اور نس بندی کو اسلام کس نگاہ سے دیکھتا ہے؟ دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی رحمت ہے یا زحمت؟

- مغربی دنیا میں انسانوں کی گھٹتی آبادی اور مسلم دنیا میں انسانوں کی بڑھتی آبادی مستقبل کا کیا نقشہ پیش کرتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾

(سورۂ بنی اسرائیل: ۳۱، پ:۱۵)

میرے بھائیو اور بہنو! قرآن نازل ہونے سے پہلے عربوں میں قتلِ اولاد کی تین صورتوں کا رواج تھا، یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ تین وجوہ سے اپنی اولاد کو قتل کرتے تھے:

۱۔ پہلی وجہ مشرکانہ توہمات تھے، اپنے جھوٹے معبودوں کو خوش کرنے کے لیے ان کے چرنوں پر اپنی اولاد کا خون بہاتے تھے، نذر مانتے تھے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اپنے بیٹے یا بیٹی کو ذبح کروں گا۔

آپ نے سنا ہوگا کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے پریشانی کے زمانے میں منت مانی تھی کہ اگر اللہ نے مجھے دس بیٹے دیئے اور وہ بلوغ کو پہنچ گئے تو ان میں سے ایک کعبہ میں لے جا کر قربان کردوں گا، جب دسویں بیٹے بھی بلوغ کو پہنچ گئے۔ تو عبدالمطلب نے منت پوری کرنے کے لیے قرعہ ڈال کر بیٹے کا انتخاب کیا، قرعہ آنحضرت ﷺ کے ہونے والے والد جناب عبداللہ کے نام نکلا، عبدالمطلب ذبح کرنے کے لیے تیار ہوگئے، ان کا عزم دیکھ کر رشتہ داروں اور دوستوں نے انہیں اس بات پر آمادہ کرلیا کہ کاہن یا عرافہ سے حل معلوم کیا جائے، چنانچہ عبدالمطلب سجاد نامی کاہن سے ملنے یثرب گئے، اس زمانے میں وہ خیبر میں تھے، وہاں پہنچے تو اس قصہ کو سن کر مشورہ دیا کہ تم اپنے بیٹے اور خون بہا کے درمیان بار بار قرعہ ڈالتے رہو اور خون بہا کی مقدار میں اضافہ کرتے جاؤ یہاں تک کہ قرعہ میں خون بہا نکل آئے، انہوں نے ایسا ہی کیا، دس اونٹوں سے شروع ہوکر سو اونٹوں تک پہنچ گئے، اب جاکر بیٹے کی جگہ خون بہا کا قرعہ نکلا، چنانچہ انہوں نے جناب عبداللہ کی جگہ سو اونٹ ذبح کیے۔

مجھے اس سے بحث نہیں کہ جناب عبدالمطلب نے کس کے نام پر بیٹا ذبح کرنے کی نذر مانی تھی، مجھے تو صرف یہ بات ثابت کرنی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اولاد کو ذبح کرنے کی نذر بھی مانی جاتی تھی۔

آپ نے دریائے نیل کے بارے میں بھی سنا ہوگا کہ جب وہ خشک ہوجاتا تھا تو اہلِ مصر کسی دوشیزہ کی قربانی دیا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتا چلا تو انہوں نے سختی سے منع کردیا اور فرمایا کہ اگر وہ اللہ کے حکم سے بہتا ہے تو بہت اچھا ورنہ ہمیں

اس کی روانی کی ضرورت نہیں۔ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ عام طور پر تین عوامل کی بناء پر اس قبیح حرکت کا ارتکاب کرتے تھے:

(۱) احترام انسانیت کا فقدان

(۲) جھوٹی غیرت

(۳) فقر و فاقہ اور معاشی بدحالی کا خوف

اب آیئے! ان تینوں پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں۔

احترام انسانیت کا فقدان

اصل بات یہ تھی کہ مشرکوں کی نظر میں سورج، چاند، ستارے، سمندر، دریا اور مٹی پتھر سے بنی ہوئی مورتیاں قابلِ احترام تھیں، مگر انسان محترم نہیں تھا، چنانچہ انسان کو سب کے سامنے جھکنے پر مجبور بھی کیا جاتا تھا اور نذر و نیاز کے طور پر اسے ذبح بھی کیا جاتا تھا، قرآن کا عالمِ انسان پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے بتایا کہ اس کائنات میں خالقِ کائنات کے بعد اگر کوئی مخلوق قابلِ احترام ہے تو وہ صرف انسان ہے، کیا سورج اور کیا چاند، کیا زمین اور کیا آسمان، کیا سونا اور کیا چاندی۔ سب چیزیں انسان کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہیں مگر انسان کو صرف اللہ کی عبادت اور خلافت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ فرشتوں جیسی نورانی مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انسان کی خدمت میں مصروف ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کو پیدا کیا تو فرشتوں کو اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دے کر ثابت کر دیا کہ سب سے محترم مخلوق انسان ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ واقعی انسان ہو۔

انسان کے مکرم ومحترم ہونے کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں یوں کیا گیا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿٧٠﴾

(سورۃ بنی اسرائیل: ۷۰ پارہ ۱۵)

یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزی دی اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔

سورۃ التین میں باری تعالیٰ نے انسان کی خوبصورتی کو بیان کرنے کے لیے چار قسمیں کھائی ہیں، چار قسمیں کھانا انسان کو محترم ثابت نہیں کرتا تو اور کیا ثابت کرتا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴿١﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿٢﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿٣﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿٤﴾

(سورۃ التین: ۱ تا ۴، پ: ۳۰)

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی، یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔

انشاء اللہ! تکریم انسان کے موضوع پر پھر کبھی تفصیلی گفتگو ہوگی، اس وقت تو یہ عرض کر رہا تھا کہ دورِ جاہلیت میں چونکہ انسانیت کا احترام دلوں سے ختم ہو گیا تھا اس لیے انسان کا خون دیویوں اور دیوتاؤں کی خوشنودی کے لیے بہایا جاتا تھا۔

سورۂ انعام، پارہ ۸ آیت ۱۳۷ میں ہے

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ

لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٧﴾

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کی نظر میں ان کے معبودوں نے اپنی اولاد کو قتل کرنا خوش نما بنا رکھا ہے، تاکہ وہ انہیں ہلاکت میں ڈال دیں اور تاکہ ان پر ان کے دین کو مشتبہ کر دیں اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ ایسا کام نہ کرتے تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہے یونہی رہنے دیجیے!

سورۂ انعام ہی کی آیت ۱۴۰ میں ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٤٠﴾

وہ لوگ یقیناً خسارے میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو کسی دلیل کے بغیر محض حماقت سے قتل کر ڈالا اور جو چیزیں اللہ نے انہیں کھانے کی دی تھیں ان کو اللہ پر جھوٹ بول کر حرام کر لیا، بے شک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور وہ کبھی راہ راست پر چلنے والے نہیں ہوئے۔

جھوٹی غیرت

تو زمانۂ جاہلیت میں اولاد کو قتل کرنے کی پہلی وجہ تھی مشرکانہ توہمات، دوسری وجہ تھی جھوٹی غیرت۔

بعض جھوٹی غیرت کی وجہ سے بیٹیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے، وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی بیٹی کسی کے نکاح میں جائے اور کوئی ان کا داماد بنے۔

یہاں یہ بات جان لیں کہ بیٹیوں کو قتل کرنے کا رواج سارے عربوں میں نہیں

تھا۔ ہمارے عوامی خطیب چونکہ ہر ایسی بات اور قصے کو اپنی تقریروں میں ضرور جگہ دیتے ہیں جو ان کے سامعین کو چونکا دے اور جس میں کوئی سسپنس اور تحیر خیزی ہو، اس لیے وہ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کا تذکرہ بھی اس انداز میں کرتے ہیں جیسے کہ یہ رواج سارے ہی عربوں میں تھا۔

میں نے ایک جگہ خطیب صاحب کو اپنے کانوں سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگو! میں کیا بتاؤں عرب میں کیا ہوتا تھا؟ وہاں ابوجہل کی حکومت تھی اور اس نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا کہ بیٹی کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تھا تو ابوجہل کے سپاہی اور خفیہ کارندے پتا چلا لیتے تھے کہ فلاں گھر میں بچی پیدا ہوئی ہے مگر اس کے والدین نے اسے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے، پھر ابوجہل دو چار روز کا الٹی میٹم دیتا تھا اگر پھر بھی حکم کی تعمیل نہ ہوتی تو اس کے کارندے بچی چھین کر خود قتل کر دیتے تھے۔

حالانکہ سارے عربوں پر تو کیا صرف مکہ میں بھی ابوجہل کو کوئی بھی بادشاہ تسلیم نہیں کرتا تھا، وہ قریش کا ایک بڑا سردار تو تھا مگر بادشاہ نہیں تھا، نہ اس کی کوئی پولیس تھی اور نہ ہی اس کا بیٹیوں کے قتل سے کوئی تعلق تھا، یہ قابلِ نفرت اور ظالمانہ رسم چند قبائل تک محدود تھی۔

سورۂ التکویر میں اسی بربریت کی طرف اشارہ ہے:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۞ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۞

(سورۃ التکویر:۸)

اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل

کی گئی؟

سرزمینِ عرب پر اسلام کا سورج طلوع ہونے کے بعد یہ سب ظالمانہ رسمیں دم توڑ گئیں، بیٹوں کو بھی تحفظ ملا اور بیٹیوں کو بھی، کسی کو جرأت نہیں تھی کہ وہ معبودانِ باطلہ کے حضور اولاد کا نذرانہ پیش کر سکے یا جھوٹی غیرت کی خاطر بیٹی کا گلا گھونٹ سکے۔

فقر و فاقہ

قتلِ اولاد کی تیسری وجہ فقر و فاقہ تھی، یہ سوچ کر بیٹیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا کہ ان کا معاشی بوجھ کون برداشت کرے گا، انہیں کون کھلائے پلائے گا، بعض ماں باپ تو واقعی غریب ہوتے تھے اور بعض غریب نہیں ہوتے تھے۔ بس انہیں شیطان ڈراتا تھا کہ گھر میں کھانے والے زیادہ ہو گئے تو تم غریب ہو جاؤ گے۔

آپ غور کریں گے تو آپ کو اپنے گرد و پیش میں بھی ایسے لوگ مل جائیں گے جنہوں نے اتنی دولت جمع کر رکھی ہے کہ اگر وہ سو سال تک ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر کھاتے پیتے رہیں تو ان کی جمع شدہ پونجی ختم نہیں ہو گی مگر پھر بھی وہ یہ سوچ کر دبلے ہوتے جاتے ہیں کہ اگر یونہی خرچے بڑھتے گئے تو ہمارا کیا بنے گا؟ ہماری اولاد کہاں سے کھائے گی؟ وہ بیٹھے بیٹھے حساب کتاب لگاتے ہیں کہ اگر چار بچے مزید ہو گئے تو میٹرنٹی ہوم کا خرچہ اتنا ہو گا، آیا کی تنخواہ اتنی ہو گی، اسکول اور گاڑی کی فیس اتنی ہو گی، بیٹی ہو تو اسے جہیز بھی دینا پڑے گا، بچے بیمار ہوئے تو انہیں ہسپتال بھی لے جانا پڑے گا۔ ان تمام مسائل کا بہترین حل اور غربت سے بچنے کا طریقہ ان کی

نظر میں یہ ہوتا ہے کہ بچے پیدا ہی نہ ہونے دیے جائیں اور اگر پیدا ہو بھی جائیں تو ایک یا دو سے زیادہ بڑھنے نہ دیے جائیں۔

ہزاروں قسم کی مخلوق کو پالنے والا اللہ، دونوں قسم کی ذہنیت رکھنے والے انسانوں سے کہتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ

(سورۃالانعام: ۱۵۱)

اپنی اولاد کو فقر کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور انہیں بھی دیں گے۔

یہ تو فرمایا سورۃ الانعام میں، جبکہ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ

(سورۂبنی اسرائیل: آیت ۳۱)

اپنی اولاد کو فقر کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی روزی دیں گے اور تمہیں بھی دیں گے۔

آپ نے شاید غور نہ کیا ہو کہ سورۂ انعام میں "من املاق" ہے اور سورۂ بنی اسرائیل میں "خشیۃ املاق" ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ جو شخص فی الحال فقیر اور غریب ہے اس کے لیے "من املاق" استعمال ہوگا اور جو فی الحال تو غریب نہ ہو مگر اسے مستقبل میں غربت کا اندیشہ ہو، اس کے لیے 'خشیۃ املاق' استعمال ہوگا، اللہ فرماتے ہیں اگر واقعی غربت ہو تو بھی اولاد کو قتل نہ کرو اور اگر غربت کا اندیشہ ہو تو بھی اولاد کو قتل نہ کرو۔

ایک اور نکتہ بھی ملاحظہ کریں کہ جہاں فی الحال فقر موجود ہے وہاں "نرزقکم"

(تمہیں رزق دیں گے) کو پہلے ذکر کیا اور جہاں مستقبل میں فقر کا اندیشہ ہو وہاں "نرزقهم" (انہیں رزق دیں گے) کو پہلے ذکر کیا اس لیے کہ جب فقر پہلے سے ہے تو اس وقت اپنی معاشی ضروریات کی فکر پہلے سے ہوگی اس لیے تسلی دی گئی کہ ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور تمہاری اولاد کو بھی رزق دیں گے۔

اور جہاں فقر تو نہیں اندیشہ فقر ہو وہاں اپنے بارے میں کوئی زیادہ پریشانی نہیں ہوگی البتہ اولاد کے بارے میں فکر لاحق ہوگی کہ کہیں کثرتِ اولاد کی وجہ سے ہم غریب نہ ہو جائیں تو اطمینان دلایا گیا کہ ایسا نہیں ہوگا، وہ آئیں گے تو اپنا رزق ساتھ لے کر آئیں گے کیونکہ پالنے والے تو ہم ہیں، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اورا ن کی برکت سے تمہیں بھی رزق دیں گے۔

خاندانی منصوبہ بندی کا تحریکی پس منظر

عربوں میں قتل اولاد کی یہ جو تین صورتیں تھیں یہ انفرادی سطح پر تھیں اور یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ اس جرم کا ارتکاب چند قبائل اور افراد تک محدود تھا، یہ بھی یاد رکھیں کہ اس قتل کے خلاف آواز اٹھانے والے بھی بہت تھے، تاریخ کے مطالعہ سے تو پتا چلتا ہے کہ بعض حضرات نے نومولود بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچانا اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا تھا۔

حضرت صعصعہ بن ناجیہ رضی اللہ عنہ ایمان قبول کرنے کے بعد ایک موقع پر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

"میں نے زمانہ جاہلیت میں تین سو ساٹھ بچیوں کی جان بچائی ہے، مشرکین ان کو زندہ درگور کرنا چاہتے تھے مگر میں نے ہر بچی کے عوض دو گابھن اونٹنیاں اور ایک

اونٹ دے کران کی جان بچائی۔ حضور! یہ فرمائیں کہ اس عمل کا مجھے کیا فائدہ ہوگا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا یہ کم فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی تو نے یہ نیکی کا کام کیا تو اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ صلہ دیا۔''

مجھے بتانا یہ تھا کہ اگر کسی قبیلے کے کچھ لوگ اس جرم کا ارتکاب کرتے تھے تو ایسوں کی بھی کمی نہیں تھی جو اسے نہ صرف بہت برا عمل سمجھتے تھے بلکہ اس کی روک تھام کی عملی کوشش بھی کرتے تھے۔

کثرتِ اولاد کے خلاف منظم انداز میں اٹھارہویں صدی عیسوی میں آواز اٹھائی گئی اور یہی آواز آگے چل کر باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں ایک مشہور ماہر معاشیات ''مالتھوس'' نام کا گزرا ہے، یہ وہ وقت تھا جب خوشحالی کی وجہ سے انگلستان کی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا، اس نے حساب لگا کر بتایا کہ زمین پر قابلِ سکونت جگہ بھی محدود ہے اور معیشت کے وسائل بھی محدود ہیں، اگر نسل کی افزائش غیر محدود ہوگی تو جگہ بھی کم پڑ جائے گی اور معاشی وسائل بھی ساتھ نہیں دے سکیں گے، لہٰذا خوشحالی کی سطح برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ آبادی کو کنٹرول کیا جائے۔

مالتھوس کے بعد آنے والے فلسفی بھی اسی کا راگ الاپتے اور اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ ۱۸۹۸ء میں برٹش ایسوسی ایشن کے صدر نے خطرے کا الارم بجا دیا، اس نے کہا دنیا گندم کی قلت سے دوچار ہونے والی ہے، موجودہ وسائل تیس سال سے زیادہ نہیں چل سکیں گے۔ اگر آبادی میں یونہی اضافہ ہوتا رہا تو انسان بھوک سے مرنے لگیں گے، ماہرین معیشت نے کیلکولیٹ کر کے بتایا کہ ۱۸۹۸ء

میں انگلستان کی آبادی ۳۸ ملین ہے تو سو سال بعد کم از کم سو ملین ہو جائے گی جبکہ وسائل اتنے ہی رہیں گے جتنے آج ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگ ایک ایک لقمے کو ترسیں گے۔

اپنے من گھڑت اعداد و شمار کی بنیاد پر انہوں نے لوگوں کو اتنا ڈرایا کہ وہ ان کے بہکاوے میں آگئے اور ضبطِ ولادت کا جو عمل پہلے عذر کی بناء پر یا جہالت کی وجہ سے انفرادی طور پر کیا جاتا تھا اب اجتماعی طور پر کیا جانے لگا اور اسے ایک منظم تحریک کی شکل دے دی گئی۔

بدگمانی اور جہالت

یہ ماہرین اپنی جہالت کی وجہ سے یہ نہ جان سکے کہ خالقِ کائنات نے زمین اور سمندر کے سینے میں رزق کے اتنے خزانے چھپا رکھے ہیں کہ وہ قیامت تک ختم نہیں ہو سکتے:

پٹرول، گیس، تیل اور معدنیات کے خزانے زمین میں ہیں......

گندم، مکئی، باجرا، آٹے اور روٹی کے خزانے زمین میں ہیں......

روئی، کپاس، کپڑے اور ریشم کے خزانے زمین میں ہیں......

آم، کینو، مالٹے، تربوز، خربوزہ، سیب اور انار جیسے پھلوں کے خزانے زمین میں ہیں......

دودھ، مکھن اور پنیر کے خزانے زمین میں ہیں......

آپ کو شاید تعجب ہو رہا ہو کہ یہ میں کیا کہہ رہا ہوں کہ دودھ اور مکھن کے خزانے بھی زمین میں ہیں......لیکن اگر آپ میری بات پر غور کریں گے تو آپ کا تعجب ختم

ہو جائے گا۔

ہم زمین میں بیج ڈالتے ہیں، وہی بیج ایک ایک پودے پر سات ساتھ بالیاں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، انہی بالیوں سے گندم حاصل ہوتی ہے، اسی گندم سے روٹی بنتی ہے، اسی گندم سے ڈبل روٹی اور بیکری کی دوسری چیزیں بنتی ہیں۔

ہم زمین میں بیج ڈالتے ہیں، وہ بیج چارے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، وہی چارہ حیوان کھاتا ہے، اس کے تھنوں سے صاف شفاف دودھ برآمد ہوتا ہے، اس دودھ سے مکھن اور پنیر حاصل ہوتا ہے، حیرت کی بات ہے کہ وہ چارہ ویسے کھائیں تو اس میں کوئی چکنائی نہیں لیکن جب وہی چارہ دودھ اور پھر مکھن اور پنیر کی شکل میں آتا ہے تو اس میں بے پناہ چکنائی ہوتی ہے۔

ہم زمین میں بیج ڈالتے ہیں، وہ بیج کپاس کا پودا بنتا ہے جس سے روئی حاصل ہوتی ہے وہی روئی لباس کی شکل میں جسم کو زینت بخشتی ہے۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اللہ نے زمین میں بیکری کی بے شمار مصنوعات، دودھ، مکھن کے خزانے اور لباس کے ختم نہ ہونے والے انبار چھپا رکھے ہیں۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سخت بدگمانی رکھتے ہیں جن کا خیال ہے کہ اللہ کھانے والے تو بے شمار پیدا کرتا ہے مگر کھانا کم پیدا کرتا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے گھر میں کھانے کے لیے ایک ہزار افراد کو بلالے مگر انتظام صرف سو بندوں کا کرے۔

آپ خود سوچیے! آنے والے مہمان اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟

میرا اللہ ایسا نہیں کرتا اور ایسا کر بھی نہیں سکتا کہ کھانے والے تو پیدا کرتا جائے مگر کھانا پیدا نہ کرے، جو دانشور ایسا سوچتے ہیں ان پر سورۂ آلِ عمران کی یہ آیت

صادق آتی ہے:

طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ

(سورۃ آل عمران: ۱۵۴)

ترجمہ: ''ایک گروہ ایسا ہے جنہیں اپنی ذات کی فکر نے پریشان کر رکھا ہے، وہ اللہ کے بارے میں ناحق بڑی جاہلانہ بدگمانیاں رکھتے ہیں۔''

قدرت کا انتظام

میرے اور آپ کے اللہ کے پاس ہر چیز کے بے پناہ خزانے ہیں مگر وہ سارے خزانے یکا یک نازل نہیں کرتا کیونکہ انسان کے پاس اسٹور اور جمع کرنے کی جگہ نہیں کہ وہ ان چیزوں کو ان میں جمع کر سکے۔

سورۂ حجر میں ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾

(سورۂ حجر: ۲۱)

ترجمہ: ''اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو مقرر انداز سے اتارتے ہیں۔''

اور سورۂ القمر میں ہے:

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾

(سورۃ قمر: ۴۹)

ترجمہ: ''ہم نے ہر چیز کو انداز سے پیدا کیا ہے۔''

آپ سمندروں، جنگلوں، پہاڑوں اور زمین کے نیچے اور اوپر رہنے والی دوسری مخلوق کو دیکھیں جس کی تعداد انسان سے کہیں زیادہ ہے اور ان میں سے بعض کی خوراک سو سو بندوں کے برابر ہے، ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی خوراک اسٹاک بھی نہیں کر سکتے، مچھلیاں اپنے مسکن سے، درندے اپنی غاروں سے، پرندے اپنے گھونسلوں سے اور حشرات اپنی بلوں سے روزانہ نکلتے ہیں اور پیٹ بھر کر واپس آ جاتے ہیں، قدرت نے ان کے لیے ایسا دستر خوان بچھا رکھا ہے جو ہر کسی کو نظر نہیں آتا، اسی دستر خوان سے وہ اپنا اپنا حصہ وصول کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

اللہ سوال کرتے ہیں کوئی ہے ان حیوانوں، چوپاؤں، کیڑوں مکوڑوں، پرندوں، درندوں، مچھلیوں اور دوسری بے شمار مخلوق کو روزی دینے والا؟ یقیناً اللہ کے سوا کوئی نہیں!

سورۂ العنکبوت میں ہے:

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ دَآبَّةٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَهَا ۖ اللّٰهُ يَرۡزُقُهَا وَاِيَّاكُمۡ ۖ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝٦٠

(سورۂ عنکبوت: ٦٠)

ترجمہ: اور کتنے ہی ایسے چوپائے ہیں جو اپنی روزی اٹھا نہیں سکتے، اللہ انہیں بھی روزی دیتا ہے اور تمہیں بھی دیتا ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

مالتھوس جیسے ماہرین جنہوں نے اعداد و شمار کے گورکھ دھندے سے پوری دنیا

کو خوفزدہ کررکھا ہے وہ بتائیں......

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ابھی تک دنیا کی اسّی فیصد قابل کاشت زمین میں سے صرف دس یا پندرہ فیصد زمین کاشت ہوسکی ہے، ستر، پینسٹھ فیصد زمین اس انتظار میں ہے کہ انسان آئے اور اس کا سینہ چیر کر اپنے حصے کی روزی حاصل کرلے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ چند سال پہلے سال میں ایک فصل حاصل ہوتی تھی جبکہ آج کل بعض جگہ چار چار فصلیں حاصل کی جارہی ہیں۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ جس کھیت سے کل تک بمشکل دس بیس من اناج حاصل ہوتا تھا آج اسی کھیت سے زراعت کے جدید طریقوں کی بدولت پچاس بلکہ سو من اناج حاصل کیا جارہا ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں ہر سال سینکڑوں من گندم زائد پیداوار کی وجہ سے سمندر بُرد کردی جاتی ہے؟

مستقبل کی ہولناک تصویریں کھینچنے والے بتائیں! کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج کے انسان کو جو سہولیات اور خورد و نوش کی فراوانی حاصل ہے اس کے آباؤ اجداد کو حاصل نہیں تھی؟

لاکھوں گھرانے ایسے ہیں جن کے باپ دادا چٹنی اور اچار سے گزارہ کرتے تھے آج وہ برگر، تکّے، کباب اور نہ معلوم کیا کیا الا بلا کھاتے ہیں، پھر بھی اتنا بچ جاتا ہے کہ جمعدار تھیلے بھر بھر کرلے جاتے ہیں۔

باپ دادا پورا سال ایک دو جوڑوں میں گزار دیتے تھے، ان کی اولاد کے پاس اتنے جوڑے ہوتے ہیں کہ شمار نہیں کرسکتے۔

باپ دادا میلوں پیدل سفر کرتے تھے، گدھے اور گھوڑے کا کرایہ دینے کے لیے بھی ان کی جیب میں چند آنے نہیں ہوتے تھے جبکہ اولاد کا حال یہ ہے کہ ان کے گیراج میں کئی کئی گاڑیاں کھڑی رہتی ہیں، ملتان اور لاہور تک جانا ہو تو ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں۔

باپ دادا، دوا دارو کے لیے دیسی جڑی بوٹیوں اور ٹونے ٹوٹکوں پر انحصار کرتے تھے جبکہ ان کی اولاد مہنگے ترین ہسپتالوں کا رُخ کرتی ہے، ضرورت پڑے تو علاج کے لیے بیرون ملک بھی چلے جاتے ہیں۔

باپ دادا جھگیوں میں رہتے تھے جبکہ اولاد، دو اور چار چار ہزار گز کے بنگلے میں رہتی ہے۔

صاف نظر آرہا ہے کہ ہمارا خالق اور رازق اگر مخلوق میں اضافہ کر رہا ہے تو ساتھ ساتھ وسائل میں بھی اضافہ کر رہا ہے، وہ جانتا ہے نئے دور کا انسان کمزور ہے، زیادہ مشقت اور تکلیف برداشت نہیں کرسکتا اس لیے وہ نئی نئی ایجادات اور سہولیات کے لیے انسان کے ذہن کی بند گرہیں کھولتا جاتا ہے۔

یہ سب کون کر رہا ہے؟

یہ بھی جان لیں! کہ آبادی کو کنٹرول کرنے اور ایک حد میں رکھنے کا باری تعالیٰ کا اپنا انتظام ہے اور وہ ایسا انتظام ہے کہ اس میں کوئی خلل نہیں، وہ انتظام مسلسل کارفرما ہے۔

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ایک مرد کے نطفے میں تیس چالیس کروڑ جرثومے ہوتے ہیں، ان میں سے ہر جرثومہ بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے گویا ایک

وقت میں ایک مرد سے جو مادہ خارج ہوتا ہے اس سے تیس چالیس کروڑ بچے پیدا ہوسکتے ہیں مگر تیس کروڑ تو کیا آپ نے کبھی صرف تیس بچے پیدا ہونے کی بھی خبر سنی ہے؟

وہ کون ہے جو انتالیس کروڑ، ننانوے لاکھ، ننانوے ہزار، نوسوننانوے جرثومے ہلاک کردیتا ہے اور صرف ایک جرثومے کو نشو ونما کے مراحل سے گزارنے اور اپنا کردار ادا کرنے کے لیے دنیا میں آنے کی اجازت دیتا ہے؟

مجھے بتایئے! وہ کون سا محکمہ ہے جو کروڑوں جرثوموں کی ہلاکت کا انتظام کرتا ہے؟

اللہ کے سوا کوئی ہے تو بتایئے! اس کا نام؟

اگر اللہ ان زائد جرثوموں کی ہلاکت کا فیصلہ نہ فرماتا اور صرف ایک مرد ہی کے مادے سے سال بھر تک بچے پیدا ہوتے رہتے تو اس کی اولاد دنیا کی موجودہ آبادی سے کئی گناہ زیادہ ہوتی۔

پھر ایسا بھی تو ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک مرد کے مادہ میں دو چار بچوں سے زیادہ بچوں کی تخلیق کی صلاحیت نہ رکھتا، کروڑوں جرثومے رکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی، کہیں ایسا وہ اس لیے تو نہیں کرتا تا کہ انسان اس سارے نظام پر غور وفکر کرے اور پھر بے ساختہ پکار اٹھے:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

(سورۃ المؤمنون:۱۴)

ترجمہ: برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔

ایک اور مثال سنیے! سمندر میں اسٹار نام کی ایک مچھلی پائی جاتی ہے جو ایک وقت میں بیس لاکھ انڈے دیتی ہے، اگر اس کے سارے انڈوں سے بچے نکل آئیں تو اس کی تیسری یا چوتھی نسل سے اتنی مچھلیاں پیدا ہو جائیں کہ سارے سمندر اسٹار مچھلی سے بھر جائیں، ان میں کسی دوسری مخلوق کے لیے تو کیا پانی کے لیے بھی جگہ باقی نہ رہے، وہ کون ہے جو اس کے چند انڈوں کو بارآور کرتا ہے اور باقی کروڑوں انڈوں کو تلف کر دیتا ہے؟

یقین جانیں! یہ کام میرے اللہ کے سوا کوئی نہیں کرتا، جو جانتا ہے کہ سمندر میں کون سی مخلوق کتنی تعداد میں ہونا ضروری ہے۔

نسلِ انسانی کی افزائش کے حوالے سے پریشان ہونے والے مجھے بتائیں کہ کون ہے جو چڑیوں، کبوتروں، کوؤں، شیروں، چیتوں، گدھوں، گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد ایک حد تک محدود رکھے ہوئے ہے؟

ایک سچا مومن یہی جواب دے گا کہ ضبطِ نسل کا یہ کام اللہ کے سوا کوئی نہیں کر رہا۔

افزائش نسل کے جو معیار آپ نے مقرر کر رکھے ہیں ان کے مطابق تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ہر طرف گھوڑوں کے ریوڑ آوارہ پھر رہے ہوتے، ان کی کوئی قیمت ہی نہ ہوتی، اس لیے کہ آج سے صرف سو سال پہلے گھوڑے کا استعمال بہت زیادہ تھا، جنگ میں، پیغام رسانی میں، ڈاک کی تقسیم میں، دور اور قریب کے سفر میں ہر جگہ گھوڑا استعمال ہو رہا تھا، حمل و نقل کے جدید اور تیز ترین وسائل کی ایجاد کے بعد گھوڑے بیکار ہو گئے، سوائے اس کے کہ ریس میں دوڑتے ہیں یا پسماندہ علاقوں میں تانگے اور یکے میں انہیں استعمال کیا جاتا ہے۔

کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ جب انسانوں کو ان کی ضرورت زیادہ تھی تو پیدا بھی زیادہ ہو رہے تھے اور جب ضرورت کم ہوگئی تو پیدا کرنے والے نے شرحِ پیدائش بھی کم کر دی؟ یقین کریں ایمانی عقل سے سوچنے والوں کی رائے یہی ہے۔

جواز کی صورتیں

بھائیو اور بہنو! زیادہ بچے پیدا کرنا کوئی فرض اور واجب نہیں بلکہ یہ سنت بھی نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ ہم اسے ایک پسندیدہ عمل کہہ سکتے ہیں۔

فرض اور واجب تو کیا ہوگا، بعض صورتوں میں علماء نے ''برتھ کنٹرول'' کی اجازت بھی دی ہے، مثلاً:

اگر عورت کی صحت ولادت کی اجازت نہیں دیتی اور کوئی دیانتدار ڈاکٹر کہہ دے کہ بچے کا پیدا ہونا ماں کی زندگی کے لیے خطرہ ثابت ہوسکتا ہے یا اسے خطرناک بیماری میں مبتلا کر سکتا ہے۔

پہلا بچہ بہت کمزور اور دودھ پیتا ہو، اندیشہ ہو کہ حمل ٹھہر جانے سے اس کی صحت متاثر ہوسکتی ہے۔ ابوداؤد کی ایک حدیث میں خود نبی کریم ﷺ نے اسے ناپسند کیا ہے کہ پہلا بچہ ابھی دودھ پیتا ہو تو دوسرا حمل ٹھہر جائے۔

تعلیم و تربیت کی خاطر...... مثلاً بیوی ایسی ہو جس کے بارے میں تجربہ سے ثابت ہو چکا ہو کہ اس کی گود میں پلنے والی اولاد نافرمان ہی ہوتی ہے یا وہ کتابیہ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اولاد کو بھی اپنے مذہب پر لانے کی کوشش کرے گی۔

کوئی شخص غیر مسلم ملک میں رہتا ہے اور وہاں اس نے محض اپنے آپ کو زنا سے بچانے کے لیے نکاح کیا، چونکہ اس نے واپس اپنے ملک جانا ہے اس لیے وہ بچے

پیدا نہیں کرنا چاہتا۔

کوئی شخص ایسے ملک میں رہتا ہے جہاں ایک یا دو سے زائد بچے پیدا کرنا قانوناً جرم ہے...... تو ان تمام صورتوں میں خاندانی منصوبہ بندی کی مناسب تدبیر پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

سوچ کا فرق

میں عرض کر چکا ہوں کہ زیادہ بچے پیدا کرنا فرض نہیں، اہل علم نے بعض مجبوریوں اور عوارض کی بناء پر فیملی پلاننگ کی اجازت دی ہے، بنیادی فرق ہمارے درمیان اور فیملی پلاننگ کی تحریک چلانے والوں میں نیت اور سوچ کا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اگر عورت زیادہ بچے جنے گی تو نہ ملازمت کر سکے گی نہ سوشل سرگرمیوں میں حصہ لے سکے گی۔

ہم کہتے ہیں کہ کسبِ معاش کی ذمہ داری عورت پر نہیں ہے بلکہ یہ ذمہ داری مرد کی ہے، سورۂ نساء میں ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ

(سورۃ النساء34)

ترجمہ: مرد، عورتوں کے ذمہ دار ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مرد اپنے اموال (ان پر) خرچ کرتے ہیں۔

مجبوری کی حالت میں عورت کو اجازت دی جاسکتی ہے، یونہی اگر پردے کا پورا اہتمام ہو تو عورت تعلیم اور تجارتی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے لیکن عام حالات

میں عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے، مرد باہر کا محاذ سنبھالے اور عورت اندر کا محاذ سنبھالے، اندر کا محاذ سنبھالنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اگر مرد کو سنبھالنا پڑے تو چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔

اسی طرح خاندانی منصوبہ بندی کے پرچارک کہتے ہیں، زیادہ بچے پیدا ہو گئے تو معیار زندگی متاثر ہوگا، نہ اونچے اسکولوں میں بچے داخل ہوسکیں گے، نہ مہنگے ہسپتالوں میں علاج ہو سکے گا، نہ بدلتے فیشن کا ساتھ دیا جا سکے گا، نہ دھوم دھڑ کے سے شادی بیاہ کی تقریبات ہوسکیں گی۔

ہم کہتے ہیں ہمارا مذہب ہمیں سادگی کی تعلیم دیتا ہے، نہ اسراف کی اجازت، نہ دکھاوے کی اجازت، نہ ناک اونچی کرنے کی اجازت، نہ چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانے کی اجازت، جب سادگی کے ساتھ زندگی گذاری جائے گی تو سکون بھی ہوگا اور محدود وسائل میں زیادہ افراد گذارا بھی کرسکیں گے۔

وہ کہتے ہیں، کثرتِ اولاد بڑی شرم کی چیز ہے، لوگ کیا کہیں گے، اتنے بچے پیدا کرلیے یہ تو پوری ٹیم تیار ہوگئی۔

ہم کہتے ہیں مغربی تہذیب کے علمبرداروں نے مسلسل پروپیگنڈا سے اور ”بچے دو ہی اچھے“ کے نعرے لگا لگا کر کثرتِ اولاد کو شرم کی چیز بنا دیا ہے ورنہ اگر اولاد نیک اور صاحبِ علم و عمل ہو تو اس کی زیادتی باعثِ شرم نہیں بلکہ باعثِ فخر ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، آپ سوچیں جن والدین کے دس بیٹے اور بیٹیاں ہوں اور سب حافظ، قاری، عالم، مفتی یا ان میں سے کچھ عالم اور کچھ خدمت کرنے والے ڈاکٹر، مسلمانوں کی ترقی کا جذبہ رکھنے والے سائنسدان اور بنیاد پرست قسم کے مسلمان

انجینئر ہوں......ان والدین کی ہر محفل میں کتنی عزت ہوگی؟ ان کا نام کتنا اونچا ہوگا؟

اور آخرت میں جو عزت ہوگی، اس عزت کا تصور تو ہم دنیا میں کر ہی نہیں سکتے، میرا دل کہتا ہے ایسے والدین جنہوں نے محض سرورِ دو عالم ﷺ کے مشورہ کی تعمیل میں زیادہ بچے جَن کر ان کی اسلام پر تربیت کی ہوگی انہیں آپ اپنے دستِ مبارک سے آبِ کوثر پلائیں گے۔

کثرتِ اولاد کو حضور ﷺ کا مشورہ اس لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ آپ کا مبارک ارشاد ہے جو صحابی رضی اللہ عنہ رسول ﷺ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ:

تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ

ترجمہ: تم محبت کرنے والی اور بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی خواتین سے شادی کرو کیونکہ میں تمام اُمتوں کے سامنے تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے، وہ فرماتے تھے بسا اوقات میں خواہش نہ ہونے کے باوجود صرف اس لیے شادی اور جماع کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی اور اتنی اولاد دے کہ قیامت کے دن نبی کریم ﷺ اس کی وجہ سے انبیاء پر فخر فرما سکیں۔

اور ایک روایت میں تسبیح کے الفاظ ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ایسی اولاد دے جو اللہ کا ذکر اور حمد و ثناء کرنے والی ہو۔

بعض لوگ اس لئے ضبطِ تولید کے مشورے پر عمل کرتے ہیں تا کہ لڑکی کی ولادت سے بچ سکیں، انہیں لڑکی کا باپ بننے پر شرم محسوس ہوتی ہے، حیرت کی بات

یہ ہے کہ یہ شرم انہیں آتی ہے جو حقوقِ نسواں پر اتنے لیکچر دیتے ہیں کہ لگتا ہے کہ ان سے زیادہ بہنوں اور بیٹیوں کے حقوق کا کوئی حامی اور محافظ ہے ہی نہیں، حالانکہ بیٹی یا بیٹیوں کا باپ ہونے پر شرمندگی محسوس ہونا زمانہ جاہلیت کی سوچ ہے۔

دورِ جاہلیت کے باپ کو جب بیٹی کی ولادت کی اطلاع ملتی تھی تو غم و غصے کی وجہ سے اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا تھا، سینے میں اس کا دم گھٹنے لگتا تھا، وہ شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ اس کے گھر بیٹی پیدا ہوگئی ہے، وہ دل ہی دل میں تدبیریں سوچنے لگتا تھا کہ اب کیا کروں؟ کیا ذلت برداشت کر کے اسے زندہ رہنے دوں یا زندہ زمین میں دفن کر دوں۔

بیٹیوں کو صرف کل ہی قتل نہیں کیا جاتا تھا آج بھی قتل کیا جا رہا ہے، میں آپ کو اپنے پڑوسی ملک ہندوستان کے بارے میں بتاتا ہوں جس کے بارے میں عالمی نشریاتی ادارے بی بی سی نے ایک رپوٹ تیار کی ہے۔ اس پروگرام کا عنوان تھا: ''اسے مرنے دو'' (Let Her Die) بی بی سی کی ایک خاتون رپورٹر (Emily Beckenen) نے برطانیہ سے ہندوستان آ کر اس موضوع پر تحقیقات کیں اور رپورٹ تیار کی۔ یہ پروگرام کافی عرصہ قبل ''اسٹار ٹی وی'' پر بھی دکھایا گیا اور شکر ہے کہ بار بار دکھایا جا رہا ہے اس پروگرام میں جو اعداد و شمار فراہم کیے گئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ روزانہ تقریباً تین ہزار حمل ضائع کیے جا رہے ہیں۔ والدین بچے کی جنس معلوم کرتے ہیں اور جب پتہ چلتا ہے کہ بچی پیدا ہونے والی ہے تو حمل ضائع کروا دیا جاتا ہے۔

اگر یہ اعداد و شمار درست ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان میں ہر سال

تقریباً دس لاکھ بیٹیوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔

تامل ناڈو اور راجستھان وغیرہ جیسی ریاستوں میں ایسے بورڈ اور پوسٹر نظر آرہے ہیں جن پر لکھا ہوتا ہے:

پانچ سو روپے خرچ کریں اور پانچ لاکھ روپے بچائیں۔

آپ جانتے ہیں اس جملے کا کیا مطلب ہے؟

اس کا مطلب ہے کہ پیدائش سے قبل ہی بچے کی جنس معلوم کر لیں اگر بچی ہو تو ضائع کروادیں اور یوں بچی کی پرورش اور بعد ازاں جہیز کی صورت میں خرچ ہونے والے لاکھوں روپے بچالیں۔

تامل ناڈو کے سرکاری ہسپتال کی رپورٹ یہ ہے کہ ہر دس میں سے پانچ بیٹیوں کو قتل کیا جا رہا ہے، لہٰذا شاید ہمیں اس بات پر حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ ہندوستان میں عورتوں کی آبادی مردوں سے کم ہے۔ بچیوں کے قتل کا یہ سلسلہ نیا نہیں ہے۔ صدیوں سے یہی کچھ ہو رہا ہے، اگر آپ ہندوستان میں ۱۹۰۱ء میں ہونے والی مردم شماری کے اعداد و شمار کا جائزہ لیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس وقت بھی ہندوستان یں ۱۰۰۰ مردوں کے مقابلے میں ۹۷۲ عورتیں تھیں۔

اس کے بعد ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ تناسب مزید بگڑ چکا ہے کیونکہ ۱۹۸۱ء یں ۱۰۰۰ مردوں کے مقابلے میں ۹۳۴ عورتیں تھیں۔

عورتوں کی آبادی کا تناسب مزید کم ہوتا جا رہا ہے۔ ۱۹۹۱ء کی مردم شماری میں عورتوں کا تناسب ۱۰۰۰ مردوں کے مقابلے میں ۹۲۷ تک جا پہنچا ہے اور سب

سے زیادہ افسوس تو اس بات کا ہے کہ سائنس کی ترقی نے بجائے اس عمل کو روکنے کے اس میں مزید سہولت پیدا کر دی ہے۔

میں کیسے کہوں کہ جاہل مسلمانوں کی بھی یہی سوچ اور یہی رویہ ہوتا ہے، بعض لوگوں کو الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے جب پتا چلتا ہے کہ حمل میں بیٹی ہے تو وہ اسقاط کروا لیتے ہیں، ایسے واقعات بھی اخبار میں پڑھنے کو ملے کہ جب بچی پیدا ہوئی تو ماں باپ اسے ہسپتال ہی میں چھوڑ کر کھسک گئے۔

بعض خواتین فیملی پلاننگ کی تدبیروں پر اس لیے عمل کرتی ہیں تاکہ ان کا حسن اور جوانی تا دیر رہے حالانکہ حکماء اور ڈاکٹروں کی تحقیق اس کے برعکس یہ ہے کہ اعتدال کے ساتھ بچوں کی ولادت اور پھر ان کی رضاعت سے خوبصورتی اور صحت برقرار رہتی ہے اور منعِ حمل کی دوائیں استعمال کرنے سے کسی نہ کسی بیماری کے لاحق ہونے کا بھی اندیشہ رہتا ہے اور چہرے پر جھریاں وغیرہ بھی پڑ جاتی ہیں۔

اگر ولادت کے عمل سے بچنے سے صحت اور حسن برقرار رہتا ہے تو پھر بتائیے کہ بانجھ اور غیر شادی شدہ کنواریاں مختلف قسم کی جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں اور جوڑوں کے درد وغیرہ میں کیوں مبتلا ہو جاتی ہیں اور ان کے چہرے پر وقت سے پہلے ہی خزاں کیوں چھا جاتی ہے۔

خلافِ فطرت

تو میرے بھائیو اور بہنو! برتھ کنٹرول کے حامیوں اور مخالفین کے درمیان اصل فرق نظریے اور مقاصد کا ہے، اگر نیت درست ہو تو بعض اعذار کی وجہ سے وقفہ بھی کیا جاسکتا ہے اور منعِ حمل کی تدبیریں بھی اختیار کی جاسکتی ہیں لیکن اگر نیت ہی غلط ہو تو

سب کچھ غلط ہے۔

آپ نے سن لیا کہ اس تحریک کے حامیوں کے پیشِ نظر جو مقاصد ہیں وہ زیادہ تر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں، اس لیے ہم کسی طور پر بھی اس تحریک کی حمایت نہیں کر سکتے۔

یہ تحریک صرف اسلامی تعلیمات ہی کے خلاف نہیں بلکہ فطرت کے بھی خلاف ہے، یہی وجہ ہے کہ اب یورپ والے بھی اس کے نقصانات محسوس کر رہے ہیں، ان کی پریشانی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا معاشرہ، بوڑھوں کے معاشرے میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے، دنیا میں سب سے زیادہ بوڑھے مغربی ممالک میں پائے جاتے ہیں، دنیا بھر میں سب سے زیادہ بچے غیر مغربی ممالک میں پیدا ہو رہے ہیں۔

مغربی محققین کہتے ہیں کہ آنے والے برسوں میں ہر بیس میں سے انیس بچے ترقی پذیر دنیا میں پیدا ہوں گے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف یورپی نسل کے پانچ نوجوان ہوں گے اور دوسری طرف پچانوے عرب، افریقی، ایشیائی، لاطینی امریکی اور دوسرے افراد ہوں گے۔

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی سے غیر مسلم دانشور خاص طور پر بہت زیادہ پریشان ہیں، کیونکہ مغرب میں مسلمانوں کی تعداد ۲۰ فیصد تک پہنچ گئی ہے، اگر مسلم آبادی یونہی بڑھتی رہی تو غیر مسلم اقلیت میں تبدیل ہو جائیں گے۔

چونکہ ضبطِ تولید کا نظام خلافِ فطرت تھا اس لیے جیسے پہلے اہلِ مغرب آبادی گھٹانے کے لیے فکر مند تھے اب بڑھانے کے لیے فکر مند ہیں، وہ اپنے ملکوں میں ایسی اسکیمیں متعارف کروا رہے ہیں جن کے نتیجے میں ان کے شہریوں کو شادی شدہ

زندگی گذارنے اور بچے پیدا کرنے کی ترغیب ملے۔ فرانس، جرمنی، یونان، سوئزر لینڈ اور سویڈن وغیرہ کئی ملکوں میں یہ تحریک بتدریج زور پکڑتی جارہی ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے نقصانات

فطرت اور اسلامی تعلیمات کے خلاف تحریک ہونے کی وجہ سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ جہاں جہاں یہ تحریک پھیلتی ہے وہاں عملی اور اخلاقی ہر قسم کی خرابیاں بھی عام ہوجاتی ہیں، معاشی ماہرین نے اس تحریک کو اٹھاتے ہوئے اس کے فوائد تو پیش نظر رکھے تھے مگر نقصانات سے چشم پوشی کی تھی، آج اس کے نقصانات کھل کر سامنے آرہے ہیں۔

پہلا نقصان تو یہ ہے کہ زنا اور جنسی جرائم میں اضافہ ہوجاتا ہے، کنڈوم کلچر کا دوسرا معنی ہی زنا کلچر ہے، بدکاری اور پھر اس کے نتیجے میں حمل کے ٹھہر جانے کو بہرحال بڑی ذلت اور بے شرمی کی بات سمجھا جاتا تھا لیکن کنڈوم کلچر نے اس رکاوٹ کو ختم کردیا ہے، اب تو اسکول، کالج کے نصاب میں برتھ کنٹرول کو شامل کیا جارہا ہے، طلبہ اور طالبات کو باقاعدہ تعلیم دی جارہی ہے کہ وہ جنسی عمل کے باوجود کیسے اس کے نتائج سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

دوسرا نقصان جسم اور جان کا ہے، منعِ حمل کے لیے جتنی بھی دوائیں اور آلات ایجاد کیے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی مکمل طور پر ضرر سے محفوظ نہیں ہے بلکہ ان میں سے بعض کا استعمال تو عورت پر کھلم کھلا ظلم ہے۔ مثال کے طور پر ڈالکن شیلڈ نام کا ایک مانع حمل آلہ ہے جو عارضی بانجھ پن پیدا کرتا ہے، اس کی وجہ سے امریکہ میں بہت سی اموات ہوئیں، اسی طرح کے کچھ دوسرے آلات ہیں جن کے بارے میں

ثابت ہو چکا کہ وہ پیچیدگیاں پیدا کرتے ہیں مگر اس کے باوجود ترقی پذیر ممالک میں برآمد کیے جا رہے ہیں۔

منعِ ولادت کے طریقوں میں سے انتہائی خطرناک طریقہ اسقاطِ حمل کا ہے، اس میں عورت کو عام طور پر ویسے ہی تکلیف ہوتی ہے جیسے ولادت کے وقت تکلیف ہوتی ہے، پہلی بار حاملہ ہونے والی لڑکی اگر اسقاط کروائے تو اس کے مستقل بانجھ ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے جبکہ اس وقت کثرت سے اسقاط کروائے جا رہے ہیں کیونکہ محکمہ کی جانب سے اپنے ملازمین کو اسقاط کا ٹارگٹ دیا گیا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے محکمہ میں ایک اہم عہدے پر فائز شخص نے بتایا کہ ہمیں جو پانچ ٹارگٹ دیئے گئے ہیں ان میں سے پہلا اور سب سے اہم ٹارگٹ اسقاط کا ہے، ہمیں بتا دیا گیا ہے کہ تمہاری ترقی کا مدار کثرتِ اسقاط پر ہے، اس نے بتایا کہ جس ہسپتال میں، میں ہوں، ہر ماہ دو سو سے تین سو اسقاط ہوتے ہیں، ملک بھر میں ہیلتھ کنٹرول کے زیر نگرانی چلنے والے ہسپتالوں کے علاوہ گلی کوچوں میں بیٹھے ہوئے عطائیوں اور پھر دوائیوں کے ذریعے ہزاروں اسقاط ہوتے ہیں۔

اسقاط کو رواج دینے والے دن دیہاڑے عورت پر ظلم کر رہے ہیں لیکن حقوق نسواں کی علمبردار کوئی تنظیم نہیں جو اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائے حالانکہ یہ صرف عورت پر ہی ظلم نہیں معاشرے پر بھی ظلم ہے، اس لیے کہ ممکن ہے وہی حمل جسے بے دردی سے ضائع کر دیا گیا، وہ اگر دنیا میں آجاتا تو محدث اور مفسر بنتا، ڈاکٹر اور سائنسدان بنتا، اچھا ادیب اور شاعر بنتا، اپنے والدین کا خدمت گار اور وفادار بنتا، ملک کا اچھا شہری اور محافظ بنتا لیکن ہم نے اس غنچہ کو چٹکنے سے پہلے ہی کچل دیا۔

تیسرا نقصان خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کا یہ ہے کہ شرحِ طلاق میں اضافہ ہوجاتا ہے کیونکہ اگر اولاد بالکل ہی نہ ہو تو پھر تو طلاق دینا بہت ہی آسان ہے، چٹکی بجاتے میں ہوجاتی ہے، اگر اولاد ایک دو بچوں تک محدود ہو پھر بھی طلاق دینے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آتی...... مغرب میں یہی کچھ ہورہا ہے، اول تو نکاح ہی کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، اگر بالفرض نکاح ہوجائے تو حتی الامکان حمل اور ولادت سے احتراز کیا جاتا ہے، جب جوڑے کا دل ایک دوسرے سے بھر جاتا ہے یا کوئی دوسرا اچھا دوست مل جاتا ہے تو اس جوڑے کو جدا جدا راستہ اختیار کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی۔

جہاں بچے زیادہ پیدا کرنے کا رواج ہوگا وہاں شرحِ طلاق کم ہوگی، شوہر طلاق دینے سے پہلے سو بار اپنے معصوم بچوں کو دیکھے گا، اسے رہ رہ کر خیال آئے گا کہ یہ باپ کی شفقت اور ماں کی ممتا سے محروم ہوکر تباہ ہوجائیں گے، ان کی تربیت کے لیے ماں اور باپ دونوں کا ہونا ضروری ہے، کوئی دوسری چیز باپ کو طلاق سے روک سکے یا نہ روک سکے، بچوں کے مستقبل کا خیال اس کی زبان پر ضرور تالا ڈال دے گا۔

یہی کیفیت ماں کی بھی ہوگی، اگر اس کے سینے میں واقعی مشرقی ماں کا دل دھڑکتا ہوگا تو وہ خلع یا طلاق کا مطالبہ کرنے سے پہلے بچوں کے بارے میں ضرور سوچے گی۔

چوتھا نقصان خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک یہ ہے کہ جس سوسائٹی میں اسے قبولیت حاصل ہوگی وہاں بتدریج ذہین، باصلاحیت اور اعلیٰ اخلاق واوصاف کے حامل افراد کم ہوتے جائیں گے اور نچلے درجے کا طبقہ دن بدن زیادہ ہوتا جائے گا،

اس لیے کہ عام طور پر یہ تحریک اونچے طبقے ہی میں قبولیت حاصل کرتی ہے، چنانچہ اونچے طبقے میں شرح پیدائش کم ہوجاتی ہے جبکہ نچلے طبقے کی شرح پیدائش ویسے ہی رہتی ہے جیسے پہلے تھی۔ آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ اگر کسی ذہین قسم کے سائنسدان یا صنعت کار کے آٹھ بچے ہوں اور آٹھوں اپنے والد کی طرح ذہنی اور تخلیقی صلاحیتوں کے مالک ہوں، جب یہ آٹھوں عملی میدان میں قدم رکھیں گے تو ان کی ایجادات اور صنعتوں اور افکار سے ملک وملت کو کتنا فائدہ حاصل ہوگا۔

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ صنعت کار کا بیٹا صنعت کار ہی ہوگا اور مزدور کا بیٹا لازماً مزدور ہی ہوگا، اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے لیکن بالعموم ایسا ہی ہوتا ہے، خاص طور پر ہمارے ماحول میں جہاں غریب کی اولاد کے لیے اعلیٰ تعلیم کرنا اور ترقی کے میدان میں قدم رکھنا انتہائی مشکل ہے۔

پانچواں نقصان تو میں بتا ہی چکا ہوں کہ جس ملک اور قوم میں وسیع پیمانے پر منعِ حمل کی تدبیریں اختیار کی جائیں گی وہاں بوڑھوں کی کثرت ہوجائے گی اور بتدریج نوجوانوں کی تعداد میں خطرناک حد تک کمی ہوجائے گی۔

کیا مستقل طور پر نس بندی کروانا جائز ہے؟

ایک سوال یہ اٹھایا گیا ہے کہ کیا مستقل طور پر نس بندی کروانا جائز ہے؟

تو جان لیجئے کہ آج کل برتھ کنٹرول کے لیے تین طریقے اختیار کیے جاتے ہیں:

پہلا طریقہ نس بندی یا مستقل بانجھ ہوجانے کا ہے کہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہی ختم کردی جائے، تو یہ قطعاً حرام ہے۔

بچے پیدا ہونے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر ان لوگوں سے پوچھیے! جو اولاد سے زندگی بھر محروم رہتے ہیں، کیسا ناشکرا ہے وہ جوڑا جو اس نعمت سے محروم ہونا چاہتا ہے۔

میں نے ایسے واقعات پڑھے اور سنے ہیں کہ جب کسی ماں نے دو بچے پیدا ہونے کے بعد نس بندی کروالی، پھر قضاءِ الٰہی سے وہ دونوں بچے فوت ہوگئے تو ماں زندگی بھر بچے کی حسرت میں تڑپتی رہی اور کہتی رہی اے کاش! میں نے نس بندی نہ کروائی ہوتی۔

تو عام حالات میں نس بندی کروانا تو بالکل حرام ہے، لیکن اگر ولادت کی صورت میں ماں کی جان خطرے میں ہو تو نس بندی کروائی جاسکتی ہے۔

دوسرا طریقہ برتھ کنٹرول کا یہ ہے کہ گولی، ٹیکہ یا کوئی بھی ایسی دوا استعمال کی جائے جس کی وجہ سے حمل نہ ٹھہرے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین عزل کا طریقہ اختیار کرتے تھے...... اس سلسلہ میں عرض کرچکا ہوں کہ اصل چیز نیت ہے اگر نیت درست ہو تو کوئی بھی جائز تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے اور اگر نیت درست نہ ہو تو تدبیر ناجائز ہوگی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عزل سے خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کے جواز پر استدلال کرنا بالکل غلط ہے اس لیے کہ ایک تو ان کی نیت درست ہوتی تھی، دوسرے یہ کہ ان میں سے بعض کا انفرادی عمل تھا اسے تحریک کی صورت کبھی نہیں دی گئی۔

تیسرا طریقہ اسقاطِ حمل کا ہے، اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شرعی اور معقول عذر کے بغیر اسقاط ہو تو ناجائز ہے اگرچہ بچے میں جان نہ پڑی ہو۔ ہاں! اگر عذر ہو تو

جائز ہے، اور اگر جان پڑ گئی ہو تو پھر صرف اضطرار کی حالت میں جائز ہے، اضطرار کا مطلب یہ ہے کہ ولادت کی صورت میں ماں کی جان خطرے میں ہو۔

یہ بھی جان لینا مناسب ہے کہ فقہاء کہتے ہیں کہ ۱۲۰ دن میں بچے میں جان پڑ جاتی ہے۔

معاشی مسائل کا حل

آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے معاشی مسائل، خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کو رواج دینے سے حل نہیں ہوں گے، اس سے تو بے حیائی اور بدکاری ہی میں اضافہ ہوگا جیسا کہ ہو رہا ہے، معاشی مسائل حل کرنے کے لیے ہمیں درجِ ذیل لائحہ عمل اختیار کرنا ہوگا:

① ۔سب سے پہلے تو یہ کرنا ہوگا کہ ہم مصنوعی اور بلند معیار زندگی کی بجائے سادہ طرز زندگی اختیار کریں، ہم کفار کی رسموں، ان کی اداؤں، ان کی بود و باش، ان کے لباس اور ان کی غذاؤں کی بجائے سرور عالم ﷺ کی سیرت اور آپ کے طرز حیات کو اختیار کریں، میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم گاڑیاں چھوڑ کر گدھے گھوڑے کی سواری اختیار کرلیں یا یہ کہ ہم جدید مشینوں کا بائیکاٹ کر دیں، میرا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم دنیا داری میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی روش سے توبہ کرلیں، ہم پارٹیاں اٹینڈ کرنے، ہوٹلوں اور کلبوں میں لاکھوں روپے اڑانے، زیورات اور ملبوسات کا انبار جمع کرنے سے اجتناب کریں، فضول خرچی کی عادت سے توبہ کرلیں، شادی غمی کی رسمیں اپنے آقا ﷺ کی سنت کے مطابق انجام دیں تو ہمارے بہت سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

۲۔ دوسرا کام ہمارے اغنیاء اور سرمایہ دار طبقے کو کرنا ہوگا، وہ یہ کہ اللہ کی دی ہوئی دولت کے بارے میں قارون والی سوچ نہ رکھیں کہ یہ دولت ہماری ذہانت، قوتِ بازو، تجارتی مہارت اور محنت کی پیداوار ہے، لہٰذا یہ صرف ہمارے پاس رہے گی، انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ان کی دولت میں نادار افراد کا بھی حصہ ہے۔

یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کا رزق خوب وسعت کے ساتھ آسمانوں سے اتارا ہے، اس کے باوجود اگر کچھ لوگ بھوک سے مرتے یا خودکشی کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے حصے کی روزی پر دوسرے لوگوں نے قبضہ جما رکھا ہے۔

۳۔ تیسرا کام حکومتی سطح پر کرنے کا ہے وہ یہ کہ ہر محکمے میں ہونے والی لوٹ کھسوٹ کے دروازے اور کھڑکیاں بند کی جائیں، اس لوٹ کھسوٹ اور حرام خوری کے نظام کا بہت بڑا کردار ہے امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بنانے میں۔

یوں تو دوسرے اسلامی ملکوں کا حال بھی قابل رشک نہیں ہے مگر ہم ان کا رونا کیا روئیں ہمارے ملک کا حال یہ ہے کہ جو گروہ بھی برسراقتدار آتا ہے وہ لوٹ کھسوٹ ہی کرتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ وہ بہت جلدی میں ہے اور جلد از جلد ملک اور بیرون ملک اپنے اکاؤنٹ اور تجوریاں بھر کر بھاگنا چاہتا ہے۔ ان کی بلا سے خواہ کوئی بھوکا زہر کھا کر مرے یا ریل کی پٹڑی پر سر رکھ کر مرے۔ آپ خود سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو جتنا نوازا ہے اگر اس کے وسائل منصفانہ انداز میں تقسیم ہوں تو کوئی پاکستانی بھوکا نہیں رہ سکتا ہے۔

۴۔ چوتھا طریقہ ہمیں یہ اختیار کرنا ہوگا کہ قدرتی وسائل پر جدید تحقیقات کی

روشنی میں محنت کرنا ہوگی اور انہیں ضائع ہونے سے بچانا ہوگا، ہماری لاکھوں ایکڑ زمین بیکار پڑی ہے حالانکہ وہ قابل کاشت ہے، اگر اسے کاشت کرلیا جائے اور زراعت کے جدید طریقے اختیار کرلیے جائیں تو نہ صرف یہ کہ ہم اناج میں خودکفیل ہوجائیں گے بلکہ اسے برآمد بھی کرسکتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

میرے بھائیو اور بہنو! ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مجبوری اور عذر کی صورت میں اسلام ضبطِ ولادت کی اجازت دیتا ہے لیکن کسی مجبوری کے بغیر محض مغربی پروپیگنڈا سے متاثر ہوکر، محض عورت کو گھر کی چاردیواری سے نکالنے کے لیے، محض معیارزندگی بلند کرنے کے لیے، محض فقر و فاقہ کے ڈر سے، محض کثرتِ اولاد کے طعنوں کے خوف سے یہ جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں ایسی نیک اولاد عطا کرے جس کی علمی، عملی اور ذہنی صلاحیتوں سے دین کی اشاعت اور ملک اور قوم کی خدمت ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

قتل عمد، قتل خطاء، قصاص و دیت کے شرعی احکام

از افادات

داعی قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق

- قتل اور قتل خطاء میں کیا فرق ہے؟

- حکم قصاص میں کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں؟

- قصاص لینے کا حق کسے حاصل ہے؟

- اسلام میں غیر ملکی سفیروں کو کیا حقوق حاصل ہیں؟

- ریمنڈ ڈیوس کو سفارتی استثناء دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

- ملکوں کے درمیان معاہدات کو اسلام میں کیا حیثیت حاصل ہے؟

- قصاص کب واجب ہوتا ہے؟

- حربی اور ذمی کافر کس کو کہا جاتا ہے؟

- کیا صدر مملکت کو حق حاصل ہے کہ وہ قصاص معاف کر دے؟

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَحۡدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَهٗ ط اما بعد:

فَأَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِصَاصُ فِى الۡقَتۡلٰى ؕ اَلۡحُرُّ بِالۡحُرِّ وَالۡعَبۡدُ بِالۡعَبۡدِ وَالۡاُنۡثٰى بِالۡاُنۡثٰى ؕ فَمَنۡ عُفِىَ لَهٗ مِنۡ اَخِيۡهِ شَىۡءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَاَدَآءٌ اِلَيۡهِ بِاِحۡسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخۡفِيۡفٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَرَحۡمَةٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۷۸﴾

(سورہ البقرۃ ۱۷۸ پارہ ۲)

وَصَدَقَ رَسُوۡلُهُ النَّبِيُّ الۡكَرِيۡمُ

تمہید

"قابلِ احترام خواتین وحضرات! جیسا کہ آپ کو بتایا گیا ہمارے آج کے ماہانہ درسِ قرآن کا موضوع ہے "قتل عمد، قتل خطاء، قصاص اور دیت کے شرعی احکام"

میں اس سلسلے میں پہلی بات یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ اسلامی شریعت کا بنیادی مقصد پانچ مصلحتوں اور پانچ چیزوں کی حفاظت ہے۔

مصالحِ خمسہ

(۱) دین کی حفاظت (۲) ہر شخص کی جان و نفس کی حفاظت (۳) نسل کی حفاظت (۴) عقل کی حفاظت اور (۵) مال کی حفاظت

انہیں مصالحِ خمسہ کہا جاتا ہے۔ پانچ مصلحتیں، پانچ بنیادی چیزیں جن کا تحفظ شریعت کا اصل مقصد ہے اور علماء کہتے ہیں کہ ان چیزوں میں سے بھی سب سے زیادہ اہمیت نفس اور جان کی حفاظت کو حاصل ہے۔ اس لیے کہ نفس اصل ہے اور باقی چیزیں اجزاء اور اوصاف ہیں۔ اگر نفس ہوگا، جان ہوگی کسی کی ذات ہوگی، تو پھر اس کے دین کی بھی حفاظت کی جاسکتی ہے اس کے مال کی بھی، اس کی نسل کی بھی اور اس کی عقل کی بھی حفاظت کی جاسکتی ہے اور اگر جان ہی نہ رہے تو پھر کیا حفاظت ہوگی نسل کی، کیا حفاظت ہوگی عقل کی اور کیا حفاظت ہوگی مال کی اور کیا حفاظت ہوگی دینداری کی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک عمارت ہے، تو ایک ہے عمارت کا بنیادی ڈھانچہ اور دوسری چیزیں ہیں عمارت کے ساتھ جو لوازمات ہیں عمارت کی خوبصورتی کے لیے چیزیں ہیں، یہ کھڑکیاں ہیں، دروازے ہیں، رنگ و روغن ہے، پنکھے ہیں، اے سی ہیں، اور بہت کچھ ہے تو یہ ساری چیزیں، یہ کھڑکیاں یہ دروازے اور یہ رنگ وروغن یہ پھول بوٹے، یہ اسی وقت مقصود ہوں گے جبکہ اصل عمارت باقی ہو اگر اصل عمارت ہی نہیں ہے تو پھر ان چیزوں کا کوئی مصرف باقی نہیں رہے گا۔

بعثت انبیاء کا مقصد

اس برصغیر کے بلکہ شاید پورے عالم اسلام کے صحابہ کرام کے دور کے بعد

پورے عالم اسلام کے سب سے بڑے مفکر اسلام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ بات لکھی ہے فرماتے ہیں کہ:

مِنْ اَعْظَمِ مَقَاصِدِ بَعْثَةِ اَنْبِیَاءَ دَفْعُ الْمَظَالِمِ مِنْ بَیْنِ النَّاسِ

''انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیا میں بھیجنے کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ انسانوں کے درمیان جو مظالم اور زیادتیاں ہوتی ہیں ان کا سدباب کیا جائے۔''

وَالْمَظَالِمُ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَقْسَامٍ

اور فرماتے ہیں کہ ''انسانوں کے درمیان جو مظالم ہوتے ہیں وہ تین قسم کے ہیں''

تَعَدِّی عَلٰی نَفْسٍ وَتَعَدِّی عَلٰی اَعْضَاءٍ وَتَعَدِّی عَلٰی مَالٍ

''یا تو کسی کی جان پر زیادتی ہوتی ہے یا کسی کے اعضاء پر زیادتی ہوتی ہے یا کسی کے مال پر زیادتی ہوتی ہے۔''

اور آخر میں لکھتے ہیں:

سب سے بڑا ظلم قتل ہے

فَاَعْظَمُ الْمَظَالِمِ الْقَتْلُ

''مظالم میں سب سے بڑا ظلم وہ قتل ہے۔''

وَھُوَ اَکْبَرُ الْکَبَائِرِ

اور یہ کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے انسان کی جان کی حفاظت بھی ہے اور یہ ایسا مقصد ہے کہ ساری ملتیں اس پر متفق ہیں، جان کو کیا اہمیت حاصل ہے؟ آپ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ

مشہور مفسر قرآن ہیں اور حنفی علماء میں سے ان کو بڑا مقام حاصل ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

ارادۂ قتل سے حملہ کرنے والے کا خون مباح ہے

"کسی انسان کا قتل تو بہت بڑا گناہ ہے اور قتل کے بدلے میں قاتل کو قتل کیا جاتا ہے اگر کسی کا قتل کرنے کا ارادہ ہو اور ثابت ہو جائے کہ واقعی اس کا قتل کرنے کا ارادہ ہے تو ارادہ قتل کی وجہ سے بھی اس ارادہ کرنے والے کا خون مباح ہو جاتا ہے، جائز ہو جاتا ہے جس نے قتل کرنے کا عزم مصمم کیا ہوا ہے۔"

ایک تو ہے وسوسہ کی حد تک کسی کے دل میں خیال آنا وہ الگ چیز ہے، ظاہر ہے کہ وسوسہ پر کوئی مواخذہ نہیں ہے لیکن اگر قرائن سے، آثار سے، اس کی حرکات سے، اس کے اعمال سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ کسی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا تو ارادہ کی وجہ سے بھی اس کی جان، اس کا خون مباح ہو جاتا ہے۔ انسانی جان کی اسی اہمیت کی وجہ سے خود اللہ پاک نے قرآن کریم میں فرمایا:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

"ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا تھا یہ حکم فرض کر دیا تھا"

اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ

(سورۂ مائدہ: ۳۲)

"کہ جس شخص نے کسی نفس کو بغیر کسی قصاص کے قتل کیا تو ایسے ہے جیسا کہ اس نے سارے انسانوں کو قتل کیا۔"

وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ط

(سورۃالمائدہ:۳۲ پارہ ٦)

''اور جو کسی ایک نفس کو زندگی دینے کا سبب بنا، کسی ایک کی جان بچانے کا ذریعہ بنا تو ایسے ہے گویا کہ اس نے سارے انسانوں کو زندہ کیا۔''

انسانی جان کی اہمیت

قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اللہ پاک نے یہاں پر نَفْسًا کے ساتھ مومن ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے کہ جس نے کسی مومن کو قتل کیا تو ایسے ہے جیسے اس نے سارے انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی مومن کی جان بچائی تو ایسے ہے جیسے کہ اس نے سارے انسانوں کی جان بچائی بلکہ یہاں پر اللہ پاک نے مطلقاً نفس انسانی کی، جان کی اہمیت بیان کی ہے کہ ایک نفس کو بچانے والا، ایک جان کو بچانے والا اللہ کے ہاں ایسے ہے جیسے کہ سارے انسانوں کی جان بچانے والا اور ایک جان کے لیے خطرہ بننے والا ایسے ہے جیسا کہ وہ سارے انسانوں کے لیے خطرہ ہو۔

مومن کی جان کی اہمیت

البتہ حدیث میں مومن کے لیے خاص طور پر، مومن کی جان کی خاص طور پر اہمیت بیان کی گئی۔ ایک حدیث میں آتا ہے ہمارے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَزَوَالُ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِغَيْرِ حَقٍّ

''اللہ کے نزدیک کسی ایک مومن کو ناحق قتل کرنا ایسا ہے جیسا کہ پوری دنیا کا ٹل ہو جانا پوری دنیا کا ختم ہو جانا۔''

بلکہ فرمایا کہ ''پوری دنیا کا ختم ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مومن کو ناحق قتل

کرنے کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے۔'' تو اللہ کی نظر میں ایک مومن کی جان کی اہمیت اس قدر کہ اللہ کے نبی ﷺ فرمارہے ہیں کہ پوری دنیا کا ختم ہوجانا اللہ کے نزدیک ایک مومن کو ناحق قتل کرنے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔ اور ایک حدیث میں کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے کعبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے کعبہ! میں تیری حرمت اور عظمت کو خوب جانتا ہوں لیکن ایک مسلمان کے خون کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے۔''

حضور کی آخری خطبے میں وصیت

اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہمارے آقا ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا تھا اور سوال کیا تھا محض استحضار کے لیے بیداری کے لیے، تیقظ کے لیے، کہ کونسا مہینہ ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی عادت یہی تھی کہ جب حضور ﷺ کوئی سوال کرتے اور سوال بالکل بدیہی سا ہوتا، اس کا جواب بالکل واضح ہوتا تو صحابہؓ جان لیتے کہ حضور ﷺ کچھ اور بیان کرنا چاہتے ہیں اس سوال کا جواب نہیں چاہتے تو ایسے موقع پر صحابہ کرامؓ کہہ دیا کرتے تھے اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ پھر پوچھا کہ یہ شہر کون سا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔ پھر پوچھا یہ دن کون سا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ کرام بھی جانتے تھے کہ یہ شہر مکہ ہے، یہ مہینہ ذوالحجہ ہے اور یہ دن حج کا دن ہے، لیکن انہوں نے تینوں سوالوں کے جوابوں میں یہی عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں پھر نبی اکرم ﷺ نے خود ہی ارشاد فرمایا:

''لوگو! جیسے یہ دن حرمت والا ہے، یہ شہر حرمت والا ہے، یہ مہینہ حرمت والا ہے، اسی طریقہ سے اللہ نے آپس میں تمہاری جانیں، تمہاری عزتیں اور تمہارے مال بھی ایک دوسرے پر حرام کیے ہیں،،

اسلام کی نظر میں ذمی کی اہمیت

اور حضور اکرم ﷺ نے صرف مسلمان کے خون کی اہمیت بیان نہیں کی بلکہ آپ نے اسلامی مملکت میں پر امن طریقہ سے رہنے والے کافر اور ذمی کی جان، مال اور عزت کی اہمیت بھی بیان فرمائی ہے اسی طرح کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر و بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً مِنْ اَهْلِ ذِمَّةٍ لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ فَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَصِيرَةِ اَرْبَعِينَ عَامًا۔

''جس مسلمان نے کسی ذمی کو، اسلامی مملکت میں رہنے والے کسی غیر مسلم کو ناحق قتل کیا تو قیامت کے دن اسے جنت تو کیا جنت کی خوشبو بھی نہ ملے گی، حالانکہ جنت کی خوشبو ایسی چیز ہے کہ چالیس سال کی مسافت سے بھی محسوس ہو جاتی ہے۔''

لیکن ایک ذمی کو، اسلامی مملکت میں پر امن طریقہ سے رہنے والے کافر کو قتل کرنے والے مسلمان کو جنت کی خوشبو بھی نہ مل سکے گی۔ اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ ظَلَمَ مُعَاهَدًا اَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ فَاَنَا حَجِيجُهُ

''جو شخص کسی ذمی کو قتل کرے گا، اس پر ظلم کرے گا، یا اس کی طاقت سے زیادہ اسے مکلف کرے گا فرمایا قیامت کے دن اس ذمی کی طرف سے وکیل بن کر،

جھگڑا کرنے والا بن کر میں محمد خود آؤں گا۔ (ﷺ)،،

مقامِ عبرت

آپ اندازہ کیجئے کہ اسلام میں انسانی جان کی کتنی اہمیت ہے، انسانی جان خواہ مسلمان کی ہو یا کافر کی ہو۔ آج ہمارے لیے عبرت کا مقام ہے، شرم کا مقام ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں اور اس روشنیوں والے شہر میں جو تعلیم کے اعتبار سے، ظاہری ترقی کے اعتبار سے، پورے ملک میں سب سے نمایاں نام رکھتا ہے اس میں ہر دن اور ہر رات مسلمان کا خون بلا کسی وجہ کے بہایا جاتا ہے اور سرورِ عالم ﷺ کی وہ حدیث ہم پر صادق آتی ہے کہ:

"ایک وقت آئے گا جب نہ قتل کرنے والے کو پتہ ہوگا کہ میں کیوں قتل کر رہا ہوں اور نہ قتل کئے جانے والے کو پتہ ہوگا کہ مجھے کیوں قتل کیا جا رہا ہے؟ میرا قصور کیا ہے؟"

آج بھی جب ہم یہاں جمع ہیں تو آپ حضرات مجھ سے زیادہ باخبر ہیں کہ کل سے اب تک ۲۰ کے قریب مسلمانوں کو شہید کیا جا چکا ہے اور اب ہم اس قتل و غارت گری کے ایسے عادی ہو گئے کہ ہم خبر سنتے ہیں لیکن ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ہمارے دل پر کوئی خوف اور کوئی کیفیت طاری نہیں ہوتی کہ بڑا حادثہ پیش آ گیا۔ مسلمان کا خون معاذ اللہ جانور کے خون سے بھی سستا ہو گیا اور تعجب کی بات ہے، اور حیرت کی بات ہے کہ کافروں کے ہاتھوں بھی مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے اور خود مسلمان کے ہاتھوں بھی مسلمان کا خون بہایا جا رہا ہے۔ یہ تو ہے اہمیت انسانی جان کی، انسانی خون کی۔

حکمِ قصاص کی حکمتیں

اگر قتل ہو جائے تو پھر کیا کیا جائے گا؟ اس سوال پر اسلام سے پہلے بھی غور کیا

گیا اور قتل کے مجرم کے لیے سزائیں جاری کی گئیں اور اسلام نے بھی قاتل کے لیے مختلف سزاؤں کا اجراء کیا۔ اسلام سے پہلے مختلف سزائیں تھیں قاتل کے لیے مثال کے طور پر یہودی قاتل کو قصاص میں قتل کرتے تھے۔ نصاریٰ کے ہاں عیسائیوں کے یہاں دیت کا رواج تھا خون بہا لیا جاتا، مالی تاوان لیا جاتا اور عرب انتقام کے قائل تھے وہ انتقام لیتے تھے اگرچہ وہ اپنے انتقام کو قصاص کا نام دیتے تھے لیکن وہ قصاص، وہ انتقام کسی قاعدہ، قانون کا پابند نہیں تھا چنانچہ بعض اوقات مقتول کے بدلے میں قاتل کو نہیں، غیر قاتل کو قتل کر دیا جاتا اور بعض اوقات ایک کے بدلے میں دو بلکہ دس قتل کر دیئے جاتے، عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کر دیا جاتا، غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل کر دیا جاتا۔ عام فرد کے بدلے میں قبیلہ کے رئیس سردار کو قتل کر دیا جاتا اور بنیادی فکر اس میں یہ تھی کہ ان کے ہاں ہر قبیلہ کا خون برابر نہیں تھا بلکہ بعض قبائل اپنی عظمت اور برتری کے گھمنڈ میں مبتلا تھے۔ چنانچہ وہ اپنا حق سمجھتے تھے کہ اگر ہمارے ایک فرد کو قتل کیا گیا تو ہم اس کے بدلے میں دو افراد قتل کریں گے یا دس افراد کو قتل کریں گے، ہمارے عام فرد کو قتل کیا گیا تو ہم دوسرے قبیلہ کے رئیس کو قتل کریں گے ہماری عورت کو قتل کیا گیا تو ہم اس کے بدلے میں دوسرے قبیلہ کے مرد کو قتل کریں گے اور اگر ہمارے غلام کو قتل کیا گیا تو ہم دوسرے قبیلہ کے آزاد کو قتل کریں گے تو یہ ان کے ہاں تصور تھا اپنے خون، اپنے قبیلہ اور اپنی نسل کی عظمت کا، اس گھمنڈ میں مبتلا تھے اپنا وہ حق سمجھتے تھے۔ اگر آپ غور کریں تو آج بھی بعض اقوام اس گھمنڈ میں مبتلا ہیں وہ اپنے خون کو برتر سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلہ میں مسلمان کے خون کو کمتر سمجھتی ہیں۔ ان کی نظر میں ایک امریکی کا خون، ایک برطانوی

کا خون زیادہ قیمت رکھتا ہے ایک ہندوستانی، پاکستانی، افغانی اور عراقی کے خون کے مقابلہ میں۔ وہ اپنا حق یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہمارے چند افراد کو قتل کیا جائے تو ہم پورے کے پورے ملک اور پورے شہر کو پوری بستی کو ملیا میٹ کر سکتے ہیں۔ یہ وہ اپنا حق سمجھتے ہیں جس پر عمل ہو رہا ہے اور یہ جو انتقام کی روایت ہے قصاص کو ترک کر دینے کی وجہ سے ہے۔ آج پاکستان کے قبائلی علاقوں میں بھی یہی روایت چلی آ رہی ہے۔ چونکہ قصاص نہیں ہے تو انتقام لیتے ہیں اور انتقام میں پھر بسا اوقات ایک قتل نہیں ہوتا بلکہ کئی قتل ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ پاک نے فرمایا تھا کہ:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ

(البقرۃ آیت ۱۷۹، پارہ ۲)

''تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔''

ایک تو اسلام نے سارے انسانوں کے خون کو برابر قرار دیا۔ عربی اور عجمی، قریشی اور اموی، گورا اور کالا، چھوٹا اور بڑا، امیر اور غریب، مرد اور عورت، ان سب کے خون کو اسلام نے برابر قرار دیا اور دوسرا اسلام نے قصاص کو فرض کیا اور بتایا کہ قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے۔ قصاص میں کیسے زندگی ہے؟

سب سے پہلے تو خود قاتل کو زندگی ملے گی اس لیے کہ جب قاتل کو پتہ ہے کہ میں نے اگر کسی کو قتل کیا تو اس کے بدلے میں مجھے بھی قتل کیا جائے گا تو وہ قتل سے باز آ جائے گا تو خود اس کو زندگی ملے گی اور پھر وہ جسے قتل کرنا چاہتا تھا اسے زندگی ملے گی ان سب کو زندگی ملے گی۔ تو اسلام نے بتایا کہ قصاص میں زندگی ہے۔ قاتل کو بھی زندگی، مقتول کو بھی زندگی، اس کے حامیوں کو بھی زندگی، لیکن چونکہ جن کا کوئی فرد قتل ہو جائے ان لوگوں کے دل میں ایک غیض وغضب ہوتا ہے اور وہ انتقام لینا چاہتے

ہیں اس دل کے غیض وغضب کو، دل میں انتقام کی بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرنا ضروری ہے تو اسلام نے اس کے لیے قصاص کو فرض کیا تا کہ مقتول کے وارثوں کے دل میں انتقام کی جو آگ جل رہی ہے اس کو ٹھنڈا کیا جا سکے۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں اپنی نظروں سے کہ قتال کو ترک کرنے کی وجہ سے، قصاص کو ترک کرنے کی وجہ سے، قصاص کا قانون نافذ نہ ہونے کی وجہ سے، عدالتوں میں انصاف نہ ملنے کی وجہ سے، صرف ایک فرد قتل نہیں ہوتا کئی کئی افراد قتل ہو جاتے ہیں۔ سندھ میں، پنجاب میں، سرحد میں، بلوچستان میں جو دیہاتی علاقے ہیں اس میں قتل در قتل کا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور ایسی خبریں ہم آئے دن پڑھتے ہیں کہ کسی کا کوئی ایک فرد قتل کیا گیا اس نے اس کے بدلے میں دوسرے خاندان کے نہ صرف مردوں کو بلکہ بچوں اور عورتوں تک کو قتل کر دیا اس خاندان کا نام ونشان مٹا دیا۔ اگر قصاص پر عمل ہوتا اور عدالتوں سے انصاف ملنا یقینی ہوتا تو یہ سارے افراد جو انتقام کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں یہ قتل ہونے سے بچ جاتے اور قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ صادق آتی۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ

(البقرۃ آیت ۱۷۹، پارہ ۲)

''تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔''

یہ تو قصاص کی اہمیت اور قصاص کی حکمت ہوگئی۔

قتل کی اقسام

جہاں تک قتل کا تعلق ہے تو قتل کی بڑی قسمیں چار ہیں۔ (۱) قتل عمد (۲) شبہ عمد (۳) قتل خطاء (۴) قتل قائم مقام خطاء اور بھی بہت سی بحثیں ہیں فقہ کی کتابوں میں

لیکن میں ان چار قسموں کو اس وقت بیان کروں گا۔

(۱) قتل عمد کیا ہے؟ قتل عمد میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے ایک تو یہ کہ قصداً قتل کیا جائے اور دوسرا یہ کہ ایسے فعل کا ارتکاب ہو جس سے واقعی جان ضائع ہونا یقینی ہے۔ تو قتل کرنے کا ارادہ ہو اور ایسے فعل کا ارتکاب جس سے جان کا ضائع ہو جانا عام طور پر یقینی شمار ہوتا ہے۔ یہ جو ہم نے کہا کہ ایسے فعل ہو جس سے جان کا ضائع جانا یقینی ہے تو اس کے اندر آتشیں اسلحہ کا استعمال آ گیا، بندوق، ریوالور، کلاشنکوف وغیرہ وغیرہ۔ اسی طریقہ سے کسی کو آگ میں ڈال کر جلا دینا، کسی کو پانی میں پھینک کر ڈبو دینا، کسی کو زہر دے کر مار دینا۔ یہ ساری چیزیں آ گئیں۔ کیونکہ یہ ایسے افعال ہیں عام طور پر ان سے جان چلے جانا اور موت واقع ہو جانا وہ یقینی ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ناحق قتل ہو۔ تو اگر کسی حق کی وجہ سے قتل ہو جیسے ڈاکو کا قتل یا حربی کافر کا قتل یا باغی کا قتل یا ساحر، جادوگر کا قتل تو یہ ایسے قتل ہیں جن کا کوئی قصاص نہیں ہے۔ تو قتل عمد اس قتل کو کہا جائے گا جن میں کوئی جان بوجھ کر ناحق ایسے فعل کا ارتکاب کرے جس سے جان کا ضائع ہونا یقینی ہے۔

قتل کی سزا قرآن میں

قتل عمد سے چار چیزیں واجب ہوتی ہیں (۱) گناہ۔ میرے خیال میں قرآن کریم میں کسی گناہ کی اتنی سخت سزاء اللہ پاک نے بیان نہیں فرمائی جتنی سخت سزا قتل عمد کی اللہ پاک نے بیان فرمائی ہے چنانچہ اللہ فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

سورۃ النساء:۹۳

"جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس کی سزاء جہنم ہے، اس جہنم میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب، اس پر اللہ کی لعنت اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

پانچ طریقے سے اللہ پاک نے اس کی سزا کو بیان فرمایا۔ جہنم ہے اس کی سزا، اس میں ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب، اس پر اللہ کی لعنت اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب، قتل کی سزا حدیث کی روشنی میں اور جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو آپ اندازہ کیجئے کہ حدیث میں آتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے کسی مسلمان کے قتل میں کوئی بات کہہ کر، اشارہ کر کے حصہ دیا خود قتل نہیں کیا بلکہ اس نے کوئی ایسی بات کہی ایسا اشارہ کیا جو کسی مسلمان کے قتل کا سبب بن گیا فرمایا قیامت کے دن وہ آئے گا اس کے ماتھے پر لکھا ہو گا هٰذَا اٰيِسٌ مِّنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ یہ وہ شخص ہے جو اللہ کی رحمت سے نا امید ہے۔

یعنی زانی نا امید نہیں، شرابی نا امید نہیں، بے نمازی نا امید نہیں، لیکن جس نے کسی مسلمان کے قتل میں اپنی گفتگو کے ذریعہ سے یا اشاروں کے ذریعہ سے حصہ لیا خود قتل نہیں کیا لیکن اس میں حصہ لیا تو فرمایا کہ وہ قیامت کے دن اللہ کی رحمت سے نا امید ہو گا تو پہلی چیز جو واجب ہوتی ہے قتل عمد کی وجہ سے وہ ہے "گناہ"

قتل کا بدلہ قصاص

(۲) دوسری چیز جو واجب ہوتی ہے وہ ہے قصاص: کہ مقتول کے بدلے میں قاتل کو بھی قتل کیا جائے گا اگرچہ مقتول بیمار ہو، اگرچہ مقتول غریب ہو، اگرچہ مقتول چھوٹے قبیلے سے تعلق رکھتا ہو، اگرچہ مقتول عورت ہو لیکن مقتول کے بدلے میں

قاتل کو قتل کیا جائے یہ قصاص واجب ہوتا ہے۔

وراثت سے محرومی

(۳) تیسری چیز جو واجب ہوتی ہے وہ ہے میراث سے محرومی۔ قتل کرنے والا مقتول کی وراثت سے محروم ہوگا اس لیے کہ اس میں ایک یہ امکان بھی ہے کہ قاتل نے مقتول کو وراثت ہتھیانے کے لیے ہی قتل کیا ہو اور آج کل تو یہ واقعات کثرت سے پیش آرہے ہیں کہ بعض اوقات جو قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں اور ان کا مقتول، ان کا عزیز مالدار ہوتا ہے تو اس کی وراثت کو ہتھیانے کے لیے اس کے خون سے ہاتھ رنگ لیتے ہیں۔ نہ صرف یورپ وغیرہ میں بلکہ اب پاکستان میں بھی اس طرح کے واقعات پیش آرہے ہیں۔ کہ ایسا واقعہ بھی ہوا کہ باپ کو بیٹے نے قتل کر دیا اور ماموں کو بھانجے نے قتل کر دیا اور ماں کو قتل کر دیا وراثت پر قبضہ کرنے کے لیے، زمین ہتھیانے کے لیے، جائیداد لینے کے لیے، تو اس لیے اسلام سزا دیتا ہے یہ تیسری سزا کہ قاتل اپنے مقتول کی وراثت سے محروم ہوگا۔

دیت کا وجوب

(۴) چوتھی چیز جو واجب ہے وہ ہے ''دیت،، اصل میں تو قصاص واجب ہوتا ہے دیت صرف اس وقت واجب ہوتی ہے جبکہ مقتول کے وارث دیت لینے پر راضی ہوں اور خود قاتل بھی دینے پر راضی ہو۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک فریق راضی نہیں ہے مقتول کے ورثاء وہ دینے لینے پر راضی نہیں بلکہ وہ قصاص لینا چاہتے ہیں تو قاتل اگر راضی ہو بھی تو اس کی رضا کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ بہر صورت دیت لازمی ہوگی اور دوسری شرط قاتل کی رضامندی ہے اگر قاتل کہتا ہے کہ میں قصاص

کے لیے تیار ہوں مگر مالی تاوان دینے کے لیے تیار نہیں ہوں تو پھر اسے قتل کیا جائے گا دیت واجب نہیں ہوگی۔

قتل شبہ عمد

(۲) شبہ عمد: یہ ہے کہ قاتل کا قتل کرنے کا ارادہ تو ہے ثابت ہو گیا قرائن سے، آثار سے کہ اس کا قتل کرنے کا ارادہ تھا لیکن اس نے قتل کے لیے ایسی چیز استعمال کی جو عام طور پر قتل کے لیے استعمال ہوتی نہیں ہے اور جس سے جان کا ضائع ہو جانا وہ یقینی نہیں ہے مثلاً اس نے کسی کو لاٹھی ماری، ڈنڈے سے مارا، کوڑے سے مارا، پتھر سے مارا، برتن اٹھا کے مار دیا، مکا مار دیا، تھپڑ مار دیا اور اللہ کی شان وہ مر گیا یہ شبہ عمد ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ایک تھپڑ مارا تھا، ایک گھونسہ مارا تھا۔ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ لیکن وہ ایک گھونسہ سے ہی مر گیا تو اس کو قتل عمد نہیں کہا جائے گا بلکہ شبہ عمد کہا جائے گا۔

البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر قاتل نے استعمال تو کیا ایسا ہتھیار جو عام طور پر قتل کے لئے استعمال نہیں ہوتا لیکن اس سے مسلسل ضربیں لگا تا رہا حتیٰ کہ وہ مر گیا تو پھر یہ بھی قتل عمد ہوگا۔ اب مثال کے طور پر اگر ایک مکا مارتا، اگر ایک پتھر اٹھا کے مارتا، دو چار ڈنڈے مارتا اور وہ مر جاتا تو ہم اس کو قتل عمد نہیں کہیں گے ہم اس کو شبہ عمد کہتے ہیں۔ لیکن وہ ڈنڈے سے اس وقت تک مارتا رہا جب تک کہ اس کی جان نہیں نکل گئی تو اب یہ قتل بھی قتل عمد ہوگا۔ یہ شبہ عمد نہیں ہوگا۔ یہ واقعات بھی پیش آرہے ہیں بعض اوقات غیض وغضب میں دیوانہ ہو جانے والے لوگ بظاہر ڈنڈے سے کسی کو مارتے ہیں لیکن اتنا مارتے ہیں تو اس کی جان نکل جائے تو یہ بھی قتل عمد ہوگا۔

شبہ عمد سے بھی چار چیزیں واجب ہوتی ہے۔ قتل عمد سے بھی چار چیزیں واجب ہوتی ہے تو شبہ عمد سے بھی چار چیزیں واجب ہوتی ہیں۔

قتل شبہ عمد کی سزا

(۱) سب سے پہلے تو گناہ ہے قتل تو ہے لہٰذا گناہ ہے۔

(۲) دوسری چیز جو واجب ہوتی ہے وہ کفارہ ہے اور کفارہ بھی بڑا سخت ہے۔ وہ کیا؟ یا تو کسی مومن غلام کو آزاد کرے اور آپ جانتے ہیں کہ آج کے زمانے میں تو غلام ملتے ہی نہیں اور شرط یہ ہے کہ جس نے کسی مسلمان کو قتل کیا ہو تو اس پر غلام کا آزاد کرنا، اور غلام بھی کون سا، وہ بھی مومن غلام آزاد کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کو مومن غلام آزاد کرنے کے لیے نہ مل سکے تو اس صورت میں اس قاتل کو مسلسل دو مہینہ روزہ رکھنا واجب ہوگا۔ اگر ایک روزہ بھی بیچ میں چھوڑ دیا تو دوبارہ ان روزوں کی ابتداء کرنا اس پر فرض ہوگا۔

(۳) تیسری چیز جو شبہ عمد کی صورت میں لازم ہوتی ہے وہ قاتل کی برادری پر دیت لازم آتی ہے جس کو "عاقلہ" بھی کہا جاتا ہے، قاتل کی برادری کو فقہ کی زبان میں عاقلہ بھی کہا جاتا ہے تو ان پر دیت لازم آتی ہے پھر بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ قاتل کی جو برادری ہے وہ اس کے خاندان کے لوگ ہوں گے، اس کی ذات کے لوگ، اس کی نسل کے لوگ جیسے کہ کوئی جٹ ہے کوئی آرائیں ہے، کوئی جولاہا ہے، کوئی کمہار ہے، کوئی کسی دوسری قوم سے تعلق رکھنے والا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بھی منقول ہے کہ: "ہر قاتل کا عاقلہ، ہر قاتل کی مددگار برادری وہ ہوگی جو اس کے ہم پیشہ لوگ ہیں ان پر دیت لازم آئے گی۔"

شبہ عمد کی مثال

اب مثال کے طور پر ایک ڈرائیور ہے اس کے ہاتھوں قتل ہو گیا جیسے آئے دن قتل ہوتے رہتے ہیں تو ڈرائیور کی جو مددگار برادری ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ڈرائیور جو ہے یہ اس کی مددگار برادری ہے یہ اس کے عاقلہ ہیں یا جیسے فیکٹریوں کے اندر کوئی یونین بنی ہوتی ہے تو ایک مزدور سے قتل ہو گیا تو یونین کے اندر جتنے بھی مزدور شریک ہیں وہ سارے اس کی عاقلہ ہو گی اس کی مددگار برادری ہو گی۔ تو ان پر دیت لازم آئے گی۔ اب کسی کے ذہن میں یہ خیال آ سکتا ہے کہ قتل تو کسی اور نے کیا اور تاوان کسی اور پر جسے کہتے ہیں "کرے کوئی بھرے کوئی"

برادری پر تاوان رکھنے کی حکمت

لیکن آپ غور کریں تو اس میں کتنی بڑی حکمت ہے؟ اگر برادری کو پتہ چل جائے کہ ہمارے کسی فرد نے قتل کیا تو ہم پر جرمانہ آئے گا اور ہمیں مالی تاوان برداشت کرنا پڑے گا تو قتل کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اس لیے کہ اس کی برادری کے لوگ خود اپنے میں سے آوارہ قسم کے، جھگڑالو قسم کے، جارح قسم کے خون خوار قسم کے فرد کی نگرانی کریں گے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے ہاتھوں کوئی قتل ہو گیا تو ہم پھنس جائیں۔ آج تو صورت یہ ہے کہ اللہ معاف فرمائے کہ جس خاندان میں، جس برادری میں، کوئی اس قسم کا ڈکیت ہوتا ہے، اس قسم کا کوئی قاتل ہوتا ہے، اس قسم کا کوئی خون خوار باشندہ ہوتا تو وہ اکڑتے پھرتے ہیں دوسروں کو ڈراتے پھرتے ہیں، باز آ جاؤ ورنہ تم جانتے ہو ہمارے پاس بھی فلاں ہے۔ تو ایسے اپنے افراد پر اکڑتے ہیں اس لیے کہ ان کو پتہ ہے کہ سزا کہیں سے نہیں ملے گی اور قصاص لینے والا

کوئی نہیں ہے۔ تو تیسری چیز جو لازم ہوتی ہے شبہ عمد کی صورت میں وہ ہے قاتل کی مددگار برادری پر دیت۔

(۴) اور چوتھی چیز: میراث سے محرومی۔ جیسے قتل عمد کی صورت میں قاتل اپنے مقتول کی وراثت سے محروم ہوجاتا ہے اسی طریقہ سے شبہ عمد کی صورت میں بھی قاتل، مقتول کی وراثت سے محروم ہوجائے گا۔

قتل خطا اور اس کی قسمیں

قتل کی تیسری قسم قتلِ خطا ہے اور پھر قتل خطاء کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں (۱) قتل خطاء فی الفعل (۲) قتل خطاء فی القصد۔

(۱) قتل خطاء فی الفعل کیا ہے؟ غلطی ہوگئی فعل میں، عمل میں۔ مثال کے طور پر فائر اِدھر کرنا چاہتا تھا غلطی سے اُدھر ہوگیا ایسا ہوجاتا ہے بعض اوقات۔ ایسے واقعات بھی پیش آتے ہیں کہ ریوالور کوئی صاف کر رہا تھا اپنے بیٹے کو ہی گولی لگ گئی۔ اپنے عزیز کو گولی لگ گئی۔ اسی طریقہ سے آپ شادی بیاہ میں ایسی خبریں ہم پڑھتے اور سنتے ہیں کہ فائرنگ کر رہا تھا ظاہر ہے قتل کرنا مقصد نہیں تھا، آسمان کی طرف اس کا رخ کرنا چاہتا تھا لیکن غلطی سے کسی کی طرف ہوگیا، کسی کی کہنی لگ گئی، دھکا لگ گیا اور کسی کو گولی لگ گئی اور وہ مرگیا تو یہ قتل خطاء فی الفعل ہے۔

(۲) قتل خطاء فی القصد: نیت میں خطاء ہوجانا۔ مثال کے طور پر رات کے اندھیرے میں دور سے کوئی درخت کی اوٹ میں بیٹھا ہوا تھا اس نے سمجھا کوئی آوارہ کتا ہے یا دیہاتی علاقہ تھا اس نے سمجھا کہ جنگل کا کوئی خطرناک جانور ہے۔ بھیڑیا ہے یا ریچھ ہے یا کوئی دوسرا جانور ہے اور اس نے خطرناک درندہ سمجھ کر اس پر فائر

کھول دیا اور پتہ چلا کہ وہ تو کوئی انسان تھا تو یہ قتل خطاء فی القصد ہے۔

(۴) قائم مقام خطاء: اس کو کہتے ہیں مثال کے طور پر کوئی چلتے چلتے کسی کے اوپر گر گیا، ایسے بھی ہوسکتا ہے کہ نیچے کوئی بیٹھا ہوا تھا چلنے والا پہلوان قسم کا آدمی تھا پاؤں پھسلا دوسرے کے اوپر گرا اور وہ مر گیا اس کی موت کا وقت یہی تھا یا کوئی چھت پر سویا ہوا تھا اور وہاں سے کروٹ بدلی اور نیچے کوئی گزر رہا تھا وہ اس کے اوپر گرا اور وہ مر گیا یہ قائم مقام خطا ہے۔

قصاص کے متعلق ایک دلچسپ قصہ

ان دونوں صورتوں میں قصاص واجب نہیں ہوتا۔ ہم نے فارسی کی کتابوں میں یہ واقعہ پڑھا کہ اسی طرح ایک پہلوان شخص چھت پر سویا ہوا تھا کروٹ بدلی نیچے سے کوئی گزر رہا تھا اس کے اوپر گرا اور وہ مر گیا۔ تو مقتول کے جو وارث تھے وہ مقدمہ لے کر قاضی کی عدالت میں پہنچے اور قصاص کا مطالبہ کیا کہ اس سے قصاص لیا جائے تو قاضی صاحب نے سمجھانے کی کوشش کی کہ اس صورت میں قصاص نہیں آتا اور غلطی بھی اس کی نہیں ہے اور شریعت میں اس کو یہ کہتے ہیں اور فقہ میں اس کو یہ کہتے ہیں، یہ قائم مقام خطا ہے، یہ ایسا ہے، یہ ویسا ہے، انہوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ خطاء کیا ہوتا ہے۔ قائم مقام خطاء کیا ہوتا ہے۔ عمد کیا ہوتا ہے، شبہ عمد کیا ہوتا ہے ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ ہمارا بندہ مارا گیا ہے لہٰذا اس کا قصاص لیا جائے۔

قاضی صاحب ذہین آدمی تھے انہوں نے کہا اچھی بات ہے قصاص میں مماثلت ضروری ہوتی ہے مساوات اور برابری ضروری ہوتی ہے جس طریقے سے قاتل نے قتل کیا ہے اسی طرح سے قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ تو ٹھیک ہے میں اس پہلوان کو

نیچے کھڑا کرتا ہوں تم میں سے کوئی چھت پر جائے اور لیٹ جائے اور پھر اس پہلوان کے اوپر کروٹ بدل کر گر جائے تو میں قصاص دے دیتا ہوں۔ اب جب انہوں نے پہلوان کو دیکھا اور پھر اپنے آپ کو دیکھا جیسا کہ ان کا مقتول سنگل پسلی تھا، سارا خاندان ہی سنگل پسلی تھا تو انہوں نے سوچا کہ ایک تو گیا ایسا نہ ہو کہ دوسرا بھی اسی طریقہ سے جائے پہلوان بچ جائے اور ہم مارے جائیں چنانچہ وہ پھر قاضی کی بات تسلیم کرنے پر راضی ہو گئے۔

تو یہ جو دو قسمیں ہیں قتل خطاء، قائم مقام خطاء ان میں بھی چار چیزیں واجب ہوتی ہیں۔ آپ اندازہ کیجئے کہ انسانی جان کی کتنی قدر و قیمت ہے۔ غلطی سے قتل ہو گیا، سوتے میں کسی پر گر گیا اس صورت میں بھی شریعت نے انسان کے خون کو ضائع نہیں جانے دیا۔ چار چیزیں واجب ہوتی ہیں۔

(۱) سب سے پہلے تو گناہ واجب ہوتا ہے۔ گناہ کیوں ہوتا ہے؟ ترک احتیاط کی وجہ سے اس نے سونے میں احتیاط کیوں نہیں کی۔ اس کو اس طریقہ سے سونا چاہئے تھا کسی کو نقصان پہنچنے کا کوئی امکان نہ رہتا تو ترک احتیاط کی وجہ سے گناہ ہوگا۔

(۲) دوسری چیز دیت واجب ہوگی اور (۳) تیسری چیز کفارہ جو آپ پہلے سن چکے اور (۴) چوتھی چیز میراث سے محرومی تو گویا کہ اس کے احکام بھی یہی ہیں کم و بیش جو کہ شبہ عمد کے احکام تھے۔

کافر کو قتل کرنے کی سزا

یہ تو مومن کے قتل کی سزائیں ہیں اور پھر میں نے قتل کی ۴ قسمیں بیان کر دیں۔ عمد، شبہ عمد، خطاء، قائم مقام خطاء اگر کافر کو قتل کر دیا جائے تو پھر کیا حکم ہے؟

کافر کی قسمیں اور ان کا حکم

تو پہلے تو یہ جان لیں کہ کافر کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) کافر حربی: یعنی وہ کافر جو مسلمان کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں برسرِ جنگ ہیں۔ حالت جنگ میں ہیں ان کو کہتے ہیں کافر حربی (۲) کافر ذمی: یعنی وہ عیسائی، یہودی، غیر مسلم جو اسلامی مملکت کا باشندہ ہو اور اسلامی مملکت کے احکام کی رعایت کرتا ہو ان کی اتباع کرتا ہو (۳) مستامن: دارالحرب کا کافر بندہ لیکن امان لے کر آیا ہو، آج کی اصطلاح میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ویزا لے کر آیا ہے۔ وہ مستقل شہری نہیں ہے اسلامی مملکت کا، لیکن محدود مدت کے لیے وہ اسلامی مملکت کا پرامن شہری بن گیا اس کو ویزا دیا گیا اس کو امان دی گئی ہے اس کی جان، اس کا مال، اس کی عزت کو تحفظ دیا گیا ہے۔

جہاں تک کافر حربی کا تعلق ہے جو برسرِ پیکار ہے، برسرِ جنگ ہے تو ان کے کسی فرد کو قتل کرنا اس سے تو کوئی چیز لازم نہیں آتی قصاص، کفارہ کوئی چیز لازم نہیں آتی۔ جبکہ ہماری ان کے ساتھ جنگ ہے۔

ذمی کے بدلے مسلمان سے قصاص لیا جائے

جہاں تک ذمی اور مستامن کا تعلق یہ دونوں اس لیے کہ ایک ذمی ہے غیر محدود مدت کے لیے اور دوسرا ذمی بن گیا محدود مدت کے لیے تو اگر کسی ذمی کو قتل کر دیا گیا اور قتل کرنے والا اگرچہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔ قصاص لازم آئے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کا واقعہ ہے ان کی خدمت میں ایک ذمی نے مقدمہ پیش

کیا کہ ایک مسلمان نے میرے بیٹے کو ناحق قتل کر دیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں طرف کا موقف سنا اور گواہوں سے گواہی لی اور پھر آپ نے فیصلہ فرما دیا کہ جاؤ اس کافر کے بدلے میں اس مسلمان کو قتل کر دو۔ وہ قتل کرنے کے لیے لے گئے۔ راستے میں اس قاتل کے وارثوں نے اس مقتول کے باپ کو اور اس کے وارثوں کو دیت لینے پر راضی کر لیا چنانچہ یہ اس قاتل کو لے کر واپس آ گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان ذمیوں سے سوال کیا۔ اس مقتول کے باپ سے سوال کیا کہیں تم کو ان مسلمانوں نے دھمکی تو نہیں دی، کہیں انہوں نے گالی نہیں دی۔ انہوں نے نفی کی، نہ ہمیں گالی دی گئی، نہ ہمیں دھمکی دی گئی ہے لیکن ہم اپنی رضا سے دیت لینے پر خوش ہیں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیت دینے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اس موقع پر فرمایا "اے مسلمانو! ہم ان غیر مسلموں کو، ان ذمیوں کو حقوق دیئے ہیں تا کہ ان کے خون کی حرمت، ہمارے خون کی حرمت کی طرح ہو۔ ان کی دیت، ہماری دیت کی طرح ہو اور کسی مسلمان کو کسی ذمی کے مال، جان، عزت و آبرو سے تعرض کرنے کا اس کے لیے خطرہ بننے کا اختیار نہیں ہے۔"

تو جیسے پہلے بھی میں نے عرض کیا کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غیر مسلم جو اسلامی مملکت کے شہری ہوں ان کے خون کی، عزت و آبرو اور مال کی حرمت کو بیان کیا ہے اور جب کسی غیر مسلم کو مسلمان قتل کرے گا تو اس کے بدلے میں قصاص لازم آئے گا۔

جیسے یہ حکم ذمی کے لیے ہے اسی طریقے سے وقتی طور پر ویزا لے کر آنے والے حربی کافر کے لیے بھی ہے جسے شریعت کی اصطلاح میں مستامن کہا جاتا ہے۔

قصاص لینے کا حق کس کو حاصل ہے؟

اب سوال یہ کہ قصاص لینے کا حکم کس کو ہے؟ تو یاد رکھئے کہ قصاص اگر چہ مقتول کے اولیاء کا حق ہے لیکن انہیں اپنے اس حق کو نافذ کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ اختیار صرف اور صرف حکومت وقت کو حاصل ہے۔ اگر ہر شخص کو اپنا حق خود وصول کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو پھر ملک کے اندر انتشار پھیلے گا، فساد پھیلے گا، انار کی پھیلے گی، تو یاد رکھئے! جہاں تک اسلامی قانون کا تعلق ہے ہمیں ذاتی اور انفرادی طور پر نہ کسی قاتل کو قتل کرنے کا اختیار ہے نہ کسی مرتد کو قتل کرنے کا اختیار ہے اور نہ ہی کسی دوسرے ایسے جرم کے ارتکاب کرنے والے کو قتل کرنے کا اختیار حاصل ہے جس جرم کی وجہ سے کسی کا خون مباح ہو جاتا ہو، ہمیں یہ اختیار نہیں ہے بلکہ یہ اختیار صرف اور صرف اسلامی شریعت کو ہے۔ جیسے آج کل لوگوں نے کرنا شروع کر دیا ہے بعض اوقات کوئی ڈاکو پکڑا جاتا ہے تو بجائے اس کے کہ قانون کے حوالے کریں وہ خود ہی اسے قتل کر دیتے ہیں بلکہ کراچی میں زندہ جلانے کے واقعات پیش آئے اور جیسے سیالکوٹ کا سانحہ ہوا کہ ڈاکے کے شبہ میں ہی دو بچوں کو جن میں سے ایک حافظ قرآن بھی تھا تڑپا تڑپا کر مارا گیا تو یہ چیزیں، یہ واقعات اسلام کو، اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ لہٰذا کسی فرد کو بلکہ کسی جماعت کو بھی یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ ذاتی طور پر ایسے شخص کو قتل کر دیں جو کسی جرم کی وجہ سے قتل کا مستحق ہو بھی چکا ہو۔ بلکہ اس کا اختیار صرف حکومت وقت کو حاصل ہے، اولیاء کو صرف مطالبہ کا اختیار ہے قتل کرنے کا اختیار ان کو بھی نہیں ہے۔

قصاص معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں سوائے مقتول کے ورثاء کے، البتہ یہ

الگ چیز ہے کہ حکومت وقت کو اس قانون کو نافذ کرنے، قصاص کے قانون کو نافذ کرنے کا اختیار ہے لیکن قصاص کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ یہ شریعت اسلامیہ وزیر کو اختیار دیتی ہے یا صدر کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ کسی کے خون کو ازخود اپنے صوابدایدی اختیارات استعمال کرتے ہوئے معاف کر دیں اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ واضح طور پر سورہ بقرہ میں اللہ نے فرمادیا جہاں قصاص کے قانون کو بیان فرمایا تو آخر میں یہ بھی ہے کہ قصاص تو فرض ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ط

(سورۃ بقرۃ:۱۷۸)

''اے ایمان والو مقتولوں میں تم پر قصاص فرض کیا گیا۔''

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى ط

(سورۃ بقرۃ:۱۷۸)

''آزاد، آزاد کے بدلے میں، عورت، عورت کے بدلے میں، غلام غلام کے بدلے میں،''

یہ بیان کیا گیا آخر میں ہے

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ط

(سورۃ بقرۃ:۱۷۸)

''اگر کسی قاتل کو اس کے بھائی کی طرف سے معاف کردیا جائے تو معافی مل سکتی ہے قصاص سے،''

اندازہ کیجئے اللہ پاک کس طریقہ سے معاف کرنے کی ترغیب بھی دے رہا ہے

اور پھر اخوت اسلامیہ کو باقی رکھنے کا بھی اعلان فرما رہے ہیں۔ یعنی فرمایا جا رہا ہے کہ اگرچہ اس نے تمہارے عزیز کو، تمہارے بیٹے کو تمہارے بھائی کو قتل کیا ہے لیکن ایک مسلمان ہونے کے اعتبار سے اب بھی وہ تمہارا بھائی ہے۔ اخوت اسلامیہ کا رشتہ ختم نہیں ہوا۔ تو اگر کسی قاتل کو اس کا بھائی معاف کر دے۔ یہ بھائی کون ہے؟ مقتول کے وارثوں میں سے اگر کوئی معاف کر دے تو فرمایا کہ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ تو پھر مقتول کے وارثوں کو چاہئے کہ وہ دیت کا مطالبہ کریں معروف طریقہ سے اور قاتل کو چاہئے کہ وہ اچھے طریقے سے دیت کو اداء کریں۔ تو اسلام نے قصاص، معاف کرنے کا اختیار یہ صرف مقتول کے وارثوں کو دیا ہے کسی اور کو چاہے وہ قاضی ہو، جج ہو یا صدر اور وزیر اعظم ہو اسے کسی کا خون معاف کرنے کا اور قصاص معاف کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ جتنے سوالات اٹھائے گئے تھے کم و بیش اس بحث میں آچکے۔ صرف تین اہم سوال باقی رہ گئے میں ان کو الگ بیان کرنا چاہوں گا۔ ان میں سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ:

ملکوں کے درمیان معاہدات کی اسلام میں حیثیت

(۱) ملکوں کے درمیان معاہدات کی اسلام میں کیا حیثیت حاصل ہے؟؟؟

اس سوال کے جواب میں آپ یہ جان لیجئے کہ اسلام میں مطلقاً ایفاء عہد کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ وعدہ پورا کرنے کا اور میں کیسے کہوں کہ آج یہ چیز مسلمانوں کے اندر سے اٹھ گئی۔

نفاق کی نشانیاں

میں بار بار کہتا ہوں ان شاء اللہ کہتا رہوں گا جب تک اللہ پاک نے زندگی دی

ہے۔ چار چیزیں ایسی تھیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ منافقوں کی نشانیاں ہیں لیکن آج میں سچ کہتا ہوں شاید ہی کوئی مسلمان ایسا نظر آتا ہو جس کے اندر یہ چار خرابیاں نہ پائی جاتی ہوں جو چار خرابیاں حضور ﷺ نے منافق کی بیان فرمائی تھیں آج کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں میں یہ ہے۔ بعض نماز پڑھنے والے، حج کرنے والے مسلمانوں میں بھی یہ چار خرابیاں پائی جاتی ہیں سب کی بات نہیں کر رہا لیکن بعض کے اندر پائی جاتی ہیں۔ خدا کے واسطے ان سے بچنے کی کوشش کریں کہ یہ چار چیزیں منافق کی نشانیاں ہیں مسلمان کی نہیں۔ پہلی چیز جھوٹ بولنا، دوسری چیز وعدہ خلافی کرنا اور تیسری چیز امانت میں خیانت کرنا اور چوتھی چیز جھگڑا ہو جائے تو ماں بہن کی گالی گلوچ پر اتر آنا۔ یہ چار نشانیاں ہیں۔

آپ بھی غور کیجئے گا میں اپنے بارے میں سوچتا ہوں آپ اپنے بارے میں سوچیں کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ چار ہمارے اندر پائی جاتی ہیں اور حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا: اگر ان میں سے کسی کے اندر ایک پائی جاتی ہے، ایک صفت، ایک خرابی تو منافقت والی ایک خصلت ہے اور اگر چاروں پائی جاتی ہیں پھر تو پورا منافق ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو اس سے بچے ہوئے ہیں۔ تو یہ عملی منافق ہے اعتقادی منافق نہیں ہے جو حضور ﷺ نے بیان فرمایا جس کے اندر یہ چار خرابیاں ہیں۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ ایفاء عہد کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اتنی اہمیت کہ جو وعدہ پورا نہیں کرتا حضور ﷺ کہتے ہیں کہ وہ تو منافق ہے مسلمان کی شان یہ ہے کہ وعدہ پورا کرے۔ اللہ کی کتاب کو دیکھیں تو اللہ نے بھی وعدہ پورا کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ؕ

(سورۂ مائدہ: ۱)

''اے ایمان والو! وعدہ پورا کیا کرو۔''

عقد، عہد پورے کیا کرو چاہے اللہ کے ساتھ کوئی معاملہ ہو، چاہے آپس میں معاملہ ہو، معاہدہ ہو پورا کرو۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ

''وعدے پورا کرو۔''

اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا

''وعدوں کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔''

وعدہ کر کے پورا کیا تھا یا نہیں؟ سوال کیا جائے گا اور آقا ﷺ نے فرمایا:

لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَ لَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ۔

جس کے اندر امانت کی صفت نہیں اس کے ایمان کا اعتبار نہیں اور جس کے اندر وعدہ پورا کرنے کی صفت نہیں اس کے دین کا اعتبار نہیں۔''

اصل دین داری

اندازہ کیجیے! آقا ﷺ فرما رہے ہیں کہ اس کے دین کا اعتبار نہیں، ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ فلاں دیندار ہے اور فلاں دیندار نہیں ہے۔ بھئی! یہ دیندار کیوں ہے؟ اس لیے کہ سر پر ٹوپی پہنتا ہے اور ڈاڑھی بھی رکھی ہے اور ٹخنوں سے شلوار بھی اونچی ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے یہ دیندار ہے اور فلاں دیندار نہیں ہے کیوں؟ اس لیے کہ ٹوپی بھی نہیں ہے تسبیح بھی ہاتھ میں کبھی نہیں دیکھی اور سہ روزہ بھی نہیں لگاتا اور چلہ بھی نہیں لگاتا یہ دیندار نہیں ہے وہ دیندار ہے۔ تو دینداری کا معیار یہ بن گیا اور حضور ﷺ کیا فرما رہے ہیں کہ جس کے اندر وعدہ پورا کرنے کی صفت نہیں ہے اس کی دینداری کا

کوئی اعتبار نہیں۔ چاہے وہ نماز ہی کیوں نہ پڑھتا ہو۔ چاہے وہ ٹوپی ہی کیوں نہ پہنتا ہو، ہزار دانے کی تسبیح ہاتھ میں کیوں نہ رکھتا ہو، ہر سال حج و عمرہ کیوں نہ کرتا ہو۔ اس کے دین کا اعتبار نہیں جس کے اندر وعدہ پورا کرنے کی صفت نہیں۔

ایفاءِ عہد کی اہمیت

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ملکوں کے ساتھ معاہدات تو بڑی چیز ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ انفرادی زندگی میں بھی تم کسی سے وعدہ کرو تو پورا کرو، اگر نہیں کرتے تو پھر تمہارے دین کا تمہاری دینداری کا اعتبار نہیں ہے مگر شرط یہ کہ وعدہ جائز کام کا ہو، ناجائز کام نہ ہو۔ جہاں تک ملکوں کے ساتھ معاہدات کا تعلق ہے تو وہاں وعدہ کی خلاف ورزی سے صرف ایک فرد بدنام نہیں ہوتا پوری امت مسلمہ بدنام ہوتی ہے، پورا ملک بدنام ہوتا ہے، مذہب بدنام ہوتا ہے، لہٰذا ان معاملات کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

آقائے دوجہاں کے کفار سے معاہدے

خود ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے یہودیوں سے معاہدہ کیے، عیسائیوں سے معاہدہ کیے، پڑوسی مشرک قبیلے سے معاہدہ کیے اور سب وعدوں کو، سب معاہدوں کو آقا ﷺ نے پورا کیا۔

صلح حدیبیہ

اور سب سے مشکل معاہدہ تو وہ تھا جو آپ بھی جانتے ہیں جو حدیبیہ کے مقام پر حضور ﷺ نے کیا تھا مشرکین مکہ کے ساتھ۔ بڑا مشکل معاہدہ تھا، بڑا مشکل معاہدہ۔ اس لیے کہ مشرکوں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ناروا اور ناجائز قسم کی باتوں پر بھی اصرار کیا اور حضور ﷺ نے اُن کے لئے پورا کیا۔ اللہ اکبر۔ ابھی

معاہدہ ہو رہا تھا ہو چکا نہیں تھا، لکھا نہیں تھا، ابھی بات چیت چل رہی تھی اور ایک شق یہ بھی تھی جس پر مشرک اصرار کر رہے تھے کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ آ گیا تو آپ لوگ واپس کریں اور اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ آ گیا تو ہم اس کو واپس نہیں کریں گے۔ ابھی بات چیت چل رہی ہے بات کو مانا نہیں گیا، لکھا نہیں گیا معاہدہ کی شکل نہیں ہے۔

ابو جندل رضی اللہ عنہ کا آنا

اور اسی درمیان میں حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ آ گئے زنجیروں میں جکڑے ہوئے اور جسم زخموں سے چور، ان کا جسم، ان کا ظاہر ان کی مظلومیت کا گواہ تھا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے پناہ دے دیجئے۔ لیکن اس کا باپ اڑ گیا اگر ابو جندل کو آپ نے پناہ دے دی تو معاہدہ ختم سمجھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا کہ ارے ابھی معاہدہ نہیں ہوا اس سے پہلے آ گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یعنی منت کے سے انداز میں کہا کہ ارے میری بات مان لو۔ اور اس کو کم از کم میرے حوالے کر دو میں اس کو پناہ دیتا ہوں۔ لیکن اس نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تو آپ جان سکتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دل پر پتھر رکھ کر کس طریقہ سے کہا ہوگا۔ ابو جندل! واپس چلے جاؤ۔ وہ حضور جو چڑیا پر زیادتی کو نہیں دیکھ سکتے تھے اور جانور کو زخمی نہیں دیکھ سکتے تھے انہوں نے جب اپنے چہیتے کو، اپنے چاہنے والے کو، اپنے عاشق کو زنجیروں میں جکڑا ہوا اور زخموں سے چور دیکھا ہوگا تو حضور کے قلب و جگر پر کیا گزری ہوگی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا، ابو جندل! چلے جاؤ۔ اللہ تمہارے لیے کوئی راستہ نکالے گا۔

اسی طرح سے جب معاہدہ ہو گیا تو حضرت ابو بصیر مکہ سے بھاگ کر مدینہ آ گئے

اور مشرک بھی پیچھے آئے ان کو واپس لینے کے لیے اب حضور ﷺ جانتے تھے کہ ابوبصیر کو یہاں سے لے جا کر مکہ میں یہ ظلم و ستم کا نشانہ بنائیں گے لیکن حضور ﷺ نے ابوبصیر سے کہا: جاؤ ابوبصیر! میں معاہدہ کر چکا ہوں اب میں تمہیں مدینہ میں نہیں رکھ سکتا چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو واپس کر دیا۔ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ قرآن نے حکم دیا معاہدات کو پورا کرو اور ہمارے آقا ﷺ نے ان معاہدات کو اپنی عملی سیرت سے پورا کر کے دکھایا اور امت کو ایک راستہ دکھایا کہ جب کسی کے ساتھ معاہدہ کرو تو اس معاہدہ کو پورا کرو۔

اسلام میں غیر ملکی سفیروں کے حقوق

(۲) دوسرا سوال کہ اسلام میں غیر ملکی سفیروں کو کیا حقوق حاصل ہیں؟

تو جان لیجئے کہ جو غیر ملکی سفیر ہے اس کی حیثیت بھی مستامن کی سی ہوتی ہے جس کا حکم میں پہلے بیان کر چکا۔ مستامن وقتی طور پر ویزا لے کر اسلامی مملکت میں آنے والا شخص بلکہ سفیر کی حیثیت مستامن سے کچھ بڑھ کر ہے کیونکہ مستامن تو کوئی عام شخص بھی بن سکتا ہے امن لے کر کوئی بھی شخص آ سکتا ہے، ویزا لے کر کوئی بھی شخص آ سکتا ہے لیکن سفیر اپنے ملک کا نمائندہ ہوتا ہے تو اسلام میں اسے خاص طور پر تحفظ دیا گیا ہے اس کا مال بھی، اس کی جان بھی محفوظ، اور اس کی عزت بھی محفوظ، اس کا مذہب بھی محفوظ۔

مسیلمہ کذاب کے سفیروں کی بدتمیزی اور آپ علیہ السلام کا حسنِ عمل۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں مسیلمہ کذاب کے سفیر آئے، وہ غیر ملک کا نہیں عرب ہی کا ہے اور ہے کون؟ نبوت کا جھوٹا دعویدار۔

حضور اکرم ﷺ سے اس نے درخواست کی چونکہ اس کا قبیلہ بہت بڑا تھا قبیلہ والے اس کے ساتھ تھے، اس نے درخواست کی مطالبہ کیا کہ آؤ محمد! ہم عرب کو آدھا آدھا تقسیم کر لیتے ہیں۔ آدھے عرب پر تمہاری حکمرانی اور آدھے پر میری حکمرانی۔ یا میرے خطے میں میری حکمرانی اور جہاں تک تمہاری بات چلتی ہے وہاں تمہاری حکمرانی۔ تو اس طرح کا گستاخ شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے، حضور اکرم ﷺ سے شراکت اور حصہ داری کا مطالبہ کرنے والا، اس کے دو سفیر آئے۔ میں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ یہ سفیر کس قسم کے ہیں، کس شخص کی طرف سے آئے ہیں ایسے غلیظ دشمن کی طرف سے آئے ہیں۔ لیکن حضور ﷺ نے ان کی گستاخانہ گفتگو سننے کے باوجود فرمایا: اگر سفیروں کو تحفظ دینے کا رواج نہ ہوتا یا سفیروں کو قتل کرنے کی کوئی مثال ہوتی تو میں تمہیں قتل کر دیتا لیکن چونکہ سفیروں کو تحفظ دیا جاتا ہے اور ان کو قتل کرنا جائز نہیں سمجھا جاتا اس لیے میں تمہاری گستاخی کے باوجود تمہیں معاف کرتا ہوں جبکہ خود ہمارے آقا ﷺ کے سفیر کو کسریٰ پرویز نے بڑی بے دردی سے قتل کروایا تھا لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے کسی سفیر کے خون سے ہاتھ رنگنا گوارا نہیں کیا تاکہ کسی کو محمد ﷺ کے کردار پر انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے کہ محمد اپنے ملک میں آئے ہوئے سفیروں کو بھی قتل کر دیتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں مستامن ہو یا ذمی ہو یا سفیر ہو ان کو تحفظ تب تک حاصل ہے جب تک کہ یہ اسلامی مملکت کے قوانین کا لحاظ کریں اگر یہ اسلامی مملکت کے قوانین کا لحاظ نہیں کرتے تو پھر ان کو کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے۔ یہ بنیادی شرط ہے ہر ذمی کے لیے بھی، اور مستامن کے لیے بھی اور سفیر کے لیے بھی کہ وہ جس ملک میں آیا ہے اس ملک کے قوانین کا لحاظ

کرے وگرنہ اس کا خون محفوظ نہیں رہے گا، اس کی جان محفوظ نہیں رہے گی۔

یاد رکھیں! کہ اب تک ہمارے ہاں جو بات ہو رہی ہے وہ ساری کی ساری مغربی قوانین وغیرہ کی روشنی میں بات ہو رہی ہے۔ میں نے ابھی تک کسی اخبار میں یہ نہیں دیکھا کہ خود اسلام اس بارے میں کیا کہتا ہے۔ اسلامی قوانین کہاں ہیں؟ قتل عمد کے احکام، شبہ عمد کے احکام، قتلِ خطاء کے احکام، قائم مقام خطاء کے احکام، اور ذمی اور سفیر کے حقوق کے احکام اسلام میں کیا ہیں؟ اس حوالے سے بحث نہیں کی گئی ہے۔ تو ہمیں تو مغربی قوانین کی بجائے اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کو زیادہ اہمیت دینی ہوگی۔ تو میں نے عرض کیا کہ جہاں تک اسلامی احکام کا تعلق ہے ذمی کو، سفیر کو تحفظ حاصل ہے بلاشبہ حاصل ہے لیکن اس وقت تک جب تک کہ وہ اسلامی مملکت کے قوانین کا خیال اور لحاظ کریں لیکن اگر وہ خود ہی ان قوانین کو پامال کر دیں اور اسلامی مملکت کے شہریوں کے لیے خطرہ بن جائیں تو پھر ان کی جان کو بھی کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کتاب وسنت کی روشنی میں اپنے معاملات طے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

وہ گلی گلی عام درس قرآن کر گیا
وہ گھر گھر مشہور خدا کا فرمان کر گیا
سناتا رہا اُمت کو قرآن کے ترانے
پورا وہ نبی کا ارمان کر گیا
نہ بغض کسی قوم سے نہ افراد سے حسد
داعی وہ اپنی عاقبت کا ساماں کر گیا
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمۃ اللہ علیہ

حدود تعزیرات کا
اسلامی تصور

از افادات

داعی قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع وترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

- جرائم کی کتنی اقسام ہیں؟
- وہ جرائم جن پر شرعی سزائیں مقرر ہیں کتنے ہیں؟
- چوری کی سزا قرآن کی نظر
- حدود اللہ کی کتنی اقسام ہیں
- حد کن وجوہ کی بنیاد پر ساقط ہو جاتی ہے؟
- مجرم اور معاشرہ اسلام کی نظر میں
- حقوق نسواں بل اور اسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ

اَمَّا بَعۡدُ:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۰۸﴾

(سورۃ بقرۃ:۲۰۸)

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡمُ

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، یہ صرف عقائد اور چند عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں معاملات اور اخلاق کے بارے میں اور جرائم کے ارتکاب کی صورت میں سزاؤں کے بارے میں بھی تعلیمات دی گئی ہیں۔

سزا کا تصور ہر انسانی معاشرہ میں پایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ جہاں انسان ہوگا وہاں گناہ اور جرم بھی ہوسکتا ہے۔ معصوم صرف انبیاء علیہم السلام ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ جتنے

بھی انسان ہیں خواہ وہ کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں ان سے جرم اور گناہ کا ارتکاب ممکن ہے۔ جب جرم ہوگا تو سزا بھی دی جائے گی۔ لیکن خود یہ بات کہ جرم کیا ہے اور کیا نہیں؟ کون سا عمل گناہ ہے اور کون سا عمل گناہ نہیں؟ اس کے بارے میں ہر معاشرے کا اپنا اپنا پیمانہ ہے، اپنا اپنا معیار ہے، سوچنے کا اپنا اپنا انداز ہے۔ مثال کے طور پر غیر مسلم معاشرے میں زنا بالرِضا کوئی گناہ نہیں، البتہ زنا بالجبر کو وہ گناہ شمار کرتے ہیں لیکن اسلام کے اندر زنا کسی بھی صورت میں کیوں نہ ہو، خواہ رضا کے ساتھ ہو یا جبر کے ساتھ ہو یہ گناہ ہے۔ پھر یہ کہ کون سے جرم پر کیا سزا دی جائے گی؟ اسلام نے جرائم اور اُن کی سزاؤں کو تین صورتوں میں تقسیم کیا ہے:

جرائم کی پہلی قسم

پہلی قسم ان جرائم کی ہے جن کی سزائیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیشہ کے لیے متعین فرما دی ہیں اور اُن سزاؤں میں کسی بھی حاکم، کسی بھی قاضی، کسی بھی جماعت اور کسی بھی معاشرے کو کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایسے جرائم جن کی سزا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیشہ کے لیے متعین فرما دی ہے وہ صرف چھ ہیں اور ان سزاؤں کو ''حدود'' کہا جاتا ہے۔ گویا حدود صرف چھ ہیں۔ بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے کہ حدود کتنی ہیں؟ جہالت کے باوجود اس بارے میں بحث کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

حدود کی تعداد

کافی عرصہ پہلے کی بات ہے میں بھی اُس وقت نیا نیا پڑھ کر فارغ ہوا تھا۔ بحث و

مناظرہ کا آج بھی مزاج نہیں ہے۔ اس وقت بھی مزاج نہیں تھا۔ ایک صاحب سے بات چیت ہوئی وہ نہ صرف یہ کہ موجودہ علماء کو ہدفِ تنقید بنا رہے تھے بلکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر بھی تنقید کر رہے تھے...... بڑے دھڑلے کے ساتھ، بڑی بے باکی کے ساتھ...... بات چیت ہوتی رہی۔ اچانک میں نے اُن سے یہ سوال کرلیا کہ حدود کتنی ہیں؟ کہنے لگے کہ بہت ساری ہیں۔ میں نے کہا چند ایک بتا دیں۔ کہنے لگے ایک مجلس میں تھوڑی بتائی جا سکتی ہیں حدود تو بے شمار ہیں۔ میں نے اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ کے بندے! حدود تو اتنی ہیں کہ ہاتھ کی انگلیوں پہ گنی جا سکتی ہیں۔ آپ کو حدود اللہ کا تو پتا نہیں ہے اور آپ تنقید کر رہے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر!...... کسی آزاد خیال کا، کسی مخالفِ علماء کا لیکچر، بیان یا تقریر سن کر آ گئے اور تنقید شروع کر دی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر، جن کے ماننے والے اور جن کی فقہ پر چلنے والے اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ ہیں اور کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔

جن جرائم کی سزائیں ہمیشہ کے لیے متعین کر دی گئی ہیں وہ چھ ہیں:

(۱) چوری

(۲) ڈاکہ زنی

(۳) قذف (یعنی تہمت لگانا)

(۴) شراب نوشی

(۵) ارتداد (یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے پھر جانا)

(۶) زنا

انہیں حدود اللہ کہا جاتا ہے اور ان کی مقدار اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے

کتاب وسنت میں ہمیشہ کے لیے متعین کردی ہے۔اس لیے کہ یہ گناہ ایسے تھے کہ اگر ان کی سزا متعین نہ کی جاتی تو اندیشہ تھا کہ مجرم جری ہوجاتے اور ان کی دیکھا دیکھی مجرموں کی ایک بڑی کھیپ اور بڑی جماعت تیار ہوجاتی۔

کیا آپ نہیں دیکھ رہے آج جب زنا کے مجرموں کو سزا نہیں دی جاتی تو اُن کے حوصلے اتنے بڑھ جاتے ہیں اور ان کے اندر بُرائی کے جراثیم ایسے سرائیت کرجاتے ہیں کہ وہ صرف زنا بالا اختیار اور زنا بالرضا پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ زنا بالجبر کی صورتیں ڈھونڈتے ہیں۔ان میں ایسے بھی ہیں جو حیوانوں تک کے ساتھ بدکاری کرتے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو معصوم بچیوں اور بچوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔جب چوروں اور مجرموں کو سزا کا خوف نہیں رہتا تو اُن کا حال یہ ہوجاتا ہے کہ وہ چوری اور جرم کو ایک پیشے کے طور پر، ایک ذریعۂ معاش کے طور پر اختیار کرلیتے ہیں اور پھر کتنے ہی بے روزگار آوارہ نوجوان ہیں جو چوروں اور ڈاکوؤں کی عیش وعشرت اور اُن کے معیار زندگی کی بلندی اور دولت کی ریل پیل کو جب دیکھتے ہیں تو اُن کے دل میں بھی چور اور ڈاکو بننے کے عزائم انگڑائیاں لینے لگتے ہیں۔اچھے اچھے گھرانوں اور بظاہر نیک پس منظر رکھنے والے نوجوان بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی چوری اور ڈکیتی کو اپنا ذریعۂ معاش بنالیتے ہیں۔ اللہ نہ کرے آپ کو کسی چور اچکے سے واسطہ پڑے، اگر ایسا ہوجائے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ اسے اپنا بزنس سمجھتے ہیں اور چھینا جھپٹی کو اپنا حق سمجھتے ہیں، جو شخص ان کے حکم کی تعمیل میں ذرا سی تاخیر کرے اسے مجرم اور قابل گردن زدنی سمجھتے ہیں، لہٰذا سوسائٹی میں ان جرائم کے جراثیم کی روک تھام کے لیے اسلام نے ان چھ جرائم کی سزا متعین کردی ہے اور انہیں حدود کہا جاتا ہے۔

جرائم کی دوسری قسم

دوسری قسم ان جرائم کی ہے جن کی سزا تو اللہ نے متعین فرمائی ہے لیکن متاثرہ پارٹی اور متاثرہ فرد کو اُس میں تبدیلی کا اختیار بھی دیا ہے۔ جیسے قتلِ عمد یا کسی کو زخمی کر دینا، کسی کی آنکھ پھوڑ دینا، کسی کا دانت توڑ دینا، کسی کی ناک توڑ دینا اور کسی کے چہرے پر زخم لگا دینا۔ یہ جرائم ایسے ہیں کہ ان کی سزا اللہ نے خود متعین فرمائی ہے۔

قتل کے بارے میں فرمایا:

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ؕ

(سورۃ البقرۃ:۱۷۸، پ۲)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! مقتولوں کے بارے میں تم پر قصاص فرض کر دیا گیا، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت۔“ (سورۂ بقرہ) زخموں کے بارے میں فرمایا:

وَکَتَبْنَا عَلَیْھِمْ فِیْھَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ

(سورۃ المائدۃ:۴۵، پ۶)

ترجمہ: ”ہم نے ان پر فرض کر دیا تھا، جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور زخموں میں مساوات۔“

اب یہ سزا تو متعین کر دی، لیکن حق دیا مقتول کے ورثاء کو کہ اگر تم چاہو تو قتل کے بدلے قتل نہ کرو بلکہ دیت لے لو۔ اور اگر دیت بھی نہیں لیتے، معاف ہی کر دو تو یہ بہت ہی اچھا ہے۔ فرمایا کہ

ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ

(سورۃ البقرۃ:۱۷۸، پ۲)

ترجمہ: یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف، آسانی، رحمت اور مہربانی ہے۔

اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ہر صورت میں جان کے بدلے جان ہی ضروری ہے بلکہ اگر جان کے بدلے دیت لینا چاہیں، لے سکتے ہیں۔ اگر معاف کرنا چاہیں تو معاف کر سکتے ہیں۔

بعض اوقات قتل کی ایسی صورتیں وقوع پذیر ہو جاتی ہیں کہ تحقیق کرنے سے پتا چلتا ہے کہ واقعی یہ قاتل کی طرف سے ایک ہنگامی اور جذباتی قسم کا عمل تھا سوچا سمجھا قتل کرنے کا فیصلہ نہ تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ قاتل کے بچے یتیم ہونے کا خطرہ ہو جبکہ بچے ہوں بھی چھوٹے!

اس کے والدین کے بے سہارا ہونے کا خطرہ......

گھر میں کوئی کمانے والا نہیں ہے......

اس لیے ترغیب دی گئی کہ اگر تم معاف کر دو اپنے بھائی کو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

تو جرائم کی یہ دوسری قسم ہے جس میں اللہ نے سزا تو متعین کی ہے مگر اس میں متاثرہ فریق کو رد و بدل کا اختیار دیا ہے۔

جرائم کی تیسری قسم

جرائم کی تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ نے جرم کی کوئی سزا متعین نہیں فرمائی، بلکہ وقت کے حاکم، وقت کے قاضی اور وقت کے جج کی صوابدید پر چھوڑ دیا کہ زمان اور مکان دیکھ کر، حالات اور اسباب دیکھ کر، منظر اور پس منظر دیکھ کر، جرم اور جرم کی نوعیت کو دیکھ کر تم جو چاہو سزا تجویز کر سکتے ہو۔ ان سزاؤں کو تعزیرات کہا جاتا ہے۔ کتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ تعزیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ قاضی کسی کو برسرِ مجلس ڈانٹ دے، یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اُس کے کان کھینچ لے، یہ بھی ہوسکتی ہے اُس کو تھپڑ مار دے، یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسے برسرِ عام چند کوڑے لگوادے اور یہ بھی ہوسکتی ہے کہ قاضی مجرم کو قتل کرنے کا حکم دیدے۔ تعزیرات کا باب بڑا وسیع ہے۔ اور آپ نے دیکھا کہ حدود کے جو چھ جرائم ہیں ان کی سزا متعین ہوئی، قتل کی سزا متعین ہوئی اور ان چھ جرائم کے علاوہ جتنے بھی جرائم ہیں ظاہر ہے کہ سینکڑوں اور ہزاروں قسم کے جرائم ہوسکتے ہیں۔ ازدواجی زندگی کے بارے میں جرائم ہوسکتے ہیں، طلاق کے بارے میں جرائم ہوسکتے ہیں، مالی معاملات کے جرائم ہوسکتے ہیں، خرید و فروخت کے جرائم ہوسکتے ہیں، دوکان اور مارکیٹ کے جرائم ہوسکتے ہیں، ٹریفک کے جرائم ہوسکتے ہیں۔ سینکڑوں اور ہزاروں قسم کے جرائم وہ ہیں جن کی سزا شریعت نے متعین نہیں کی ہے بلکہ قاضی، جج اور حاکم کی صِوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔

البتہ علماء فرماتے ہیں چوں کہ اس زر پرستی، دولت پرستی اور سفارش کے چلن کے دور میں ممکن ہے کہ جج کسی کی چمک دمک سے متاثر ہوجائے۔ تگڑی سفارش سے متاثر ہوجائے، بڑی کرسی سے متاثر ہوجائے، مشہور خاندان سے متاثر ہوجائے لہٰذا حکومت یہ کرسکتی ہے کہ مختلف جرائم کی سزاؤں کا تعین قاضی کی صوابدید پر چھوڑنے

کی بجائے خود اُن کے لیے قانون سازی کر دے۔جیسا کہ آج کل ایسا ہی ہوتا ہے۔ مختلف جرائم کے لیے قانون سازی کر دی گئی ہے یا بوقتِ ضرورت کر دی جاتی ہے۔ تو یہ تین قسم کے جرائم ہیں اوران پر تین قسم کی سزائیں ہیں، یعنی:

(۱) حدود (۲) قصاص اور دیت (۳) تعزیرات

چور کی سزا قرآن کی نظر میں

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۳۸ میں ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۳۸

(سورہ المائدہ آیت ۳۸ پ ۶)

ترجمہ: ’’چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت ان کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ سزا ہے اُس جرم کی جو انہوں نے کیا اور اللہ کی طرف سے لوگوں کے لیے اس میں عبرت کا سامان ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔‘‘

عام طور پر قرآن کا انداز یہ ہے کہ قرآن کوئی حکم یا کوئی قانون مردوں کے لیے بیان کرتا ہے اور عورتیں اس میں خود بخود شامل ہو جاتی ہیں۔لیکن جب اللہ نے چوری اور زنا ان دو جرموں کی سزا بیان فرمائی تو مرد کا ذکر الگ کیا اور عورت کا ذکر الگ کیا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ شاید مرد کو تو چوری اور زنا کی سزا دی جائے گی لیکن عورت کو کمزور ہونے کی وجہ سے سزا نہیں دی جائے گی۔اللہ نے صراحۃً فرمایا چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں۔البتہ یہ امر ملحوظ رکھا

کہ جہاں چوری کی سزا ذکر فرمائی تو مرد کا ذکر پہلے اور عورت کا ذکر بعد میں فرمایا اور جہاں زنا کی سزا ذکر فرمائی (سورۂ نور میں الزانیۃ والزانی) تو وہاں عورت کا ذکر پہلے کیا اور مرد کا ذکر بعد میں کیا۔ اس لیے کہ چوری چکاری میں عام طور پر مرد ملوث ہوتے تھے۔ عورتیں شاذ ونادر چوری کا ارتکاب کیا کرتی تھیں۔

ہمارے آقا حضرت محمد رسول ﷺ کے زمانے میں، آپ کی حیاتِ طیبہ میں ایک عورت چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی اور اتفاق سے اُس عورت کا نام بھی فاطمہ تھا۔ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ بڑے قبیلہ کی وہ خاتون تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ کسی طریقہ سے سفارش کرائی جائے۔ کیوں کہ اگر ہمارے قبیلہ کی اس خاتون کا ہاتھ کٹ گیا تو معاشرہ میں ہماری ناک کٹ جائے گی۔ اب سفارش کون کرے؟ نگاہیں دوڑائیں تو جا کر نظر ٹھہری حضرتِ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پر۔ حضور اکرم ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ۔ اس سے آپ یہ بھی اندازہ لگائیں کہ اسلام نے غلاموں کو کیا مقام دیا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ آزاد کردہ غلام تھے۔ ایک طرف تو آپ نے اُن کو عزت دی۔ منہ بولا بیٹا بنا کر اور پھر جیسے زید رضی اللہ عنہ سے محبت تھی زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ سے بھی بے پناہ محبت تھی۔ یہاں تک کہ جب بنو مخزوم کے لوگوں نے کوئی سفارشی تلاش کرنا چاہا تو نظر ٹھہری حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ یہ سفارش کرے تو بات بن سکتی ہے۔

جانتے تھے اُن کے ساتھ حضور ﷺ کی محبت کو۔ اللہ اکبر!

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو تیار کیا سفارش کے لیے۔ ڈرتے جھجکتے اُن کے اصرار پر

دربارِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ جب حضور ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے سفارش کے الفاظ سنے تو آپ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ غصہ کی سرخی چھا گئی اور آپ نے فرمایا:

”اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ“

کیا اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں تم سفارش کر رہے ہو؟ حدود اللہ کے بارے میں سفارش؟

”تم سے پہلے جو قومیں تھیں وہ اسی لیے تباہ ہو گئیں کہ جب اُن کا کوئی کمزور اور ضعیف جرم کرتا تھا تو اُسے سزا دی جاتی تھی اور جب بڑا اور طاقتور جرم کرتا تھا تو سفارش کے زور پر بچ جاتا تھا۔“

”اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اُس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔“

یہ تھا اسلام کا وہ قانونِ عدل اور نظامِ مساوات اور اُس کا عملی نفاذ جس کی وجہ سے بڑے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے مجرم بھی یہ جانتے تھے کہ اگر ہم نے جرم کیا تو ہم پر بھی اسلام کا قانون جاری ہوگا۔

پھر ایک زمانہ تھا جب عورتوں سے چوری کا جرم شاذ و نادر صادر ہوتا تھا۔ مگر آج ہمارے ماڈرن، ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ دور میں جہاں عورت ہر میدان میں مرد کے ساتھ کندھا ملا کر چل رہی ہے۔ آپ اخبارات دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے چوری اور ڈکیتی میں بھی عورت مرد کے ساتھ کندھا ملا کر چل رہی ہے، کئی گھروں میں وارداتیں عورتوں کے ذریعے ہوتی ہیں، گزشتہ سال ایک نوجوان کار چھینتے ہوئے پکڑا گیا،

گرفتاری کے بعد پتہ چلا کہ وہ تو لڑکی ہے جس نے چہرے پر سیفٹی ریز ر چلا چلا کر کچھ بال نکال لیے تھے۔

دوسری حد

دوسری حد ڈکیتی اور راہزنی کی ہے۔

سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۳۳ میں اللہ نے اس کی سزا ذکر فرمائی:

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾

(سورۃ المائدۃ:۳۳، پ۶)

اُن لوگوں کی سزا جو اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں اُن کی سزا یہ ہے کہ اُنہیں قتل کیا جائے یا سولی چڑھایا جائے یا اُلٹی جانب سے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا زمین سے اُن کو نکال دیا جائے یہ تو دنیا کی زندگی میں ذلت اور رسوائی ہے لیکن یہ مت سمجھیں کہ اگر دنیا کی سزا ان پر جاری کردی گئی تو وہ آخرت کی سزا سے بچ جائیں گے۔ اُن کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ سوائے اُن کے جو توبہ کرلیں، ان پر قابو پائے جانے سے پہلے بس جان لو کہ اللہ بڑا بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔

رہزنی اور چوری میں فرق کیا ہے؟ چوری میں یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی کا مال

خفیہ طریقے سے اڑالیتا ہے اور رہزنی میں یہ ہوتا ہے کہ طاقت کے زور پر، اسلحہ کی نمائش کر کے، دوسرے کو دبا کر، سینہ زوری کے ساتھ اُس کا مال ہتھیالیا جاتا ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی چار صورتیں مقرر ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) پہلی صورت یہ کہ ڈاکوؤں کے کسی گروہ نے طاقت کے زور پر دہشت پھیلائی، کسی کو دبالیا، لیکن نہ مال لوٹ سکے نہ کسی کو قتل کر سکے تو اُن کی سزا یہ ہے کہ اُن کو جیل میں رکھا جائے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلیں۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ڈاکوؤں نے مال لوٹا مگر کسی کو قتل نہیں کیا، اس کی سزا یہ ہے کہ ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ ڈاکوؤں نے کسی کو قتل کیا مگر مال نہیں لوٹا۔ اس صورت میں سارے ڈاکوؤں کو چاہے وہ ایک ہوں یا دس ہوں اور قتل ہونے والا ایک ہو یا دو ہوں، سارے ڈاکوؤں کو اس قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ اُنہوں نے مال بھی لوٹا اور کسی کو قتل بھی کیا تو اب قاضی اور جج کو اختیار ہے وہ چاہے تو پہلے اُلٹی جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ اُس کے بعد ان کو قتل کردے یا سولی چڑھادے یا ہاتھ پاؤں کاٹے بغیر ہی انہیں سولی چڑھا دیا جائے۔ دونوں باتوں کا اختیار ہے۔

تیسری حد

تیسری حد جسے قرآن میں بیان کیا گیا، سورۂ نور کی آیت نمبر ۵ میں حدِ قذف، (تہمت لگانے کی حد) ہے۔ کسی مرد پر یا کسی عورت پر جھوٹی تہمت لگادی جائے تو

اسلام نے اس کی بھی حد مقرر کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ

(سورہ النور: ۴، پ ۱۸)

ترجمہ: ''جو لوگ کسی پاکدامن عورت پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور اُن کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو اُن کو اسّی کوڑے لگائے جائیں اور پھر اُن کی کسی بھی معاملے میں کبھی گواہی قبول نہ کی جائے۔''

تہمت لگانے والوں کے لئے دو سزائیں ہیں ایک تو اسّی کوڑے اور دوسرے کسی بھی معاملے میں اُن کی گواہی کو قبول نہ کیا جائے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اگر بالفرض کسی ایک نے یا دو مردوں نے کسی مرد اور عورت کو خلوت میں، تنہائی میں اکٹھے دیکھا تب بھی انہیں اُن پر زنا کی تہمت لگانے کا حق نہیں ہے۔ اگر وہ یہ تہمت لگائیں گے تو اُن پر حدِ قذف جاری ہوگی۔ اس لیے کہ زنا ثابت ہوتا ہے چار گواہوں سے۔ جب تک چار گواہ نہ ہوں اُس وقت تک زنا کا جرم ثابت نہیں ہوتا۔

چوتھی حد

چوتھی حد شراب نوشی کی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کا ذکر تو کیا لیکن اس کی سزا کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ صحابہ کرام ﷺ کا اِجماع ہوگیا کہ شراب نوش کو اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔

پانچویں حد

پانچویں حد ارتداد ہے کہ کوئی شخص دینِ اسلام سے پھر جائے تو وہ کس سزا کا

مستحق ہوگا؟ دیکھئے! اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی بھی شخص کو ایمان قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

(سورۃ البقرۃ: ۲۵۶، پ۳)

لیکن اسلام یہ بھی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص ایمان قبول کرنے کے بعد ایمان سے پھر جائے۔

ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ

ترجمہ: ''جو اپنے دین کو تبدیل کرلے اُس کو قتل کردو۔''

چھٹی حد

چھٹی حد زنا کی ہے۔ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾

(سورۃ النساء: ۱۵، پ۴)

ترجمہ: ''جو عورتیں بدکاری کا ارتکاب کریں اپنے میں سے چار گواہ اُن پر بنالیں۔ اگر وہ گواہی دیں تو پھر اُن کو گھر میں بند کردیں یہاں تک کہ اُنہیں وہیں

موت آجائے یا اللہ اُن کے لیے کوئی راستہ نکال دے۔"

چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پر ایک دفعہ نزولِ وحی کی کیفیت ظاہر ہونا شروع ہوئی، چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا، سردی میں بھی جبینِ اطہر پر پسینے کی بوندیں اور جسم پر خوبصورت سی کپکپی طاری ہوگئی اور جسم کا وزن بہت زیادہ ہونے لگا۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا: مجھ سے لے لو، لے لو۔ اللہ نے جو وعدہ کیا تھا کہ میں بدکاری کرنے والوں کے لیے کوئی راستہ نکالوں گا تو اللہ نے وہ راستہ نکال دیا۔ وہ راستہ یہ ہے کہ اگر غیر شادی شدہ بدکاری کرے تو اُس کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے اور اگر شادی شدہ زنا کرے تو اُس کی سزا رجم ہے یعنی اُسے سنگسار کیا جائے۔

اسلام کا ناصحانہ انداز

کڑی شرائط

یاد رکھیے! اسلام صرف سزاؤں کے اجراء پر ہی زور نہیں دیتا سزا تو آخری حد ہے، سزا نافذ کرنے اور سزا تک پہنچنے سے پہلے، اسلام ایسے احکام اور کڑی شرائط لگاتا ہے جو خیر کے دروازے کھولتی ہیں اور شر کے دروازے بند کرتی ہیں۔ مثلاً آپ زنا کی سزا کو لے لیجئے۔

اسلام نے سب سے پہلے عورت کو پردے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ

(سورۃ الأحزاب: ۵۹، پ۲۲)

اے نبی! حکم فرمادیجیے اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں کو کہ اپنے اوپر چادر لٹکا لیا کریں

پردہ عورت کی عزت اور ناموس کا محافظ ہے۔ پردہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔ دوسرا حکم دیا پہلے مردوں کو اور پھر عورتوں کو:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ۔

(سورۃ النور: ۳۱، پ۱۸)

ایمان والی عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نظریں جھکا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

تیسرا حکم دیا:

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ (سورۃ الأحزاب: ۳۳، پ۲۲)

ترجمہ: ''اپنے گھروں میں رہا کرو۔'' (بلاضرورت گھر سے باہر نہ نکلا کرو)

بلاضرورت، بلا مجبوری محض پارٹیوں میں شرکت کے لیے، محض محفلیں اٹینڈ کرنے کے لیے، محض شاپنگ کا شوق پورا کرنے کے لیے اور محض بازاروں میں گھومنے پھرنے کے لیے گھروں سے نہ نکلا کرو۔ تمہارے لیے سب سے محفوظ پناہ گاہ تمہارا گھر ہے۔ چوتھا حکم دیا:

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی

(سورۃ الأحزاب: ۳۳، پ۲۲)

ترجمہ: ’’زمانۂ جاہلیت کی طرح بن سنور کر گھر سے نہ نکلا کرو۔‘‘

زمانۂ جاہلیت کی طرح بن سنور کر مردوں کو متوجہ کرنے کے لیے گھر سے باہر مت نکلو۔ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ جہاں عورت کو بننا سنورنا چاہیے وہاں تو میلی کچیلی رہتی ہے اور جہاں سادگی کے ساتھ جانا چاہیے وہاں بن سنور کر جاتی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عورت گھر کے اندر اپنے شوہر کے لیے صاف ستھری رہے، بن سنور کر رہے، زیبائش وآرائش کے ساتھ رہے، اچھے لباس میں رہے، زیور پہن کر رہے اور باہر نکلے تو سادگی کے ساتھ خوشبو بھی ایسی تیز نہ لگائے جو غیر مردوں کو اُس کی طرف متوجہ کرے۔ لیکن ہو رہا ہے اس کے برعکس۔ گھر میں میلی کچیلی اور باہر نکلے تو بن سنور کر۔

پانچواں حکم اسلام نے عورتوں کو یہ دیا کہ دیکھو! غیر محرم کے ساتھ نزاکت والے انداز میں، لوچدار لہجے میں گفتگو نہ کیا کرو۔ سورۂ احزاب میں ہے:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ

(سورۃ الأحزاب: ۳۲، پ ۲۲)

نزاکت والے انداز میں، لوچدار لہجے میں غیر محرم مردوں کے ساتھ بات نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو جس کے ساتھ تم اس انداز میں بات کرو اُس کے دل میں بیماری کے جراثیم پیدا ہو جائیں، اُس کے دل میں تمہارے بارے میں برائی کا منصوبہ آ جائے، یہ خطاب کن سے تھا؟ ازواجِ مطہرات سے! اُن سے بات کرنے والے کون تھے؟ صحابہ کرام! ازواجِ مطہرات کون تھیں؟ صحابہ کی اور پوری امت کی روحانی مائیں! صحابہ رضی اللہ عنہم کون تھے؟ ازواجِ مطہرات کے روحانی بیٹے۔ اللہ ماؤں کو کہہ رہے

ہیں...... روحانی ماؤں کو...... کہ اپنے روحانی بیٹوں کے ساتھ نزاکت والے انداز میں بات نہ کرنا کہیں شیطان اُن کے دل میں برائی کا وسوسہ نہ پیدا کر دے۔

برائی کی دیمک سے کھوکھلا ہونے والے آج کے اس معاشرے میں تو عورت کا یہ انداز گفتگو اور بھی زیادہ فتنہ کا سبب بن سکتا ہے۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ سزا کا معاملہ تو بہت بعد میں ہے اُس سے پہلے یہ مراحل ہیں:

شر کا، زنا کا، بدکاری کا دروازہ بند کرنے کے لیے عورت کو حکم دیا پردے گا۔

حکم دیا نظریں جھکا کر رکھنے کا......

حکم دیا گھر میں رہنے کا......

حکم دیا بن سنور کر باہر نہ نکلنے کا۔

حکم دیا غیر محرموں کے ساتھ نزاکت والے لہجے میں گفتگو نہ کرنے کا......

اور مردوں کو کیا حکم دیا؟

مردوں کو حکم دیا کہ نظریں جھکا کر رکھو اور نکاح کرو۔ قرآن میں بھی حکم دیا، حدیث میں بھی۔

''اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: اے نوجوانوں کی جماعت! جو تم سے طاقت رکھتا ہے اور اپنے اندر قوت محسوس کرتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ نکاح کر لے، اس لیے کہ اس سے نظروں کی حفاظت ہوگی اور شرم گاہ کی بھی حفاظت ہوگی۔''

پھر نکاح کے معاملے کو شریعت نے آسان تر کر دیا نہ بارات کی ضرورت، نہ جہیز کی ضرورت، نہ ڈھول ڈھمکوں کی ضرورت، نہ نمود و نمائش کی ضرورت یہاں تک کہ

نکاح خواں قاضی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول سے نکاح ہوسکتا ہے۔ پھر مرد کو یہ بھی اجازت دی کہ اگر تمہاری شہوت ایک عورت سے پوری نہیں ہوتی تو دو نکاح کرلو، تین کرلو، چار کرلو۔

یہ سب آسانیاں کیوں ہیں؟ یہ سدِ باب ہو رہا ہے بدکاری اور زنا کا۔ جو شخص زنا کا ارتکاب کرتا ہے وہ صرف ایک حکم حرمت پامال نہیں کرتا کئی حکموں کی حرمت پامال کر کے بدکاری تک پہنچتا ہے۔

پھر جس طرح شریعت نے گناہ کے سدّ باب کے لیے حفظ ماتقدم کے طور پر سخت شرطیں لگائیں اسی طرح گناہ کے بعد اس کے ثبوت کے لیے بھی ٹھوس اور مضبوط شرائط کا پایا جانا لازمی قرار دیا، مثلاً زنا ہی کو لے لیجیے، اس جرم کے ثبوت کے لیے یہ شرط لگائی کہ گواہ ایسے ہوں جنہوں نے عین بدکاری کی حالت میں مرد اور عورت و دیکھا ہو تب جرم ثابت ہوگا اور سزا ملے گی ورنہ ذرا سا بھی شک شبہ ہو تو مجرم سے حد ساقط ہوجائے گی۔ حکم دیا گیا ہے:

ادراؤ الحدود بالشبهات فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطي في العفو خير من أن يخطئ في العقوبة۔

شبہات کی وجہ سے حدود ساقط کردو، اگر ملزم کے بچاؤ کی کوئی صورت ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ امام کا معاف کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔

اسلام نے حدود کے معاملے میں مجرم کو بچانے کی کوشش کی ہے پھنسانے کی کوشش نہیں کی۔ ایسا نہیں کیا کہ کسی نہ کسی طریقے سے جرم ثابت کیا جائے اور پھر مجرم

پر حد جاری کر دی جائے بلکہ کوشش یہ کی گئی کہ کسی طریقہ سے اس کی بے گناہی ثابت ہو جائے اور اس کو آزاد کر دیا جائے۔

حدود اور شبہات

حضور علیہ السلام کے پاس ایک صاحب جن کا نام ماعز بن مالک تھا وہ آتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ میں نے گناہ کیا ہے، زنا کیا ہے یا رسول اللہ ﷺ! مجھے پاک کر دیں۔

ارے! کیا معاشرہ تیار کیا تھا میرے آقا نے؟

کیا سوسائٹی بنائی تھی؟......

کیا لوگ بنائے تھے؟......

آج تو لوگ سو قتل کر کے بھی اپنے جرم کا اقرار نہیں کرتے اور ادھر یہ حالت ہے کہ جرم ہو گیا تو فوراً عرض کر رہے ہیں: اللہ کے نبی! مجھے پاک کر دیں، میں ناپاک ہو گیا ہوں۔ دائیں طرف سے آئے۔ حضور نے چہرہ بائیں طرف پھیر لیا، وہ ادھر آ گئے کہ مجھے پاک کر دیں۔ آپ نے ادھر منہ پھیر لیا، وہ پھر ادھر آ گئے، ادھر منہ پھیر لیا، چار دفعہ اقرار کیا اور پھر حضور ﷺ فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے تم نے ایسے ہی چھیڑ چھاڑ کیا ہو، بوس و کنار کیا ہو؟ اس لیے کہ زنا ہاتھوں سے بھی ہوتا ہے، زنا پیروں سے بھی ہوتا ہے، زنا نظر سے بھی ہوتا ہے، زنا زبان سے بھی ہوتا ہے۔ پھر فرمایا لوگو دیکھو کہیں یہ دیوانہ تو نہیں ہے؟ پاگل تو نہیں ہے؟ کہیں اس نے شراب تو نہیں پی؟ نشہ میں تو ایسی باتیں نہیں کر رہا؟ تحقیق کی گئی۔ ثابت ہوا دیوانہ بھی نہیں، نشہ میں بھی نہیں، اب سزا جاری کی گئی۔

غور کیجیے! مجرم کو سزا سے بچانے کی کتنی بھرپور کوشش کی جارہی ہے، کبھی اس سے اعراض کر کے اس کی بات کو قابل توجہ ہی نہیں بننے دیا جارہا تو کبھی اس کے ہوش و حواس کی تحقیق کی جارہی ہے اور سزا جاری ہو رہی ہے تو ان تمام مراحل کی تکمیل کے بعد۔

مجرم کو بچانے کی پوری کوشش کی گئی، مکمل تحقیق کے بعد جاری کی گئی۔ بعض روایات میں ایک شخص کے بارے میں آتا ہے کہ جب اس پر سزا جاری کی گئی اور اُس کے جسم سے خون نکلا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زبان سے اس شخص کے بارے میں کچھ سخت الفاظ نکل گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک بات پہنچی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خالد! اُسے برا بھلا مت کہو۔ اُس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے سارے گناہ گاروں میں اسے تقسیم کردیا جائے تو سب کی بخشش ہو جائے۔

عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک چور کا ہاتھ کاٹا گیا، ہاتھ اُدھر پڑا ہوا ہے۔ چور ادھر کھڑا ہے چور اپنے ہاتھ سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اللہ کا شکر ہے جس نے تیرے جیسے ہاتھ سے مجھے نجات دیدی۔ تو چوری کرنے والا ہاتھ تھا۔ میرے ساتھ لگا رہتا، مجھے دوزخ میں لے جاتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اللہ نے تجھ سے نجات دیدی۔

ہے کوئی مجرم؟ جس پر سزا جاری کی جائے آج کے دور میں اور وہ یوں کہے کہ اللہ کا شکر کہ میں آخرت کے عذاب سے بچ گیا؟

بعض لوگ پروپیگنڈہ کرتے ہیں اگر چوروں کے ہاتھ کاٹے گئے تو ہر طرف ہاتھ کٹے لوگ دکھائی دیں گے۔ یہ بات اُس معاشرے کے لوگ کہہ سکتے ہیں جو معاشرہ چوروں کا معاشرہ ہو، ہر طرف چور ہی چور، کوئی چھوٹا چور، کوئی بڑا چور۔ کوئی خاک پر

بیٹھا ہوا ہے کوئی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ تو اس لیے چوروں کے معاشرے کا خیال یہ ہے کہ اگر ہاتھ کاٹے گئے تو ہر طرف گویا کہ ہاتھ کٹے لوگ دکھائی دیں گے۔ میں کہتا ہوں چاروں صوبوں میں سے چار یا اٹھ چوروں کے ہاتھ کٹ جائیں تو پورے ملک کو امن اور سکون مل جائے اور یہ بہت سستا سودا ہے۔ اگر چار ہاتھ کٹ کر پندرہ کروڑ انسان محفوظ ہو جائیں تو یہ سودا اتنا مہنگا نہیں ہے۔

سعودی عرب میں بھی چوری ڈکیتی ہوتی تھی، حاجیوں کے قافلے تک محفوظ نہیں تھے۔ انہیں لوٹ لیا جاتا تھا، لیکن جب چوری کی سزا نافذ کی گئی تو جامعہ ازہر کے شیخ عبدالحلیم کا بیان اخبارات میں آیا تھا کہ اٹھارہ سال میں سعودیہ میں صرف دس آدمیوں کے ہاتھ کٹے، یہ بھی ابتدائی زمانے کی بات ہے اور اُن دس چوروں میں بھی زیادہ تر غیر ملکی تھے، سعودی نہ تھے غیر ملکی جو سعودیہ کے قانون سے واقف نہیں تھے اور چوری کے عادی تھے وہاں جا کر بھی باز نہ آئے۔

لیکن چلیں سعودیہ کی مثال چھوڑ دیں۔ آپ اپنے قریبی ملک افغانستان کو دیکھ لیں! طالبان سے آپ کو بہت شکایتیں ہوں گی، آپ کہہ سکتے ہیں اُن سے غلطیاں ہوئیں، غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں؟ مگر آپ یہ دیکھیے کہ وہاں بے انتہا غربت تھی، صرف سادہ روٹی جسے میسر آجاتی وہ اپنے آپ کو خوشحال سمجھتا تھا، اُس غربت زدہ اور جنگ زدہ ملک کے اندر طالبان نے اسلامی سزاؤں کا قانون جاری کیا، غربت کے باوجود چوریوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور جو لوگ کہتے تھے کہ غربت اور جرم کا چولی دامن کا ساتھ ہے اُن کے منہ بند ہو کر رہ گئے، غربت تھی اور جرم نہیں تھے۔ چوری چکاری نہیں تھی اور جوں ہی طالبان رخصت ہوئے، ڈالرو کی بارش ہونے لگی، دولت کی

ریل پیل ہونے لگی اور ساتھ ساتھ چوری اور ڈکیتی کا سلسلہ بھی دراز تر ہوگیا۔

مجرم اور معاشرہ

یاد رکھیے! اسلام میں مجرموں کو اہمیت نہیں معاشرے کو اہمیت ہے، مگر ہم مجرموں کو اہمیت دینا چاہتے ہیں۔ آج کل اخبارات میں پورے پورے صفحے کے اشتہارات آرہے ہیں، حدود آرڈیننس کے بارے میں اور بڑے مذاکرے اور مباحثے ہورہے ہیں۔ حالانکہ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ بجٹ پر بحث کی جاتی۔

ضرورت اس کی تھی کہ ملک میں جرائم کثرت سے ہورہے ہیں ان پر بحث کی جاتی ہے۔

ضرورت تو اس بات کی تھی کہ ملک کی صنعتیں، ملک کی جائیدادیں کوڑیوں کے بھاؤ فروخت کی جارہی ہیں، اس پر بحث کی جاتی، لیکن یکا یک ضرورت پڑگئی حدود آرڈیننس پر بحث کرنے کی۔

ﷲ! عورت کو مظلوم بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور حدود میں ترمیم کی کوشش کی جاتی ہے لیکن ہماری این جی اوز ظالم وڈیروں اور جاگیرداروں کے خلاف آواز کیوں نہیں اٹھاتیں؟ اُن کے خلاف آج تک میں نے اشتہار نہیں دیکھا، جو ظالم جاگیردار اور وڈیرے بعض بے سہارا غریب بچیوں کی برسرِ عام عزت لوٹ لیتے ہیں۔ ایسے واقعات بھی پیش آئے، ہم نے اخبارات میں خبریں پڑھیں، بہنوں بیٹیوں اور ماؤں کو ننگا کرکے بازاروں اور گلیوں میں پھرایا گیا۔ کیا اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں تھی؟ آپ کو مجرموں سے تو ہمدردی ہے، مظلوموں سے ہمدردی نہیں۔

چوروں سے ہمدردی ہے۔ لٹنے والوں سے ہمدردی نہیں، اس بوڑھے باپ سے ہمدردی نہیں جس کی نوجوان بیٹی کی آبرو اس کے سامنے لوٹ لی جاتی ہے اور ساتھ ساتھ گھر کا صفایا بھی کردیا جاتا ہے۔

معاذ اللہ! ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ہمارا معاشرہ مجرموں کا حمایتی معاشرہ بن گیا ہے۔ کاروکاری کے نام پر بیسیوں قتل ہوجائیں اُس کی پرواہ نہیں اور رجم میں ایک کا قتل ہوجائے اُس پر شور مچایا جاتا ہے۔ قبائلی انتقام میں بیسیوں قتل ہوجائیں اس کی پرواہ نہیں اور قصاص میں ایک کو قتل کیا جائے تو اُس کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے۔

تحفظِ خواتین بل، اسلام سے متصادم نظریہ

آیئے! آخر میں ایک نظر تحفظِ خواتین بل پر بھی ڈال لیں۔

حال ہی میں ''تحفظِ خواتین'' کے نام سے جو بل آیا ہے، پہلے اس پر میڈیا میں خوب مذاکرے کروائے گئے اور کوشش کی گئی کہ مذاکروں میں ایسے لوگوں کو دعوت دی جائے جو مادر پدر آزادی کے حامی ہیں اور بہر صورت حدود اللہ سے جان چھڑانا چاہتے ہیں، سادہ لوح عوام کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے بعد اسے قومی اسمبلی سے منظور کرالیا گیا ہے۔

اس بل کے بارے میں کئی مضامین آپ نے دیکھے ہوں گے، سب سے آسان فہم مضمون شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زیدہ مجدہ کا تھا جو پمفلٹ کی صورت میں شائع ہوچکا ہے۔

حکومت اور اس کے حامی یہ پروپیگنڈا کرنے میں مصروف ہیں کہ حدود

آرڈیننس کی وجہ سے خواتین ظلم وستم کا نشانہ بنی ہوئی تھیں اور تحفظ خواتین بل نے ان مظالم کا مداوا کر دیا ہے۔

لیکن اگر غور سے اس بل کا مطالعہ کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ اس بل کو تحفظِ خواتین کے بجائے تحفظِ زنا کا نام دینا چاہیے، ہم تفصیل میں نہیں جانا چاہتے آپ صرف دو باتیں ملحوظ رکھیں:

پہلی بات یہ ہے کہ اسلام نے زنا کی جو حد مقرر کی ہے وہ زنا بالرضا اور زنا بالجبر دونوں کے لیے ہے لیکن اس بل میں دونوں میں فرق کرتے ہوئے زنا بالجبر کی شرعی سزا بالکل ختم کر دی گئی ہے۔

جب سوال کیا جاتا ہے کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے تو جواب دیا جاتا ہے کہ ہم نے عورت کو ظلم سے بچانے کے لیے ایسا کیا ہے کیونکہ ہوتا یہ تھا کہ جب کسی عورت کے ساتھ جبراً زنا ہوتا اور وہ مرد کے خلاف مقدمہ درج کروانے کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتی تو عدالت اس سے چار گواہوں کا مطالبہ کرتی تھی جب وہ چار گواہ پیش نہ کر سکتی تو اُلٹا اسی کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جاتا تھا۔

لیکن حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ جو کہ پہلے وفاقی شرعی عدالت کے جج کی حیثیت سے اور پھر سترہ سال تک سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بینچ کے رکن کی حیثیت سے حدود آرڈیننس کے تحت درج ہونے والے مقدمات کی براہ راست سماعت کرتے رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اتنے طویل عرصے میں میرے علم میں کوئی ایک مقدمہ بھی ایسا نہیں آیا جس میں زنا بالجبر کی کسی مظلومہ کو اس بناء پر سزا دی گئی ہو کہ وہ چار گواہ پیش نہیں کر سکی، مولانا کے علاوہ دوسرے جج حضرات بھی یہی کہہ رہے

ہیں۔

عورت کے ساتھ ظلم تو کیا ہوتا؟ حقیقت یہ ہے کہ عورت رضا مندی سے گھر سے بھاگتی تھی اور زنا کے عمل میں شریک ہوتی تھی پھر جب وہ پکڑی جاتی تو خاندان والوں کے دباؤ کی وجہ سے عدالت میں کہہ دیتی تھی کہ میرے ساتھ جبر ہوا ہے چنانچہ اسے شک کا فائدہ دے کر چھوڑ دیا جاتا تھا اور مرد کو سزا دی جاتی تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اب تک زنا ایک "قابل دست اندازیٔ پولیس" جرم تھا لیکن موجودہ بل میں اسے "ناقابل دست اندازیٔ پولیس" جرم قرار دے دیا گیا ہے چنانچہ اس جرم کی ایف آئی آر تھانے میں درج نہیں کرائی جاسکتی بلکہ اس کی شکایت عدالت میں کرنی ہوگی اور شکایت کے وقت دو عینی گواہ ساتھ لے جانے ہوں گے، جن کا حلفی بیان عدالت قلمبند کرے گی، اس کے بعد عدالت کو اختیار ہے کہ وہ مزید کارروائی کے لیے ملزم کو سمن جاری کرے یا پھر اسی وقت مقدمہ خارج کردے۔

اس طرح فحاشی کے جرم کو ثابت کرنا اتنا دشوار بنا دیا گیا ہے کہ اس کے تحت کسی کو سزا دینا عملاً بہت مشکل ہے۔

اس قانون سازی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ کئی محلوں میں فحاشی کے اڈے کھل گئے ہیں، اہل محلہ ان سے تنگ ہیں، تھانے میں شکایت کرتے ہیں تو پولیس کہتی ہے، دخل دینا ہمارے اختیار سے باہر ہے، آپ بتائیے کون دو عینی گواہ تلاش کرے اور انہیں عدالت میں لے کر جائے جبکہ عدالت کا دخل دینا بھی یقینی نہیں ہے، اس کا دل مطمئن ہوگا تو وہ ملزم کو طلب کرے گی اور اگر اسے اطمینان نہ ہوا تو کسی کارروائی کے بغیر مقدمہ خارج کردے گی۔

میرے بزرگو اور دوستو! میری بہنو اور بیٹیو! اللہ نہ کرے آج اگر یہ خدا کے خوف سے عاری طبقہ حدود کو آئین سے نکالنے یا ان میں تحریف کرنے میں کامیاب ہو گیا، تو خطرہ ہے کل توہین رسالت کا قانون اور جتنی اسلامی شقیں ہیں وہ آہستہ آہستہ انسانی حقوق کے نام پر، آزادی کے نام پر، آزادیٔ نسواں کے نام پر، جمہوریت کے نام پر نکال دی جائیں گی۔

اللہ پاک نے ہمیں زندگی اور ہمت عطا فرمائی تو ہماری آواز اُن لوگوں کے ساتھ ہوگی جو اسلام کے قانون کو زندگی کے ہر شعبے میں جاری دیکھنا چاہتے ہیں۔ تجارت کے شعبے میں بھی، سیاست کے شعبے میں بھی، عدالت کے شعبے میں بھی اور ایوانِ حکومت کے شعبے میں ہوگی۔

ہماری آواز اُن لوگوں کے ساتھ نہیں ہوگی جو اسلام آباد سے اسلام کو نکالنا چاہتے ہیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

عالمی وملکی سطح پر بھوک افلاس و غذائی قلت کے اسباب

از افادات
داعی قرآن، مفسرِ قرآن
حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب
مولانا اشفاق احمد
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروق

- کیاعالمی سطح پر غذائی قلت کا ذمہ دار موجودہ سرمایہ دارانہ نظام ہے؟
- ورلڈ بینک، IMF اور یہودی لابی کے زیر تسلط ملٹی نیشنل کمپنیوں کا کردار بھوک وافلاس کے حوالے سے۔
- سرمایہ دارانہ نظام کے اہم عناصر ''ارتکاز دولت'' اور ''سٹہ بازی'' موجودہ صورتحال کو ابتر بنانے میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟
- بھوک وافلاس کی موجودہ کیفیت کو ختم کرنے کے حوالے سے قرآن وحدیث ہماری کیا رہنمائی کرتے ہیں؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ

اَمَّا بَعۡدُ:

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا وَیَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّہَا وَمُسۡتَوۡدَعَہَا ؕ کُلٌّ فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ۝۶

(سورۃ ھود آیت ۶ پارہ ۱۲)

وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُہٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُہٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۝۲۱

(سورۃ الحجر آیت ۲۱ پارہ ۱۴)

اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰہُ بِقَدَرٍ ۝۴۹

(سورۃ القمر آیت ۴۹ پارہ ۲۷)

قابلِ احترام بھائیو!

آج کا موضوع ہے عالمی وملکی سطح پر بھوک وافلاس اورغذائی قلت کے اسباب، اِس موضوع کے حوالے سے جوسوالات اُٹھائے گئے ہیں ان سے پہلے

چند باتیں ذہن نشین کرلیں۔اِس کائنات سے متعلق فرمایا

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

(سورۃالبقرہ آیت ۲۸۴ پارہ ۳)

جو کچھ آسمانوں وزمینوں میں ہے وہ سب اللہ کا ہے،انسان نائب ہے، مالک نہیں،زمین اللہ کی ملکیت ،آسمان اللہ کی ملکیت،سورج ،چاند،ستارے اللہ کی ملکیت ،یہ نہریں،لہریں،کھیت سب اللہ کی ملکیت،زمین کے اندر جوخزانے ہیں وہ سارے کے سارے اللہ کی ملکیت ،جن ،انسان،فرشتے اللہ کی ملکیت،انسان ان چیزوں کا مالک حقیقی نہیں،عارضی طور پر اللہ نے ان چیزوں کا مالک بنایا ہے،ورنہ حقیقی مالک اللہ ہی ہیں۔

دوسری بات کہ اس دنیا میں لاکھوں قسم کی مخلوق ہے،خواہ وہ سمندر میں ہو،یا فضا میں ہو، پہاڑوں میں ہو، جنگلات میں ہو،زمین کے نیچے ہو،آسمان میں ہو،ساری مخلوق کو روزی دینا (اللہ فرماتے ہیں) میرے ذمے ہے۔بارہویں پارے کی آیت

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝

(ھود آیت ۶ پارہ ۱۲)

زمین پر جتنے بھی چلنے والے حشرات ہیں سب کی روزی اللہ کے ذمے ہے،اللہ جانتا ہے اِن کے کھانوں کو بھی، آدمی کے کھانوں کو بھی جانتا ہے،اوران کے مستقبل کے کھانوں کو بھی،توسب کو اللہ پاک روزی پہنچاتے ہیں۔

تیسری جو بنیادی بات ذہن نشین کرنے کی ہے وہ یہ کہ ساری چیزوں کے خزانے اللہ پاک کے پاس ہیں اوراتنے خزانے ہیں کہ جوانسانوں اور جنوں کے استعمال کرنے کے باوجود ختم نہیں ہوتے۔ سورۃ الحجر میں فرمایا؛

وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۲۱﴾

(الحجر آیت 21 پارہ 14)

جتنی بھی چیزیں ہیں سب کے خزانے میرے پاس ہیں، اناج کے خزانے اللہ کے پاس ہیں، دودھ کے خزانے اللہ کے پاس ہیں، شہد کے خزانے بھی اللہ کے پاس ہیں، گھی کے خزانے اللہ کے پاس ہیں، بجلی اور پیٹرول کے خزانے اللہ کے پاس ہیں، اور اللہ اس بات پر قادر ہے کہ ہزاروں سال کا غلہ ایک ہی سال میں پیدا فرمادیں، ایک ہزار سال کا غلہ اسی ۲۰۰۸ء میں پیدا فرمادے۔ ایک ہزار سال تک کام آنے والا پیٹرول اسی سال میں پیدا فرمادے، لیکن اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ہم اتنا ہی اتارتے ہیں جتنا کہ ہمارا اندازہ ہوتا ہے، اِس لئے کہ اگر ہم ہزار سال کا خزانہ اور پانچ سو سال کی ضروریات ایک ہی سال میں پیدا فرمادے تو انسان کے پاس ایسا اسٹور نہیں ہے کہ وہ اسے محفوظ کرلے۔

اگر اللہ تعالیٰ ایک ہزار سال کا پانی ایک سو سال کا غلہ اور ایک سو سال کے پھل ایک ہی سال میں پیدا فرمادے تو انسان ان چیزوں کو جمع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، تو اللہ پاک اتنی ہی اتارتے ہیں جتنی کہ انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔

چوتھی بنیادی بات یہ سمجھ لیجئے کہ ہمیں ہمارے اللہ نے حکم دیا کہ حلال کماؤ اور

حلال کھاؤ، اللہ تعالیٰ سے حرام سے بچنے کی توفیق مانگو، اور حلال کمانے اور کھانے کی توفیق مانگو۔ اللہ نے فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

(سورۃ البقرۃ)

یعنی اے لوگو! زمین میں جو پاکیزہ اور حلال چیزیں ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔

مسلمان ہر چیز میں اللہ کا مطیع ہوتا ہے

ہر چیز کے کمانے کی بھی اجازت نہیں، اور ہر چیز کے کھانے کی بھی اجازت نہیں، ہر مسلمان کمانے اور کھانے میں پابند ہے، ایسا نہیں کہ جیسا چاہے کمائے جو چاہے کھائے، ایک مسلمان مسلمان ہونے کی حیثیت سے کمانے میں، کھانے میں آزاد نہیں، اسلام نے ہمیں کمانے کے بھی طریقے بتلائے اور کھانے کے بھی، اور خرچ کرنے کے مصارف بھی بتائے ہیں۔

پانچویں بنیادی بات یہ جاننے کی ہے کہ ظلم کی ہر صورت حرام ہے، ظلم سے بڑا گناہ کوئی نہیں، اور اللہ کو ظلم پسند نہیں، ظلم چاہے انسان پر ہو یا حیوان پر، خواہ ظلم جسمانی ہو تو بھی حرام ہے، سیاسی ظلم ہو تو بھی حرام ہے، معاشی ظلم ہو تو بھی حرام ہے، تجارتی ہو تو بھی حرام ہے، اور کاروباری ظلم ہو تو بھی حرام ہے، ظلم کی جتنی بھی صورتیں ہیں، ساری حرام ہیں، ہم بات کر رہے ہیں غذا کے بارے میں، معیشت کے بارے میں، اس لئے ظلم کی ساری قسمیں ہم بیان نہیں کریں گے، اس حوالے سے عرض

کررہاہوں کہ اسلام نے دھوکہ دینے کو بھی ظلم قرار دیا، دھوکہ دے کر کمانا یہ بھی حرام ہے، سود ظلم ہے، اسلام نے سود سے کمانے کو حرام قرار دیا، کم تولنا ظلم ہے اسلام نے کم تول کر کمانے کو بھی حرام قرار دیا، مصنوعی قلت اور زیادہ سے زیادہ کمانے کیلئے ذخیرہ اندوزی کرنا ظلم ہے اسلام نے اس کو بھی حرام قرار دیا، تو ظلم کی ساری صورتیں اسلام نے حرام قرار دی۔

تو یہ صورتیں انفرادی طور پر اختیار کی جائیں تو بھی حرام، ملکی سطح پر اختیار کی جائیں تو بھی حرام، اور بین الاقوامی سطح پر اختیار کی جائیں تو بھی حرام، ظلم کی ساری صورتیں حرام قرار دی گئیں۔

ارتکازِ دولت

بنیادی بات یہ سمجھ لیں کہ اسلام ارتکاز دولت کو پسند نہیں کرتا، اجتماع دولت کو پسند نہیں کرتا کہ دولت چند ہاتھوں میں رہ جائے، بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ دولت سارے انسانوں کے درمیان گھومتی رہے، چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو، سمٹ کر نہ رہ جائے ورنہ ظلم کریں گے، انسان کی خاصیت ہے کہ اگر اس کو اختیار دیا جائے تو یہ ظلم کرتا ہے، یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ روشنی عام ہے، اور ہوا کو اللہ نے عام کیا، پانی کو عام کیا، اگر پیٹرول، غلہ اور اناج کی طرح روشنی پر اور ہوا اور پانی پر چند انسانوں کو امیر بنا دیا جائے تو انسان اتنا بخیل ہے اور بعض اوقات اتنا سنگدل ہے کہ ممکن ہے کہ غریبوں کو ہوا میں سانس بھی نہ لینے دیتا، روشنی کو اپنے ہاتھ میں سمیٹ لیتا تو دولت کے بارے میں بھی اسلام یہ چاہتا ہے کہ یہ سمٹ کر نہ رہ جائے بلکہ گردش کرتی رہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ حشر میں فرمایا:

مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ

(الحشر پارہ ۲۸)

جو کچھ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو عطا کیا وہ اللہ کا ہے، رسول ﷺ کا ہے، رشتہ داروں کا ہے، یتیموں کا ہے، مسکینوں کا ہے، کیوں کہ حکمت کیا ہے؟

كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ؕ

(الحشر پارہ ۲۸)

تاکہ دولت چند مالداروں کے درمیان سمٹ کر نہ رہ جائے، اللہ کہتے ہیں میں نے اس کے اندر حصے رکھے ہیں، اللہ کا حصہ، اللہ کے رسول ﷺ کا حصہ، قرابت داروں کا حصہ، یتیموں کا حصہ، مسکینوں کا حصہ، تاکہ دولت زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچے اور دولت چند ہاتھوں میں ارتکاز نہ کرے، تو اسلام اس کو پسند نہیں کرتا کہ دولت سمٹ کر رہ جائے، اس وجہ سے اسلام نے زکوٰۃ کا نظام قائم کیا اور صدقے کا نظام قائم کیا، صدقے کا نظام بہت زیادہ، اور وراثت کا نظام تقسیم کرنے کا حکم دیا کہ اگر ایک بیٹا ہے تو سارا مال اس کے حصے میں ارتکاز نہ ہو، تو ارتکاز دولت کو روکنے کیلئے اور دولت کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچانے کیلئے وراثت کے تقسیم کا نظام قائم کیا۔

اسلام میں اسراف پسندیدہ نہیں

ساتویں بنیادی بات یہ سمجھ لیں کہ اسلام اسراف کو پسند نہیں کرتا، نمود و نمائش کو پسند نہیں کرتا، حرام قرار دیتا ہے۔

اسراف کیا ہے؟ جائز جگہ پر حد سے زیادہ خرچ کر دینا اسراف ہے، اور ناجائز جگہ پر ایک روپیہ بھی خرچ کر دینا اسراف ہے۔

جائز جگہ پر حد سے زیادہ خرچ کرنا، مثلاً شادی پر خرچ کرنا جائز ہے، ولیمہ پر خرچ کرنا جائز ہے، تقریب پر خرچ کرنا جائز ہے، لیکن اتنا خرچ کرنا کہ دِل میں نمود ونمائش پیدا ہو، شادی پر اتنا خرچ کروں کہ میں نے کیسی شادی کی ہے، ولیمہ پر اتنا خرچ کریں کہ لوگ کہیں کتنا بڑا ولیمہ تھا، کتنی بڑی بارات آئی تھی تو جائز کاموں پر حد سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے، اور جہیز حد سے بھی زیادہ دینا اِسراف ہے۔

اور ناجائز کاموں پر ایک روپیہ بھی خرچ کرنا اسراف ہے، اور نیکی کے کام میں جتنا بھی خرچ کریں وہ فضول خرچی نہیں۔

سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور امت کی معلمہ ،مربیہ ہیں۔ اللہ نے ہاتھ میں سخاوت رکھی جو آتا اس کو خرچ کرتیں، بیواؤں پر، یتیموں پر، اللہ کی راہ میں، جہاد پر، دین کی اشاعت کے کاموں پر اللہ نے ہاتھوں میں سخاوت رکھی تھی، جو چیز ہوتی خرچ کرتی، ایک دن بھانجے نے کہا لاَ خیر فی الاسراف (اسراف میں خیر نہیں ہے) فضول خرچی میں خیر نہیں ہے، آپ اتنا خرچ کرتی ہیں کچھ رہنے ہی نہیں دیتی، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بڑی ذکیہ، بڑی ذہین خاتون اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اٹھائی تھی، گویا بلوغت آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پائی تھی۔

سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی جملہ کو تھوڑا بدل دیا اور فرمایا لَا اِسْرَافَ فِی الْخَیْرِ نیکی کے کام میں خرچ کرنے میں اسراف نہیں ہے، تو اللہ کے کام میں جتنا بھی خرچ کرلے یہ اسراف نہیں، اور گناہ کے کام میں ایک روپیہ بھی خرچ کرلے

تو اسرف ہے، بدعت کے کاموں میں ایک روپیہ بھی خرچ کرنا اسراف ہے، دِکھانے کیلئے ایک روپیہ بھی خرچ کرلے تو اسرف ہے، کلبوں میں، شراب خانوں میں ایک روپیہ بھی خرچ کرلے تو اسراف ہے، حرام ہے تو اسلام نے نمود ونمائش کے لیے کی جانے والی رقم کو بھی اسراف کہا ہے۔

یہ چند بنیادی باتیں ہیں، اب آیئے ان سوالات کی طرف جو اُٹھائے گئے ہیں۔

عالمی وملکی سطح پر غذائی قلت کے اسباب

ان میں پہلا سوال عالمی اور ملکی سطح پر افلاس اور غذائی قلت کے اسباب کیا ہیں؟

دیکھئے جب بھی کوئی حادثہ یا سانحہ پیش آئے، بیماری ہو یا ایکسیڈنٹ ہو، غذائی قلت ہو تو دنیا اور مادہ پرست لوگ اس کے ظاہری اسباب تلاش کرتے ہیں، اور ظاہری سبب بھی تلاش کرنا چاہیے، میں بیمار ہوا مجھے دیکھنا چاہیے کہ میں بیمار ہوا میں نے کیا بے احتیاطی کی لولگ گئی، میں زیادہ دیر دھوپ میں کام کرتا رہا مجھے بخار ہوگیا، یا ٹھنڈک پہنچ گئی، نزلہ کھانسی ہوگئی تو ظاہری سبب بھی تلاش کرنا چاہیے، لیکن ایک مؤمن بندے کیلئے ظاہری سبب کیساتھ کیساتھ باطنی سبب بھی تلاش کرنا چاہیے، ہم کہہ سکتے ہیں ایمانی اسباب قرآن کیا کہتا ہے، ایمان کیا کہتا ہے، تو ان پر بھی نظر ہونی چاہیے۔

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا حضرت خضر علیہ السلام کے قصے کے اندر معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز جو دنیا میں ہوتی ہے اور جو بھی حادثہ دنیا میں رونما ہوتا ہے تو اس کا ایک ظاہری سبب ہوتا ہے اور ایک باطنی سبب جو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اس کے اندر کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔

اب جب ہم غذائی قلت پر بات کرتے ہیں تو جو ظاہر پرست انسان ہیں وہ صرف ظاہری سبب ڈھونڈے گا، مثلاً طوفان آئے جس کی وجہ سے یہ حالات رہے۔

تنگی کا سبب ہمارے اعمال ہیں

اور ایک باطنی سبب ہے: ایمانی سبب ہے: مثلاً سورۂ شوریٰ ء میں اللہ نے فرمایا:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٠﴾

(الشوریٰ ۳۰ پارہ ۲۵)

کہ جو بھی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ اور اللہ فرماتے ہیں کہ میں سارے گناہوں کی سزا نہیں دیتا، بہت سے گناہوں سے تو درگذر کر دیتا ہوں ویعفوا عن کثیر اگر میں سارے گناہوں کی سزا دیتا تو اس زمین پر نہ کوئی انسان چلتا پھرتا دکھائی دیتا اور نہ کوئی حیوان۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ

(الفاطر ۴۵ پارہ ۲۲)

تو اللہ کہتا ہے جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے ہے، یہ قحط یہ غذائی قلت ہے، مہنگائی یہ صرف بارشوں کے نہ ہونے اور موسم کے ناموافق ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں بہت بڑا دخل ہمارے گناہوں کا بھی ہے، ہم کہتے ہیں بارش نہیں ہوئی یہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے، موسم ناموافق ہونا، ہمارے

گناہوں کی وجہ سے، یہ مہنگائی ہوئی، ہمارے گناہوں کی وجہ سے۔

ایک اور آیت سن لیجئے، سورہ نحل میں ہے:

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا قَرْیَۃً کَانَتْ اٰمِنَۃً مُّطْمَئِنَّۃً یَّاْتِیْھَا رِزْقُھَا رَغَدًا مِّنْ کُلِّ مَکَانٍ

(النحل ۱۱۲ پارہ ۱۴)

ایک بستی والے نہایت پر امن، مطمئن وہاں کے رہنے والوں کیلئے رزق کی فراوانی تھی۔

فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ

(النحل ۱۱۲ پارہ ۱۴)

ان بستی والوں نے اللہ کی نعمتوں کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا،

فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ

(النحل ۱۱۲ پارہ ۱۴)

تو ہم نے انہیں بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا یہ جو اللہ نے مثال بیان کی یہ ایک بستی کی مثال نہیں، بلکہ ہر بستی کی مثال ہے کہ جب کوئی اللہ کی نعمتوں کا شکر نہیں کرتا تو اللہ انہیں صرف بھوک کا لباس نہیں بلکہ خوف میں بھی مبتلا کر دیتے ہیں، یہ غذائی قلت، قحط، خوف، مہنگائی کا عذاب آتا ہے۔

آج تو ویسے بھی کہا جاتا ہے پوری دنیا ایک قوم کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، تو یہ پوری دنیا گویا ایک بستی ہے اور اللہ نے بے شمار نعمتیں اس میں رکھیں ہیں جو کفران نعمت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر بھوک اور خوف کا لباس مسلط کر دیتے ہیں، ایسا نہیں

ہے کہ اللہ نے مخلوق تو زیادہ پیدا کردی اور رزق کم پیدا فرمایا۔

سورۂ قمر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾

(القمر ۴۹ پارہ ۲۷)

ہر چیز کو ہم نے ایک مقدار میں پیدا فرمایا، اللہ ایسا نہیں کرتا کہ مخلوق تو زیادہ پیدا کردی اور اُن کا رزق کم پیدا کردیا، بلکہ جتنی مخلوق ہے اس کے مطابق اس کا رزق بھی پیدا فرماتے ہیں، یہ تو زیادہ مخلوق اللہ پاک تلف کردیتے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے کہ ایک مچھلی پورے سال جتنے انڈے دیتی ہے اگر اس کے بچے نکل آئے ان انڈوں سے تو سمندر کے اندر ایک قطرہ بھی بال کا نہ بچے، اس کے بچے ہی بچے ہوں۔

لیکن اس کے چند انڈوں سے تو بچے نکلتے ہیں اور باقی سارے کے سارے انڈے تلف کردیئے جاتے ہیں، ایک غلطی یہ ہے جو کہ خاندانی منصوبہ بندی کرنے والے بھی تلف کرتے ہیں تو ایسا نہیں ہے، بلکہ زائد انڈوں کو اللہ پاک تلف فرمادیتے ہیں، تو اللہ نے ایسا نہیں کیا کہ مخلوق تو زیادہ پیدا کیا اور رزق کم۔ جتنے انسان دنیا میں بستے ہیں ان سے زیادہ روزی ہوتی ہے، ہوا کیا کہ ایک ایک انسان نے ہزاروں انسانوں کی روزی پر قبضہ جمایا ہوا، ہم میں سے ایسے بھی ہے کہ ایک انسان نے لاکھوں کی روزی پر قبضہ جمایا ہوا ہے، ایک انسان نے کروڑوں کی روزی پر قبضہ جمایا ہوا ہے، یہ غذائی قلت نہیں ہے، اللہ ظالم نہیں ہے فرمایا:

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾

(الحج ۱۰ پارہ ۱۷)

میں آج کے موضوع سے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ یہ تمہاری اپنی کرتوتوں کی وجہ سے ہے، انسان انسان پر ظلم کرتا ہے، میرا اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، اگر انسان درست ہوجائے تو پوری دنیا کا نظام درست ہوجائے، نہ غذائی قلت رہے، نہ کسی کو خودکشی کرنی پڑے، اگر انسان درست ہوجائے تو پوری کائنات کا نظام درست ہوجائے۔

میں ایک کتاب کا مطالعہ کرر ہا تھا اس میں ایک بڑا دلچسپ واقعہ لکھا تھا کہ ایک آدمی اخبار پڑھ رہا تھا کہ اسے اس کے پوتے نے تنگ کرنا شروع کر دیا، اخبار پڑھنا یہ بھی ایک چسکا ہے اس کا پڑھنے والا شوقین، اگر اخبار پڑھے اور کوئی اسے تنگ کرے تو اسے بڑا غصہ آتا ہے، سارا چسکا خراب ہوجاتا ہے، میں بھی اخبار پڑھتا ہوں مجھے معلوم ہے اور اللہ معاف کرے کہ اِس میں اسی یا پچاسی فیصد تو جھوٹ ہوتا ہے اور فحاشی وعریانی کی تصاویر بھی ہوتی ہے، تو اس نے اپنے پوتے کو ہٹانے کیلئے اخبار کا ایک صفحہ پھاڑ اس پر دنیا کا نقشہ بنا ہوا تھا اور اس سے کہا کہ جاؤ اور اس نقشہ کو جوڑ کرلے آؤ، وہ تھوڑی ہی دیر میں واپس آ گیا، اور وہ نقشہ اس نے جوڑا ہوا تھا، دادا کو بڑا تعجب ہوا کہ میں نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور یہ چند منٹوں میں جوڑ کرلے آیا تو اس نے اپنے پوتے سے پوچھا کہ یہ بتاؤ تم نے اسے اتنی جلدی کیسے ٹھیک کر دیا پوتے نے جواب دیا کہ میں نے اس نقشہ کو نہیں چھیڑا، بلکہ اس کے پیچھے انسان کی تصویر تھی میں نے اس کو ٹھیک کیا، نقشہ اپنے آپ ہی ٹھیک ہوگیا۔ اللہ اکبر! اللہ کی قسم اگر یہ انسان ٹھیک ہوجائے تو پوری دنیا کا نظام درست ہوجائے۔

اس لئے انبیاء علیہم السلام نے سب سے زیادہ جو محنت کی وہ انسان پر کی ہے، انبیاء علیہم السلام نے پتھروں پر محنت نہیں کی ،سمندروں پر محنت نہیں کی، معدنیات پر محنت نہیں کی، کارخانوں پر محنت نہیں کی بلکہ انسان پر محنت کی اور انسان میں سے بھی دِل پر محنت کی، دِل ٹھیک ہوجاتا ہے تو انسان ٹھیک ہوجاتا ہے اور جب انسان ٹھیک ہوتا ہے تو پوری دنیا کا نقشہ ٹھیک ہوجاتا ہے، اس دنیا میں خون ریزی درندوں نے نہیں کی، شیروں نے نہیں کی، چیتوں نے نہیں کی، ریچھوں نے نہیں کی بلکہ انسان ظلم کرتا ہے، درندوں کا خونریزی کرنا انسان کے خونریزی کے سامنے ہیچ ہے، کم تر ہے، جنگل کے درندے کبھی بھی اپنے مخالف جانور کی لاش کبھی نہیں جلاتے جب کہ انسان جلاتے ہیں، بچیوں کو جلاتے ہیں، قرآن پڑھنے والوں کو جلاتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں، یہ ہمارے انسان کرتے ہیں، یتیموں کو اور دوسرے مذہب کے انسانوں کو بھی جلاتے ہیں۔

توعرض یہ کررہا تھا کہ اللہ نے ایسا نہیں کیا کہ انسان تو زیادہ پیدا فرمائے اور رزق کم، مجھے اپنے گھر کی فکر ہے مثلاً میرے گھر میں آٹھ افراد ہیں، مجھے ان آٹھ افراد کی فکر ہے، کسی کے گھر میں تیس افراد ہیں، انہیں اس تیس افراد کی فکر ہے، کسی کے گھر میں چالیس افراد ہیں تو اسے اپنے خاندان کے چالیس افراد کی فکر۔

میرے اللہ کی اربوں کھربوں مخلوق ہے ،ہر ایک کی فکر ہے اور ہر ایک پر میرے اللہ کی نظر ہے ،اللہ سب کو روزی پہنچا رہا ہے ،پرندوں کو بھی، کیڑے مکوڑوں کو بھی، درندوں کو بھی، حیوانوں کو بھی، اور جتنے انسان اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ نے وسائل پیدا فرما رکھے ہیں۔ تو یہ پہلا سوال جو اٹھایا گیا غذائی قلت کے اسباب،

مسلمان کی نظر صرف ظاہری سبب پر نہیں ہونی چاہیے، ایک مسلمان کی نظر قرآنی اسباب پر بھی ہونی چاہیے، قرآن کیا کہتا ہے؟ قرآن کتاب حقیقت ہے، حقائق کو بیان کرتا ہے، یہ مت دیکھیں سائنسدان کیا کہتا ہے؟ لیڈر کیا کہتا ہے؟ یہ تو جھوٹ بھی بولتے ہیں اپنی اغراض کے لئے، اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کیلئے، اپنا ظلم چھپانے کیلئے جھوٹ بولتے ہیں، قرآن کہتا ہے اے انسانو! یہ تمہاری اپنی کرتوتوں کی وجہ سے ہے، تم میں سے بعض نے بعض کی روزی پر اپنا قبضہ جما رکھا ہے، بعض بعض پر ظلم کرنے والے ہیں، اللہ ظلم کرنے والے نہیں ہیں۔

بھوک، خوف اور امن کیا چیز ہے؟

دوسرا سوال جو آج کے موضوع سے متعلق اٹھایا گیا وہ یہ کہ سورۂ قریش کی روشنی میں بھوک، خوف اور امن تو وہ کیا ہے؟ سوال ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر سوال الگ موضوع چاہتا ہے، زیادہ گہرائی میں تو نہ جاسکوں گا، اجمالاً عرض کر دیتا ہوں، آپ جانتے ہیں مکہ مکرمہ ایسی سرزمین ہے جہاں نہ کوئی پھل پیدا ہوتا ہے، نہ اناج پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو عجیب سرزمین میں بنایا۔

ایک دوست سے بڑی عجیب بات سنی کہ اللہ چاہتا اپنا گھر سوئزرلینڈ میں بنالیتا، مری میں بنالیتا، کشمیر میں بنالیتا، دوسرے تفریحی مقامات پر بنالیتا، جہاں خوبصورت پھل پھول اور بہترین موسم، لیکن اللہ نے اپنا گھر بنانے کیلئے ایسی سرزمین کا انتخاب فرمایا کہ جہاں ظاہری کشش کوئی نہیں تاکہ وہاں کوئی جائے تو چشموں، دریاؤں کی سیر کیلئے نہ جائے، اور پھلوں اور پھولوں کے دیکھنے کیلئے نہ جائے، وہاں اگر جائے تو اللہ کے گھر کی محبت اور پیار کیلئے جائے، زیارت کیلئے جائے۔

صرف یہی چیز اس کیلئے باعث کشش ہو، یہ الگ بات ہے کہ ہم نے اس مقام کو تفریح کے کچھ پہلو پیدا کر دیئے، لیکن اللہ پاک نے اپنا گھر کس جگہ پیدا فرمایا؟ جلے ہوئے پہاڑ، کالے سیاہ پہاڑ، جہاں پر نباتات کا کوئی نام ونشان نہیں، چشمے نہیں، نہریں نہیں، دریا نہیں، اور پھل نہیں، پھول نہیں، اناج نہیں، غلہ نہیں کچھ پیدا نہیں ہوتا تو اہل عرب قریش اور اہل مکہ بھوک سے بھی پریشان تھے، اور خوف سے بھی پریشان تھے، ہمارے پیارے آقا محمد ﷺ کے جدامجد ہاشم نے مشورہ دیا کہ تم تجارت کو اپنا کام بناؤ اور ذریعہ معاش بناؤ! انہوں نے اپنا تجارتی مرکز گرمیوں میں شام اور فلسطین بنایا، اس لئے کہ شام وفلسطین سرد علاقے ہیں اور سردیوں میں یمن کی طرف جاتے تھے، اس لئے کہ یمن گرم علاقہ ہے جن گزرگاہوں سے گزرتے تھے، وہاں انہیں پورا تحفظ ملتا تھا، تحفظ نہیں بلکہ پورا پروٹوکول ملتا تھا، دوسرے علاقے والے جب ان گزرگاہوں سے گزرتے انہیں ٹیکس دینا پڑتا تھا، قبائلی سرداروں کو اور علاقائی وڈیروں کو خوش کرنے کیلئے ہدیے اور نظرانے دینے پڑتے تھے، لیکن قریش کو دینا کچھ نہیں پڑتا تھا، کچھ نہ کچھ لیتے ہی تھے اور وہ کس وجہ سے خدمت کعبہ کی وجہ سے کہ یہ کعبہ کے خدمت گار ہیں۔

یہ جان لیجئے کہ کعبہ کی محبت صرف چودہ سو سال سے نہیں ہے بلکہ اس دن سے اللہ نے کعبہ کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جب اس کو بنایا اور خاص طور پر اس وقت سے جب اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ جاؤ اس پہاڑ پر چڑھ کر حج کا اعلان کردو۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ

(الحج ۲۷ پارہ ۱۷)

اب کہا کیسے میں اعلان کروں؟ کون سنے گا اس اعلان کو؟ نہ ریڈیو، نہ لاوڈ اسپیکر نہ آبادی، کون سنے گا یہ اعلان؟ اللہ نے فرمایا: اعلان کرنا تمہارا کام دور دراز سے پتلی اونٹوں پر بھی آئیں گے، اور اللہ نے سچ فرمایا، کعبہ کے اندر کشش ایسی جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچ جاتا ہے، ایمان والوں کے دِل کعبہ کی طرف کھنچتے ہیں، تو کعبہ کی محبت دِلوں میں جو مشرک تھے، بدکار تھے، چور ڈکیت تھے، پھر بھی کعبہ سے محبت کرتے تھے، خدمت کعبہ کی وجہ سے انہیں پروٹوکول ملتا۔

چنانچہ شام و فلسطین بھی جاتے، بڑے امن سے یمن بھی جاتے، یہاں کا سامان وہاں لے جا کر بیچتے اور وہاں کا سامان یہاں لے جا کر بیچتے، چنانچہ اللہ نے انہیں امن تجارت کی وجہ سے خوشحالی عطا فرمائی، اور کعبہ کی وجہ سے امن عطا فرمایا، بعض تفسیروں میں میں نے دیکھا کہ تجارتی قافلہ کو جتنا نفع حاصل ہوتا تھا، اس نفع کو مکہ کے بسنے والوں میں حضرت ہاشم برابر تقسیم کردیتے، غریبوں اور امیروں کے درمیان، تو یوں کوئی بھوکا نہ رہتا۔

سب کو خوشحالی میسر آ گئی تو اللہ نے اس کا ذکر کیا

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۚ﴿۲﴾

(القریش پارہ ۳۰)

قریش کو یاد کرایا کہ دیکھو تم گرمیوں میں جاتے ہو شام اور فلسطین کی طرف، سردیوں میں جاتے ہو یمن کی طرف۔ یہ میں نے کرم کیا اور کعبہ کی مجاورت کی وجہ سے لوگ تمہیں امن دیتے ہیں،

فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۙ﴿۳﴾

(القریش)

اس گھر کے رب کی عبادت کرو یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اور ایسا لگتا ہے کہ اللہ یوں فرمارہے وہ دیکھو میرا گھر اس گھر کے رب کی عبادت کرو، میں نے عمرہ کیا مجھے یاد ہے کہ مغرب کی نماز میں امام حرم نے یہی سورت پڑھی، جب وہ اس آیت پر پہنچے

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝۳

(القریش)

تو رونے لگے اور روتے روتے ہچکیاں بند ہوگئی اس لئے کہ یہ سورت اور سامنے اللہ کا گھر، اللہ کہہ رہے ہیں

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝۳

(القریش)

اس گھر کے رب کی عبادت کرو۔

الَّذِيٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝۴

(القریش)

جس نے تمہیں تنگ دستی کی حالت میں خوشحالی دی

وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ

(القریش)

اور خوف کے بعد میں امن دیا۔

اگر آپ قرآن پاک کا مطالعہ کریں تو کئی جگہ پر موقع نہیں ہے کہ میں ساری آیات بیان کروں، کئی جگہ پر اللہ تعالیٰ نے خوشحالی اور امن کو اکٹھا ذکر فرمایا۔

سورۂ قریش میں:

الَّذِيٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④

(القریش)

ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو دیکھئے:

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

(البقرہ آیت ۱۲۶ پارہ ۱)

اے اللہ اس شہر کو امنوالا شہر بنا اور یہاں کے رہنے والوں کو رزق کی فراوانی دے۔

ابھی جو میں نے سورہ نحل کی آیت تلاوت کی؛

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ

(النحل آیت ۱۱۲ پارہ ۱۴)

تو یہاں بھی امن اور خوشحالی کو اکٹھے ذکر کیا۔ اور دوسری جگہ بھوک اور خوف کو اکٹھے ذکر فرمایا، یہ بتایا کہ جہاں امن ہوگا، وہاں خوشحالی بھی ہوگی اور جہاں بھوک ہوگی وہاں خوف بھی ہوگا۔

بھوک جب ہوگی تو خوف ہوگا، ڈاکو کا خوف، رشوت خور کا خوف، سود خور کا خوف، ذخیرہ اندوز کا خوف، جہاں پر بھوک ہوگی تو مختلف قسم کے خوف انسان کو ہونگے، تو یہ بتایا کہ یہ دو چیزیں اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

(۱) رزق کی فراوانی اور (۲) امن تو بہت بڑی نعمت ہے، اللہ کی نعمتوں میں سے اور اللہ سے یہ دونوں نعمتیں مانگنی چاہیے، امن بھی مانگنا چاہیے

اور اتنا رزق مانگنا چاہیے کہ انسان کو دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا نہ پڑے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورت کے تحت لکھا ہے کہ اللہ نے فرمایا:

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝۳

(القریش)

اس رب کے گھر کی عبادت کرو، جس نے کھایا اور امن دیا تو فرمایا جو رب کی عبادت کرے گا تو اللہ اس کو دونوں نعمتیں عطاء فرمائے گا، خوشحالی بھی عطاء فرمائے گا اور امن بھی۔

غذائی قلت کا ذمہ دار سرمایہ دارانہ نظام

یہ تیسرا سوال جو آج کے اس موضوع سے تعلق اٹھایا گیا وہ یہ کہ کیا غذائی قلت کا ذمہ دار، سرمایہ دارانہ نظام ہے؟ یہیں سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سرمایہ صرف پیسہ کو کہتے ہیں، یہ کارخانے یہ بھی سرمایہ دارانہ نظام ہے، سرمایہ دارنہ نظام باقاعدہ ایک مذہب اختیار کر چکا ہے، سرمایہ دارانہ نظام کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ خدا نہیں ہے، خود انسان خدا ہے، انسان جس چیز کو چاہتا ہے وہ حلال، انسان جس چیز کو چاہتا ہے وہ حرام، حالانکہ یہ اختیار حلال اور حرام کا تو خدا کو ہے، انسان نے چاہا زنا حلال ہو، زِنا حلال کردیا، انسان نے چاہا جوا حلال ہو، حلال کردیا، جھوٹ حلال ہوا سے حلال کردیا، ذخیرہ اندوزی حلال ہو حلال کردیا۔

سرمایہ درانہ نظام کا کلمہ

سرمایہ دارانہ نظام کا کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یہ نہیں ہے، بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کا کلمہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا الْاِنْسَانُ معبود اور خدا انسان ہے اور اس کی خواہشات ہے

،میرے اللہ نے اشارہ کیا

أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ

(الجاثیہ آیت ۲۳ پارہ ۲۵)

کیا تونہیں دیکھتا کہ جس نے اپنی خواہشات کو خدا بنایا، ایسے انسان ہیں، اور وہ سرمایہ دارانہ نظام ہے جس نے انسان کو خدا بنادیا۔

سرمایہ درانہ نظام آخرت کا معتقد نہیں

دوسری خصوصیت سرمایہ دارانہ نظام کے بارے میں یہ ہے کہ اس میں آخرت کی زندگی نہیں ہے، آخرت کو سنوارنے والی زندگی نہیں، دنیا کی خوشحالی عیش پرستی، دنیا ہی کی کامیابی یہ اصل کامیابی ہے، سرمایہ دارانہ نظام میں ہے، جبکہ اسلامی نظام میں اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور اس آقا عربی ﷺ نے ایک ہی جملہ میں سمودیا۔

اَللّٰهُمَّ لَاعَيْشَ الاعَيْشَ الْاٰخِرَةَ

میرے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے، مسلمان جیتا ہے تو آخرت کیلئے ،مرتا ہے تو آخرت کیلئے، کماتا ہے تو آخرت کیلئے ،عبادت کرتا ہے تو آخرت کیلئے، اس کے شب وروز گزرتے ہیں فکر آخرت کیلئے۔

لیکن سرمایہ دارنہ نظام میں صرف دنیا ہی کیلئے سب کچھ ہے، اصل زندگی وہی ہے جو اکبر کی طرف منصوب مصرعہ ہے۔

اکبر نے عیش کو کہ جہاں دوبارہ نہیں عیش کر دومزے کرو

یعنی جہاں دنیا دوبارہ نہیں، مزے کرو یہی مغرب کی تہذیب ہے کہ دنیا میں

مزے کرو، ان کے اخلاق دنیا کیلئے، ان کی محبت دنیا کیلئے، ان کا کمانا، جینا، مرنا سب دنیا کیلئے، اور تیسری خصوصیت سرمایہ دارانہ نظام کی یہ ہے کہ نفع ہو، جیسا ہمارے ہاں لوگ کہتے ہیں نہ کہ کسی دولت پرست سے پوچھا گیا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے، جنت یا دوزخ تو اس نے کہا جہاں پیسا کمایا جائے تو اصل چیز ان کے ہاں نفع ہے، نہ جنت نہ دوزخ نہ اللہ کی رضا، نہ ناراضگی، نہ حلال، نہ حرام اسی چیز کی ضرورت جس میں نفع ہو ان تمام چیزوں کی انہوں نے اجازت دے دی جس میں نفع ہو۔

دولت کا چند ہاتھوں میں سمٹنا

ایک چوتھی خصوصیت سرمایہ دارانہ نظام کی یہ کہ اس میں یہ سسٹم نہیں ہے کہ دولت گردش کرے گی بلکہ اس نظام میں یہ خاصیت ہے کہ اس کی وجہ سے دولت چند ہاتھوں مین سمٹ جاتی ہے، ابھی میں بتاتا ہوں، دولت چند کمپنیوں میں، چند خاندانوں میں گردش کرتی رہتی ہے، دولت کی اس طریقے سے تقسیم نہیں کی جاتی کہ نیچے تک یتیموں، مسکینوں تک مال پہنچے، تو ان چند خصوصیات کو جانتے ہوئے میں اس سوال کا جواب یہ دوں گا کہ آج کی جو قلت غذائی اور افلاس ہے اس کا سب سے بڑا سبب سرمایہ دارانہ نظام ہے جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بغاوت ہے۔

ورلڈ بینک اور عالمی طاقتوں کا کردار

چوتھا سوال جو اٹھایا گیا وہ یہ کہ ورلڈ بینک اور یہودی لابی ملٹی نیشنل کمپنیوں کا کردار بھوک اور افلاس کے حوالے سے کیا ہے؟

جب یہ سوال پیش کیا گیا تو میں نے اسی کے جواب میں کتابوں کا مطالعہ کیا

تعجب ہے کہ پوری دنیا پر پانچ سو ملٹی نیشنل کمپنیاں حکومت کررہی ہیں اوران میں بھی پچاس کمپنیاں ایسی ہیں جوان چارسو پچاس کو کھاجائے گی اوران میں سے پینتالیس کمپنیوں کاتعلق امریکہ اور برطانیہ سے، باقی دوسرے ممالک سے،اوران پانچ سو یا پچاس کمپنیوں میں ایک بھی کمپنی کاتعلق مسلمانوں سے نہیں۔

اور تعجب ہے دنیامیں سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والے مسلمان ہیں۔

اللہ نے تیل کے خزانوں کے ذخیرہ رکھ دیئے مسلمانوں کے ممالک میں،تیل کے دریاجاری کردیئے لیکن ہماری حماقتوں کی وجہ سے تیل ہی کی تقسیم پراوراس کے ریٹ مقرر کرنے پر جوتسلط ہے تووہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی ہے پوری دنیا میں ستر فیصد دولت ملٹی نیشنل کمپنیوں کے پاس ہےاورتیس فیصد باقی دنیاکے پاس ہے۔

ان کی طرف سے خوراک کا ضیاع

اگر یہ چاہیں توپوری دنیامیں کوئی بیمار علاج سے محروم نہ رہے،تعلیم سے محروم نہ رہے،لیکن یہ کمپنیاں یہ نہیں چاہتیں کہ پوری دنیامیں خوشحالی پھیل جائے ، یہ ہر سال ہزاروں ٹن خوراک سمندروں میں بہادیتے ہیں،صرف اس لئے کہ اگر یہ خوراک مارکیٹ میں آجائے تویہ قیمتی نہ رہا،ہمارانفع کم ہوجائے گااسی وجہ سے کروڑوں ٹن خوراک سمندروں کے نذرکیاجاتاہے۔

ہمارے طبقہ کاتناسب وہ نہ رہے گاجوہوناچاہیئے ،صرف قیمتوں کوگراں رکھنے کیلئےاوراپنانفع حاصل کرنے کیلئے لاکھوں ٹن خوراک سمندروں میں پھینکی جاتی ہے، یاپھراس کوجلادیاجاتاہے،غریبوں میں تقسیم نہیں کی جاتی یہ کمپنیاں کیسے لوٹ مار کرتی رہیں؟

اجمالاً صرف ایک مثال جو حضرات اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں انہوں نے لکھا کہ ان کمپنیوں میں بیجوں پر تحقیق کرنے والے جیسے جو گندم کے بیج پر، کپاس کے بیج پر تحقیق کرتے رہتے ہیں تو انہوں نے ایک ایجاد کی ہے، اور بتایا کہ ان بیجوں سے جو کسان فصل حاصل کرتا ہے تو وہ دوگنا اور چوگنا حاصل کرسکتا ہے، اور چونکہ رشوت کا نظام تو ہے اِس نظام کے ذریعہ سے ہمارے ملکوں میں ان بیجوں کو رجسٹرڈ کرایا گیا اور کسانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اس بیج کو استعمال کریں۔

چنانچہ انہوں نے ان بیجوں کو استعمال کیا تو واقعی ایسا ہوا کہ دوگنی اور چوگنی فصل ان کو حاصل ہوئی، ایک سال کے بعد ان کی پیداواری صلاحیت کمزور ہوگئی اب ان کمپنیوں نے کہا کہ ہماری کھاد استعمال کی جائے، چنانچہ ان کی کھاد خریدی گئی، اب ایک سال تو ٹھیک رہا، لیکن اگلے ہی سال کیڑے مکوڑے زیادہ ہوگئے، اب کمپنیوں نے کوئی دوا مارکیٹ میں شو کرائی کہ اپنی فصل میں یہ دوا ڈالیں، چنانچہ کسان ان کے بیج استعمال کرنے پر مجبور، ان کی کھاد استعمال کرنے پر مجبور اور انہی کی کیڑے مار دواء استعمال کرنے پر مجبور ہوگئے۔

آپ نے بھی سنا ہوگا، رہتے آپ کراچی میں ہیں، لیکن سنا ہوگا ''امریکن سونڈی'' چونکہ امریکن کھاد استعمال کی گئی، امریکن بیج استعمال کئے گئے، امریکن طریقہ اور امریکن ٹیکنالوجی استعمال کی گئی تو اس کے نتیجے میں ''امریکن سونڈی'' پیدا ہوئی، اب امریکن سونڈی کا علاج کیا تو وہ کہیں گے کہ اس کے لئے بھی ہمارے پاس دوا ہے، تو یوں زمین کو بنجر بنادیا گیا اور کسانوں کو مجبور بنادیا کہ وہ امریکن اشیاء خریدنے پر مجبور ہوجائیں۔

مجھے بڑا تعجب ہوا کہ ایک جاننے والے نے بتایا کہ فیصل آباد میں ایک شخص نے ایسا بیج ایجاد کیا ہے کہ اس پر "امریکن سونڈی" تو کیا کوئی بھی سونڈی اثر نہیں کرسکتی، ایسا بیج اس نے ایجاد کرلیا، جب ان کمپنیوں کو خبر پہنچی تو دباؤ کے ذریعہ اور رشوت کے ذریعہ وہی شخص جو بیج پیدا کررہا تھا اس کا تبادلہ کرلیا گیا، تاکہ ایسا بیج پاکستانی استعمال نہ کرسکیں کہ وہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے چیزوں سے بے نیاز ہوجائے، آپ امریکہ کو دیکھئے تو اس طرح یہ کمپنیاں کام کرتی ہیں، اور دنیا کے وسائل پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں اور جس چیز کی قیمت چاہتے ہیں آسمانوں پر چڑھادیتے ہے، جس چیز کی چاہے قیمت گھٹا دیتے ہے۔

ارتکاز دولت اور سٹہ بازی

پانچواں سوال جو کیا گیا کہ سرمایہ دارانہ نظام کے اہم عناصر ارتکاز دولت اور سٹہ بازی موجودہ دور کے نظام کو فاسد بنانے میں کیا کردار ادا کررہی ہیں؟

ویسے تو اس سوال کا جواب آچکا ہے، لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ عرض کردیتا ہوں، آپ یہ سوچیے کہ اگر کسی قوم کی زمین اور سارے وسائل ایک چودھری کے قبضہ میں آجائیں تو اس کے اختیار میں ہوگا کہ باقی دیہاتیوں کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے، وہ چاہے تو باقی دیہاتیوں کو غلہ قیمتاً دے دے اور چاہے تو فصل میں دے دے اور چاہے تو صدقہ دے دے، تعلیم پر بھی اس کا قبضہ، معیشت پر بھی اس کا قبضہ جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔

لوگ بہت خلاف بولتے ہیں، جاگیردارانہ نظام کے خلاف کہ سندھ میں، پنجاب میں، بلوچستان میں، صوبہ سرحد میں وڈیروں اور چودھریوں نے لوگوں کی زمین پر قبضہ جمایا ہوا ہے، اپنی ملکیت بنائی ہوئی ہے، لیکن بین الاقوامی سطح پر کوئی بھی

سنجیدہ ہوکر آواز نہیں اٹھاتا، جنہوں نے مال پر، معیشت پر، تعلیم پر اپنا قبضہ جمارکھا ہے کہ ارتکاز دولت چند ہاتھوں میں دولت سمٹ کر رہ گئی۔

آج پوری دنیا میں غذائی قلت کا پوری دنیا کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے، میں نے پہلے بھی عرض کیا کہ میرا اللہ ایسا نہیں کہ مخلوق تو زیادہ پیدا فرمائی اور رزق کم، بلکہ چند ظالم، سنگ دل انسانوں نے کروڑوں لوگوں کی روزی پر قبضہ کیا ہوا ہے اور چند ہاتھوں میں اسے سمیٹ کر رکھا ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا، کچھ عرصہ پہلے میرا ''ہانگ کانگ'' جانا ہوا اور ''ہانگ کانگ'' نہایت مالدار ملک ہے، معلوم ہوا کہ اس ملک کے ایک تہائی حصہ پر ایک شخص کا قبضہ ہے، اب بتائیے کہ اتنے بڑے ملک کے ایک تہائی وسائل پر قبضہ جمارکھا ہوا ہوگا، اور لوگوں تک ان کا فائدہ پہنچنے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، یہی حال سٹہ بازی کا ہے، سٹہ بازی کے ذریعے سے مہنگائی بڑھائی جاتی ہے۔

ابھی حال ہی میں امریکہ کے صدر بش جب سعودیہ کے دورے پر گئے تو انہوں نے سعودی بادشاہ عبداللہ سے اپیل کی کہ آپ تیل کی پیداوار زیادہ کریں تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم اتنا تیل پیدا کر رہے ہیں کہ دنیا کی ضروریات سے بھی زیادہ، لیکن آپ کے سٹہ باز تیل کی قیمتوں کو نیچے نہیں آنے دے رہے، آپ سٹہ پر پابندی لگا دیں تیل کی قیمتیں خود بخود نیچے آجائیں گی، یہ لوگ اسلامی ملکوں کو مجبور کر رہے ہیں، زیادہ سے زیادہ تیل کو پیدا کرنے پر اور خود اپنے ذخیروں کو ہاتھ نہیں لگا رہے اور مسلمانوں کو تیل نکالنے پر مجبور کر رہے ہیں، تاکہ ان کے کنویں خالی ہوجائیں اور وہ وقت آجائے کہ ساری دنیا کے مسلمان یہودی لابی سے مانگنے پر مجبور ہوجائیں اور

جب تیل کے ذخائر پر ان کا قبضہ ہوجائے گا تو ان سے بھیک مانگنے پر مسلمان مجبور ہو جائیں گے تو اس سٹہ بازی کے سبب سے ساری دنیا میں آج ہمیں قلت اور کمی کا سامنا ہے۔

اس صورت حال میں اسلام کی رہنمائی

آخری سوال جو آج کے اس موضوع کے حوالے سے اٹھایا گیا وہ افلاس کی موجود کیفیت کو ختم کرنے کیلئے قرآن وحدیث ہمیں کیا رہنمائی کرتے ہیں؟ الحمدللہ! اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارے پاس ایسی عظیم دولت ہے، قرآن کی ہر حالت میں وہ ہماری رہنمائی کرتا ہے، خوشی ہو تو کیا کرنا ہے، قرآن سے پوچھئے غمی ہو کیا کرنا ہے، قرآن سے پوچھئے۔ رزق کی فراوانی ہو تو کیا کرنا ہے، قرآن سے پوچھئے۔ رزق کی تنگی ہو، افلاس ہو تو کیا کرنا ہے، قرآن سے پوچھئے اور اپنے آقا ﷺ سے پوچھئے آپ کو اس سوال کا جواب ملے گا انشاءاللہ۔

رجوع الی اللہ

سب سے پہلا کام جو کرنا ہے وہ ہے ''رجوع الی اللہ'' ہے اللہ کی طرف رجوع کریں، سچے دِل سے توبہ کیجئے، اللہ کے احکامات کو زندہ کیجئے اور پھر دیکھئے کہ فقر و فاقہ کیسے ختم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف آیت ۹۶ پارہ ۹)

اگر یہ بستیوں والے، ملکوں والے، پاکستان والے سچے دِل سے ایمان لے آئیں اور ڈریں تقویٰ اختیار کریں تو ہم ان پر آسمان کی برکتیں اور زمین کی

برکتیں کھول دیں گے، جب انسان اللہ کا بنے گا تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں انسان کے تابع ہو جائیں گی، زمین اپنا سینہ کھول دے گی، آسمان سے برکتیں اتریں گی، انسان کو اللہ نے اپنے لئے پیدا کیا، جب انسان اللہ کا ہو جائے گا تو اللہ کی مخلوق اس کی ہو جائیگی اور اس کے تابع ہو جائے گی۔ اسی طریقے سے اللہ نے فرمایا؛

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تمہیں غذائی قلت کا سامنا کرنا پڑا تو اپنے اللہ کے سامنے جھک جاتا، گویا اللہ رب العزت شکوہ فرما رہے ہیں۔

قرآن زندہ کلام ہے ایسا لگ رہا ہے کہ قرآن آج نازل ہو رہا ہے، آج کہاں؟ یہ تو چودہ سو سال پہلے نازل ہوا ہے، لیکن قرآن میں اتنا اثر ہے کہ اس کو چودہ سو سال کیا دو ہزار سال بعد بھی پڑھیں، ایسا لگے گا کہ آج اتر رہا ہے، میرے اللہ فرما رہے ہیں کہ اے انسان جب تجھے غذائی قلت کا سامنا کرنا پڑا، حکمران تنگ دِل ہوئے تو اپنے اللہ کے سامنے جھکتا، لیکن ہوا یہ:

وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ

ان کے دِل سخت ہو گئے، مہنگائی تھی، رشوت تھا، ظلم کا نظام عام تھا، لیکن اس کے باوجود انسان کو رجوع کرنے کی توفیق نہیں ہوئی، توبہ کرنے کی توفیق نہیں ہوئی اور جان لیجئے کہ انفرادی پریشانیوں کیلئے انفرادی توبہ کافی ہے، لیکن اجتماعی توبہ، اجتماعی پریشانیوں کا حال ہے، اس اجتماعی پریشانی کو ختم کرنے کیلئے پورے پاکستان کے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اجتماعی توبہ کریں، اگر اس ملک سے غربت کو ختم کرنا ہے اور اگر پورے عالم اسلام کو اپنے سے غربت، افلاس، پریشانی ختم کرنی ہے

تو پورے عالمِ اسلام کو توبہ کرنی چاہیے۔

پہلی بات پھر عرض کرتا ہوں کہ ہمیں سچے دِل سے توبہ کرنا چاہیے۔

دوسرا کام جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہم حضور اقدس ﷺ کا طرز اور طریقہ اختیار کریں، ہم میں اسراف بہت آ گیا، فضول خرچی بہت آ گئی، نمود و نمائش بہت آ گئی، ہر بات میں دِکھاوا، عیاشی، خدارا اس سے باز آ جائیں، میرے آقا محمد ﷺ کی طرزِ زندگی کو اپنائے، سادہ زندگی اور آقا ﷺ کا فقر اور سادگی اختیاری تھا، جب آقا محمد ﷺ کے پاس کچھ نہ تھا اس وقت بھی آپ ﷺ کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے، اور جب مسجد نبوی ﷺ سونے اور چاندی کے انبار سے بھر گئی، اس وقت بھی میرے آقا ﷺ کی زندگی سادہ تھی، غلام تقسیم ہو رہے ہیں، مال تقسیم ہو رہے ہیں اور میرے آقا ﷺ کی زندگی سادہ تھی، غلام تقسیم ہو رہے ہیں، اور مال تقسیم ہو رہے ہیں، اور میرے آقا ﷺ کے گھر میں فقر و فاقہ کی تیاری ہو رہی ہے، خدام تقسیم ہو رہے ہیں، غلام تقسیم ہو رہے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آتی ہیں، اور فرماتی ہیں: میرے ابا مجھے ایک غلام دے دیجئے میں گھر کا کام کرتی ہوں اور پانی بھر کر لاتی ہوں، میرے کمر میں نشانات پڑ گئے، آقا ﷺ فرماتے ہیں کہ: بیٹی کیا تجھے اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں فرمایا ضرور بتلائیں۔

فرمایا سونے سے پہلے اور ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کر، دوسروں کو خادم، غلام، اور لونڈیاں دی جا رہی ہیں اور اپنی بیٹی کو فرما رہے ہیں کہ اللہ کو یاد کیا کر۔

مشکل حالات سے بچاؤ کا طریقہ

میرے عزیزو، دوستو، بھائیوں، بہنو، بہت مشکل حالات آ رہے ہیں، ایسا نہیں

کہ میں بہت دقیق بین آدمی ہوں، لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم نے جو ساٹھ سال کے اندر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی فصل بوئی، اس فصل کو اب کاٹنے کا وقت آ گیا ہے، بہت مشکل حالات کا ہمیں سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اسوقت ہمیں اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی سادگی اور کفایت شعاری کو اختیار کرنا پڑے گا تو ہم بچ پائیں گے ورنہ ہم پریشان ہی رہیں گے۔

اور تیسری بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب کہ مشکل حالات ہیں، فقر و فاقہ ہے، غذائی قلت ہے، آج ہم اخبار میں روزانہ پڑھتے ہیں کہ بغداد میں باپ نے خودکشی کر لی، ماں نے خودکشی کر لی، کسی نے پورے خاندان سمیت خودکشی کر لی، جب اس قدر نازک حالات ہیں تو ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اپنے اڑوس، پڑوس پر نظر رکھیں، غریبوں پر محتاجوں پر، مستحقین پر نظر رکھیں، ان پڑوس کا ہم پر حق ہے۔

فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کامل مسلمان نہیں ہوسکتا کہ جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے، تو ہم اپنے محلے میں، اپنے پڑوس میں، اپنے گاؤں والوں میں ایسے مستحقین ڈھونڈیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری غفلت کی وجہ سے عدم تعاون کی وجہ سے کوئی باپ، کوئی ماں خودکشی کر لے یہ چند باتیں تھیں جو میں نے اس حوالے سے عرض کیں، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں اپنے اور اپنے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت والا بنائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اسلام میں غلامی کا تصور

از افادات

داعی قرآن، مفسرِ قرآن

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب

مولانا اشفاق احمد

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ عمر فاروقؓ

- کیا انسان کو غلام بنانا جائز ہے؟
- کیا دنیا میں غلامی کے نظام کو رواج دینے کا ذمہ دار اسلام ہے؟
- کیا اب بھی جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈی بنایا جا سکتا ہے؟
- سرخ ہندی (RedIndias) کون تھے اور ان پر انسانیت سوز مظالم کس نے ڈھائے؟
- آزادی اور غلامی کا حقیقی معیار کیا ہے؟
- ماڈرن انسان نے غلامی کی کونسی شکلوں کو رواج دیا ہے؟
- دور جدید میں عورتوں کی خرید و فروخت کو اسلام کس نگاہ سے دیکھتا ہے اور کیا خریدی گئی عورت کا حکم لونڈی کے ضمن میں آئے گا؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ والصَّلٰوۃُ والسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ

اَمَّا بَعۡد:

فَأَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَاِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡہُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ٭ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَہَا ۚ۟ۛ ذٰلِکَ ؕۛ وَلَوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ لَانۡتَصَرَ مِنۡہُمۡ وَلٰکِنۡ لِّیَبۡلُوَا۠ بَعۡضَکُمۡ بِبَعۡضٍ ؕ وَالَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَلَنۡ یُّضِلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۴﴾

(سورۃ محمد آیت ۴)

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ

میرے قابل احترام مسلمان بھائیو اور بہنو!

جیسا کہ آپ کو بتایا گیا کہ ہمارے آج کے ماہانہ درسِ قرآن کا موضوع ہے ''اسلام میں غلامی کا تصور'' اور اس موضوع کے ضمن میں مختلف سوالات ہیں جن کے

جوابات ان شاء اللہ العزیز دینے کی کوشش کی جائے گی۔

کیا دنیا میں غلامی کے نظام کو رواج دینے کا ذمہ دار اسلام ہے

سب سے پہلے میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ دنیا میں غلامی کے تصور کو رواج دینے کا ذمہ دار اسلام نہیں ہے، بلکہ غلامی کا رواج اسلام سے بہت پہلے زمانہ قدیم سے چلا آرہا تھا، جنگی قیدیوں کو بھی غلام بنایا جاتا تھا، بعض آزاد بچوں، بچیوں، مردوں اور عورتوں کو اغواء کر کے بھی غلام اور لونڈی کی حیثیت دے دی جاتی تھی، اپنی لونڈیوں کی اولاد کو بھی غلام ہی کا درجہ دیا جاتا تھا، طاقتور قومیں کمزور قوموں کو اپنا غلام بنالیتی تھیں، اگر آپ غور کریں تو سیدنا یوسف علیہ السلام کو بھی اسی طور پر غلام بنا کر فروخت کیا گیا تھا، ان کے بھائیوں نے انہیں کنویں میں ڈال دیا تھا، وہاں سے گذرنے والے ایک تجارتی قافلے نے اُس کنویں سے اُنہیں نکالا اور مصر کے بازار میں جا کر فروخت کر دیا۔ حضور اقدس ﷺ کے متبنّٰی، آپ ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا گیا، اُن کو کچھ تاجر لوگ کہیں سے پکڑ کر لائے اور لا کر سوقِ عکاظ میں اُن کو فروخت کر دیا، وہاں سے اُنہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے خرید لیا اور خرید کر ھدیہ کے طور پر اپنی پھوپھی کی خدمت میں پیش کر دیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور چونکہ حضور اقدس ﷺ کے اخلاق اتنے اعلیٰ تھے، اور آپ کمزوروں سے، ماتحتوں سے اتنی محبت کرنے والے تھے کہ بجائے اس کے کہ حضور ﷺ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک غلام، ایک ماتحت یا ایک نوکر کا درجہ دیتے، آپ ﷺ نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا، اور حضرت

زید رضی اللہ عنہ واحد صحابی ہیں جن کا نام صراحۃً قرآن کریم میں ذکر ہوا ہے، وگرنہ کسی دوسرے صحابی کا نام قرآن میں صراحۃً نہیں آیا۔ اور پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی ایسے بیٹے بنے کہ جب اُن کے والدین اور رشتہ دار تلاش کرتے کرتے مکہ میں پہنچے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کیا کہ آپ زید رضی اللہ عنہ کو ہمارے ساتھ واپس بھیج دیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زید کو اختیار ہے اگر وہ جانا چاہتا ہے تو میں ہرگز منع نہیں کروں گا، وہ خوش ہو گئے، اُنہیں یقین تھا کہ یقیناً بیٹا اپنے والدین کے ساتھ اپنے ملک اور اپنے رشتہ داروں میں، اپنے خاندان میں واپس جانا چاہے گا، لیکن جب حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا، جب اُنہیں کہا گیا کہ کیا تم اس غلامی کو ترجیح دیتے ہو آزادی کی زندگی پر؟ تو انہوں نے کہہ دیا کہ "ہاں! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور خدمت کو میں ہر آزادی پر ترجیح دیتا ہوں"۔

بتانا یہ تھا کہ یہ ایک طریقہ تھا غلام بنانے کا۔ بعض اوقات کسی آزاد شخص کو اُٹھا کر غلام بنالیا جاتا تھا، بعض اوقات کسی بچے یا بچی کو اغواء کر کے غلام اور لونڈی بنالیا جاتا تھا، اور ایسا بھی ہوا کہ پوری پوری قوم کو غلام بنالیا گیا، اور یہ سیاہ کارنامہ یورپی قوموں نے سرانجام دیا، کہا جاتا ہے کہ سولہویں صدی میں کولمبس نے امریکہ دریافت کیا، اصل تو وہ ہندوستان میں آنا چاہتا تھا، ہندوستان کی اُس نے بڑی تعریف سن رکھی تھی، تو اسی لئے ہندوستان کی تلاش میں نکلا تھا، لیکن سمندری سفر میں بھٹکتا ہوا امریکہ جا پہنچا، امریکہ میں اس وقت سُرخ ہندی آباد جن کو "ریڈ انڈین" کہا جاتا ہے۔ اور ان کی تعداد تقریباً ایک کروڑ تھی، اور اُن کے بارے میں کتابوں

میں ہے کہ وہ ہزاروں سال سے امریکہ میں آباد تھے، لیکن ایشیاء سے ہجرت کر کے گئے اسی لئے اُنہیں انڈین کا نام دے دیا گیا۔ یا سرخ ہندی، ریڈ انڈین کہا گیا، بیس سے پینتیس سال پہلے سے وہ امریکہ میں آباد تھے، گویا کہ امریکہ کے اصل مالک، اصل باشندے یہ سرخ ہندی، ریڈ انڈین تھے، یورپی قوموں کو امریکہ پسند آیا، کولمبس کے پہنچنے کے بعد مختلف یورپی ممالک کے لوگوں نے جوق در جوق امریکہ کا رُخ کیا۔

تاریخ انسانی کا عظیم ترین اجتماعی قتل

پھران ظالموں نے تاریخ کے عظیم ترین اجتماعی قتل کا ارتکاب کیا یہ جو سرخ ہندی امریکہ کے اصل باشندے اور مالک تھے انہیں انہوں نے گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کیا۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف دوسو سال کے عرصے میں ایک کروڑ سے ان کی تعداد گھٹ کر صرف بیس لاکھ تک پہنچ گئی۔ گویا کہ اَسّی لاکھ سُرخ ہندیوں کو ان ظالموں نے قتل کر دیا، جب انہیں قتل کر دیا تو امریکا کو آباد کرنے کے لئے، اور اُسے کارآمد بنانے کے لئے اُنہیں افراد کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے افریقی ممالک سے کالے انسانوں کو ایسے ہی وہ گرفتار کر کے اور شکار کر کے لے گئے جیسے جانوروں کا شکار کیا جاتا ہے۔ جو کوئی کالا افریقی کارآمد نظر آیا، قوی اور توانا نظر آیا اُسے پکڑ کر وہ امریکہ لے گئے اور اُن سے انہوں نے امریکہ کو آباد کرنے کا کام لیا، اوران کالوں کو وہاں غلاموں سے بھی بدتر حیثیت دی گئی۔

بظاہر تو انہوں نے ان کو غلام بنایا لیکن حقیقت میں اُن کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ

حیوانوں سے بھی بدتر تھا، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کالوں کو گوروں کے ہسپتال میں علاج معالجے کی سہولت مہیا نہیں کی جاتی تھی، کالوں کی اولاد کو اول تو تعلیم سے محروم رکھا جاتا تھا، اگر کوئی بہت زور لگاتا تو اُسے بہر حال گورے امریکیوں کے اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں تھی، کالوں کو گوروں کے ہوٹلوں میں کھانا کھانے کی اجازت نہ تھی، کالوں کو گوروں کی بستیوں میں رہنے کی اجازت نہیں تھی، بہت سے لوگ جب کالوں کی وحشیانہ حرکتوں کو دیکھتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے ساتھ گورے امریکیوں نے جو کچھ کیا وہ بجا کیا، وہ اسی سلوک کے حقدار تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہیں جان بوجھ کر پسماندہ رکھا گیا، جان بوجھ کر اُن کو تہذیب وتمدن سے دور رکھا تھا، جان بوجھ کر اُن کو تعلیم وتربیت کے مواقع اور مقامات سے دور رکھا گیا جس کی وجہ سے اُن کے اندر درندگی، وحشت، جہالت اور حیوانیت بھر آئی، تو اس طرح ان کو غلام بنا کر رکھا، اور میں غلام بنانے کا بتا رہا تھا کہ کس طریقے سے قوموں اور افراد کو غلام بنا لیا گیا، اُسی زمانے میں غرناطہ کا سقوط ہوا تھا اور مسلمان وہاں کسمپرسی کے عالم میں تھے غالب آنے والے عیسائیوں نے بے شمار مسلمانوں کو ذبح کر دیا، اُن کی نسلوں کو تہہ وتیغ کر دیا جو بچ گئے اِدھر اُدھر کے ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، اور بہت سارے مسلمانوں کو کالے افریقوں کی طرح اندلس سے اغواء کر کے امریکہ لا گیا اور اُن کے ذریعے سے امریکہ کو آباد کیا گیا، مختصر یہ کہ پوری دنیا میں غلامی کا رواج تھا اور دوسری طرف غلاموں کو حقوق بھی نہیں دیئے جاتے تھے

غلامی کے بارے میں اعتدالِ اسلامی

اسلام نے دنیا میں نہ تو غلامی کی بنیاد رکھی، اور نہ ہی اسلام نے غلامی کو رواج و عروج دیا، بلکہ اسلام نے غلامی کو محدود سے محدود تر کرنے کی کوشش کی اور اُس کو قابل قبول بنانے کے لئے مختلف قسم کی پابندیاں لگائیں۔

پہلی پابندی

مثال کے طور پر پہلی پابندی اسلام نے یہ لگائی کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غلام نہیں بنا سکتا وگرنہ اس سے پہلے کسی بھی مذہب میں اس قسم کی پابندی نہیں تھی، عیسائی عیسائی کو غلام بنا سکتا تھا، یہودی یہودی کو غلام بنا سکتا تھا، مشرک مشرک کو غلام بنا سکتا، لیکن اسلام نے اس بات کی پابندی لگائی کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو غلام نہیں بنا سکتا تھا۔ یہ جو میں کالے امریکیوں کی بات کرر ہا ہوں تو آپ اگر اُن کے مذہب کا جائزہ لیں تو اکثریت عیسائی تھی، مگر گورے عیسائیوں نے کالے عیسائیوں کو اپنا غلام بنا لیا اور اُن کو لونڈیوں کی حیثیت دے دی، اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔

دوسری پابندی

دوسری پابندی اسلام نے یہ لگائی کہ پُرامن طریقہ سے اسلامی مملکت میں رہنے والے کسی کافر کو بھی غلام بنانے کی اجازت نہیں، چنانچہ ہمیں اجازت نہیں، ہمارے ملک میں جو غیر مسلم رہتے ہیں، ہم اُن کو غلام یا لونڈی کا درجہ دے دیں، ہمیں اس کی اجازت نہیں، اِسی طریقے سے وہ غیر مسلم جو ویزہ لے کر، امان لے کر اسلامی ملک

میں داخل ہوں انہیں بھی غلام ولونڈی بنانے کی اجازت نہیں، یہ دوسری پابندی اسلام نے لگائی۔

تیسری پابندی

تیسری پابندی اسلام نے یہ لگائی کہ جس قوم کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہو جائے کہ ہم ایک دوسرے کے جنگی قیدیوں کو غلام یا لونڈیوں کا درجہ نہیں دیں گے تو اس ملک کے شہریوں کو اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں، اور جنگی قیدی ہی کیوں نہ ہوں ہمیں غلام یا لونڈی بنانے کی اجازت نہیں ہے۔

چوتھی پابندی

چوتھی پابندی یہ لگائی کہ جس لونڈی کے ساتھ کوئی مسلمان مباشرت کرلے جس کے نتیجے میں اُس سے اولاد پیدا ہو جائے تو اُس لونڈی کو ایک ایسا مقام مل جاتا ہے کہ عام لونڈیوں کی طرح اُس کی خرید وفروخت نہیں ہو سکتی، اور اس کی اولاد کی بھی خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

بہت سے لوگوں کے ذہن میں یہ تصور بیٹھا ہوا ہے کہ شاید لونڈی کی حیثیت ایک طوائف کی سی ہے۔ آج اس مرد کے پاس ہے کل اس مرد کے پاس ہے۔ گویا کہ مسلمانوں میں سے جو بھی چاہے اس سے اپنی جنسی پیاس بجھا سکتا ہے۔ حالانکہ قطعاً ایسا نہیں ہے۔ صرف نکاح کی طرح، ایجاب وقبول نہیں ہے ورنہ آپ دیکھیں حقوق کے اعتبار سے تو تقریباً اس لونڈی کے بھی وہی حقوق ہیں جو بیوی کے حقوق ہیں، ایک وقت میں وہ ایک ہی مرد کے تصرف میں رہ سکتی ہے کسی دوسرے مرد کے تصرف میں

نہیں جاسکتی ہے، جیسے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو پھر دوسرا شخص اُس عورت کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے، تعلق قائم کرسکتا ہے، اسی طریقے سے لونڈی کو جب یہ بیچ دے اور پھر کسی دوسرے کے پاس وہ لونڈی چلی جائے تب وہ اُس کے ساتھ تعلق قائم کرسکتا ہے وگرنہ اس کے ساتھ اُس کو جنسی تعلق قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

پانچویں پابندی

پانچویں پابندی اسلام نے یہ لگائی کہ کسی بھی عام انسان کو عام حالات میں غلام یا لونڈی بنانے کی اجازت نہیں ہے، البتہ جنگی قیدیوں، غلام یا لونڈی بنانے کی اجازت ہے، مگر یہ بھی صرف جواز کی حد تک ہے۔ واجب یہ بھی نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ یہ واحد راستہ ہوسکتا ہو جنگی قیدیوں کے لئے کہ صرف انہیں غلام یا لونڈی ہی بنایا جاسکتا ہے، کوئی دوسرا معاملہ ان کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا نہیں ہے۔

قیدیوں سے متعلق چار صورتیں

بلکہ اسلام نے چار صورتیں بتائیں، پہلی صورت تو یہ ہے کہ جو جنگی قیدی آئے تمہارے مخالف لشکر کفار سے تو انہیں بطور احسان کے آزاد کردو۔

دوسری صورت اسلام نے یہ بتائی کہ ان کا فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو، جیسے حضور اقدس ﷺ نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا تھا، اور ان میں سے بعض کا فدیہ صرف یہ تھا کہ چند مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو تم آزاد ہو۔

تیسری صورت اسلام نے یہ بتائی کہ مسلمان قیدیوں کے ساتھ ان کا تبادلہ کرلیا

جائے ظاہر ہے کہ اگر مسلمانوں نے کافروں کے کچھ لوگوں کو گرفتار کیا ہے تو کافروں نے مسلمانوں کے کچھ لوگوں کو گرفتار کیا ہوگا تو اسلام یہ اختیار دیتا ہے کہ ان کے ساتھ تبادلہ کرلیا جائے، ہم ان کے قیدیوں کو چھوڑ دیں، وہ ہمارے قیدیوں کو چھوڑ دیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ جنگ میں گرفتار ہونے والوں کو قید کرلیا جائے، اب جو لوگ جنگ میں گرفتار ہوئے ہیں ان کے لئے دو صورتیں اختیار کی جاسکتی تھیں، ایک صورت تو یہ تھی کہ انہیں جیل میں ڈال دیا جاتا، مردوں اور عورتوں سے جیلیں بھر دی جاتیں جیسے آج کل بھری ہوئی ہیں، نظام عدل میں گڑبڑ ہونے کہ وجہ سے اور انصاف کے تقاضوں کے پورا ہونے میں تاخیر در تاخیر کی وجہ سے ہماری جیلیں قیدیوں سے بھری پڑی ہیں، تو ایک صورت تو یہ تھی کہ ان جنگی قیدیوں کو جیل میں ڈال دیا جائے مگر ان میں ایک خرابی تو یہ تھی کہ ملکی خزانے پر بہت بڑا بوجھ آجاتا، دوسری خرابی یہ تھی کہ جیلوں میں مختلف بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں، اور تیسری خرابی یہ تھی کہ جنسی جرائم کا بھی اندیشہ تھا۔ جیسا کہ ہورہا ہے، یہ ساری چیزیں سامنے آرہی ہیں، اور چوتھی خرابی یہ تھی کہ ان قیدیوں کے ساتھ بہیمانہ سلوک اور تشدد بھی ہوسکتا ہے۔

مسلمان قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک

جیسا کہ آج بزعم خویش مختلف اقوام مسلمان قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کر رہی ہیں۔ کیوبا میں مسلمان قیدیوں کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا گیا۔ اللہ اکبر۔

آپ اندازہ لگایئے! کہ ہم میں سے اگر کسی کو ایک دو گھنٹے بھی ہاتھ پاؤں باندھ کر اُکڑوں بٹھا دیا جائے تو وہ بیٹھ نہیں سکے گا، اُس کے لئے ایسا بیٹھنا ناقابلِ

برداشت ہو جائے گا۔لیکن کیوبا کے بارے میں ایسی داستانیں سننے میں آئیں کہ مسلمان قیدیوں کو کئی کئی دن اور کئی کئی ہفتے اس حالات میں رکھا گیا کہ ہاتھ بھی باندھ دیئے گئے اور پاؤں بھی باندھ دیئے گئے، آنکھوں پر پٹیاں اور کانوں میں بھی روئی ٹھونس دی گئی، کچھ سن بھی نہ سکے، اس حالت میں ان کو رکھا گیا اور رکھا جارہا ہے، ایسا ظالمانہ سلوک ان کے ساتھ کیا جارہا ہے، ڈاکٹر عافیہ صاحبہ کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہورہا کہ سننے میں آرہا ہے کہ کینسر کی مریضہ ہوگئیں، اور بعض خبریں ایسی بھی ہیں کہ جبراً ان کے ساتھ بدکاری کر کے ان کو حاملہ بھی کر دیا، تو یہ سب چیزیں قیدیوں کے ساتھ پیش آتی ہیں، تو یہ سب خرابیاں تھیں جیل میں ڈالنے کی صورت میں، تو اسلام نے جیل میں ڈالنے کا راستہ اختیار نہیں کیا، بلکہ ان قیدیوں کو غلام اور لونڈی کے طور پر مسلمان میں تقسیم کر دیا۔لیکن شرط یہ لگائی گئی کہ جس کے حصے میں کوئی غلام یا لونڈی آئے تو وہ اس کے حقوق ادا کرنے کا پابندی ہوگا۔

غلاموں کے حقوق

حقوق کیا ہیں؟ اس کے خورد نوش کا معقول انتظام کرنا ہوگا، اور ابھی آپ کے علم میں آئے گا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے یہاں تک فرمادیا کہ ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ان کے لباس کا انتظام کرو، یہاں تک تاکید کی کہ ان کو وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو، ان کو ویسی رہائش دو جیسی رہائش تم نے اپنے لیے اختیار کر رکھی ہے، پھر اُن کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرو اور اُن میں سے جس کے نکاح کی ضرورت ہو اُس کے نکاح کروا دو، یہ بھی اسلام کا حکم ہے اور اُن کے حقوق میں سے ہے۔

چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں جو بے نکاحوں کے نکاح کرنے کا ہمیں حکم دیا تو اُس میں فرمایا کہ:

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ

(سورۂ نور آیت ۳۲ پ ۱۸)

تم میں سے جو بے نکاح ہیں اُن کے نکاح کرواؤ اور صرف آزادوں کے نکاح نہیں کراؤ بلکہ لونڈیوں اور غلاموں کے بھی نکاح کراؤ یہ ہمیں حکم دیا گیا۔

آپ اُن کے حقوق کا اندازہ! اس بات سے لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں والدین اور رشتے داروں کے حقوق بیان کئے وہاں پر اللہ تعالیٰ نے غلاموں اور لونڈیوں کے حقوق بھی بیان کئے، چنانچہ سورۂ نساء کی آیت نمبر: 36 میں اللہ فرماتے ہیں:

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا

''اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ''۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا

''اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو''

وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۙ

''اور قرابت داروں کے ساتھ، یتیموں کے ساتھ، مسکینوں کے ساتھ، مسافروں کے ساتھ اور پڑوسیوں کے ساتھ، قریب کے پڑوسی کے ساتھ، دور کے پڑوسی کے ساتھ، تھوڑے وقت کے پڑوسی کے ساتھ، زیادہ وقت

کے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو"۔

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط

"اور جو تمہاری ملکیت میں غلام اور لونڈیاں اور خدام اور نوکر ہیں ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو"

تو ایک طرف اللہ نے اپنا حق بیان کیا، والدین کا حق بیان کیا، رشتہ داروں کا حق بیان کیا، یتیموں، مسکینوں، مسافروں کا حق بیان کیا، پڑوسیوں کا حق بیان کیا تو ان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے غلاموں اور لونڈیوں کا حق بھی بیان کیا۔ خود رسول اکرم ﷺ نے غلاموں کے حقوق بڑی تاکید کے ساتھ بیان فرمائے۔

غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ حسنِ سلوک

صحیح بخاری میں روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں فرمایا:

إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَاَعِيْنُوْهُمْ

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ: غلام اور لونڈیاں تمہارے بھائی ہیں، یہ تمہارے دوست ہیں ان کو غلام نہ سمجھو، غلام نہ کہو۔ ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: میرا غلام ہے اور اپنے آپ کو یہ نہ کہو کہ میں مالک ہوں۔ اس سے منع فرمایا، بلکہ کہو میرا خادم، میرا نوجوان، یوں کہہ کے خطاب کرو ان سے۔ تو فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی ہیں، تمہارے دوست ہیں، اللہ نے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا تو

جس کی ماتحتی میں کوئی غلام یا لونڈی ہوتو آقا نے فرمایا کہ وہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے، وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے۔اور فرمایا کہ ان کو ان کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلف نہ کرو، ایسا بوجھ نہ ڈالو جس کو وہ برداشت نہ کر سکے، اور اگر انہیں تم کسی بھاری کام کا حکم دو تو تم خود ان کے ساتھ لگ کر کام کرواؤ ان کی مدد کرو۔اسی طریقے سے ایک حدیث میں آتا ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّءُ الْمَلَكَةِ

وہ مسلمان جو غلام کے ساتھ برا سلوک کرے گا وہ جنت میں نہیں جا سکے گا، جنت میں داخل نہیں ہوگا۔یہ آقا نے فرمایا جب کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا: اے اللہ کے نبی! کیا آپ نے ہمیں یہ نہیں بتایا اس امت میں غلام اور یتیم بہت ہوں گے تو پھر کیسے ہم جنت میں جا سکیں گے؟ ممکن ہے کہ ہم سے کوئی برا سلوک ہو جائے تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: ہاں! غلام اور یتیم ہوں گے، لیکن حکم یہ ہے:

فَأَكْرِمُوْهُمْ كَرَامَةَ أَوْلَادِكُمْ وَأَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ

''ان غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ وہ سلوک کرو جو اپنی اولاد کے ساتھ سلوک کرتے ہو، اور ان کو وہ کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اللہ اکبر!

کیا دنیا کے کسی بھی معاشرے میں جنگی قیدیوں کے ساتھ اور جنگی غلاموں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے؟ جس سلوک کا ہمارے آقا ﷺ نے ہمیں حکم دیا؟ حیرت کی بات یہ ہے کہ غلامی کے نظام پر اعتراض کرنے والے اور اس کو اسلام کے چہرے پر بدنما دھبہ بنا کر پیش کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کا اپنا دامن داغ

دار ہے اور وہ انسانوں کے ساتھ خود وہ سلوک کر رہے ہیں جو درندے بھی انسانوں کے ساتھ سلوک نہیں کرتے۔

حضور اقدس ﷺ کو غلاموں کے حقوق کا اس قدر خیال تھا کہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ دنیا سے تشریف لے جا رہے تھے تو آخری جملہ جو اپنی امت کی نصیحت کے لیے آپ کی مبارک زبان سے ارشاد ہوا وہ یہ تھا: اَلصَّلٰوۃَ وَمَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اے مسلمانو! نماز کی پابندی کرنا اور غلاموں اور لونڈیوں اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، دنیا سے جاتے ہوئے بھی حضور اقدس ﷺ کو اس طبقے کے حقوق کا خیال تھا کہ کہیں مسلمان ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کریں۔

اگر ہمیں تاریخ میں کچھ ایسے واقعات ملتے ہیں کہ بگڑے ہوئے بادشاہوں نے، شہزادوں نے، وڈیروں نے، غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا تو اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں، اسلام اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔ اسلام نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ جن لوگوں نے قرآن کو صحیح طریقے سے مانا اور حضور اقدس ﷺ کے ارشادات کے سامنے سر جھکایا انہوں نے غلاموں کے ساتھ اپنے رویے کو یکسر تبدیل کر دیا۔ اور ایسا سلوک ان کے ساتھ کیا کہ اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔

بے مثال واقعہ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ کسی نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اوپر کی چادر اور طرح کی ہے اور نیچے کا تہہ بند اور طرح کا، تو اس نے عرض کیا: حضرت! اگر آپ ایک ہی طرح کی چادر پہنتے تو ایک جوڑا بن جاتا

خوب صورت لگتا، تو فرمایا کہ اصل میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو تم خود پہنتے ہو وہی اپنے غلاموں کو پہناؤ۔ تو میرے پاس جو چادر آئی تھی اگر میں اس سے پورا جوڑا بناتا تو غلام کو میرے معیار کے کپڑے نہیں مل سکتے تھے چنانچہ جیسی اوپر کی چادر میں نے خود پہنی ہے، ویسی ہی چادر میں نے اپنے غلام کو دی۔ اور جیسا تہبند مجھے میسر آیا ویسا تہبند میں نے اپنے غلام کو بھی دیا ہے۔ اگرچہ میرا جوڑا تو مکمل نہ ہوسکا، لیکن میں نے حضور اقدس ﷺ کے فرمان پر عمل کرلیا۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی کسی غلطی کی وجہ سے اپنے غلام کی پٹائی کررہے تھے انہوں نے پیچھے سے آواز سنی کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے او اللہ کے بندے! جتنی قدرت تمہیں اس غلام پر حاصل ہے اس سے کہیں زیادہ قدرت اللہ کو تمہارے اوپر حاصل ہے، جیسے تم اس غلام کے مقابلے میں قوی ہو تو اللہ تمہارے مقابلے میں اس سے کہیں زیادہ تم پر قدرت اور طاقت رکھتا ہے۔ ایک دم انہوں نے اپنا ہاتھ روکا اور دیکھا تو کہنے والے حضور اقدس ﷺ تھے، تو فوراً عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں، تو آقا نے فرمایا: اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو اللہ پاک تمہیں دوزخ کی آگ میں ڈال دیتے۔

مسلمانوں کے غلاموں کے کارنامے

حضور اکرم ﷺ نے غلاموں کے اس قدر حقوق بیان کیے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان پر عمل کیا۔ غلاموں کے حقوق پر زور دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان غلاموں میں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے، بڑے بڑے محدث، بڑے بڑے مفسر، بڑے بڑے مرشد

اور مربی، بڑے بڑے سپہ سالار بلکہ حکمران تک ان غلاموں میں سے بنے، مسلمانوں نے ان کو ایسی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا کہ بعد میں وہ مدارس اور مساجد کو آباد کرنے والے بنے یہاں تک کہ پورا پورا ملک ان کے علمی نور سے منور تھا۔ آپ دیکھیں تو مکہ میں طاؤس ابن ابی رباح جیسی شخصیت تھی جن کا علمی لوہا تسلیم کیا جاتا ہے ۔اور یہ حقیقت میں ایک غلام تھے یمن میں طاؤس ابن کیسان کی علمی شخصیت مسلم تھی۔ حقیقت میں ایک غلام تھے۔ مصر میں یزید بن حبیب مسند درس کو زینت بخشنے والے تھے، اور وہ حقیقت میں ایک غلام تھے، شام میں مکحول اور ضحاک ضماک بن مزاحم بہت بڑے محدث تھے، اور یہ بھی ایک غلام تھے۔ اور یہ سب ایک ہی زمانے کے لوگ ہیں۔ تو مسلمانوں نے غلاموں کے ساتھ ایسا رحم دلی کا سلوک کیا اور ان کی تعلیم وتربیت کا ایسا انتظام کیا کہ ان غلاموں میں، بڑے بڑے محدث، بڑے بڑے مفسر، بڑے بڑے فقیہ، بڑے بڑے مفتی پیدا ہوئے۔ بلکہ میں نے کہا کہ بڑے بڑے سپہ سالار، بڑے بڑے مجاہد: یہ طارق بن زیادہ کون تھے؟ آپ ان کے حالات کا مطالعہ کریں جن کا نام ہم اتنے فخر سے لیتے ہیں تو غلامی ان کے لیے اسلامی تعلیم وتربیت کے حصول کا ذریعہ بن گئی۔ اور انہوں نے دنیا میں ایک نام پیدا کیا۔

اسلام نے غلاموں کو بڑھایا نہیں بلکہ کم کیا ہے

یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھیں کہ اسلام نے غلامی اور غلاموں کی تعداد کو بڑھایا نہیں بلکہ اس کو گھٹانے کی کوشش کی۔ وہ اس طریقے سے بعض ایسے اعمال ہیں، بعض ایسی غلطیاں ہیں کہ ان کا کفارہ اسلام نے یہ رکھا ہے کہ غلام کو آزاد کرو۔ مثال کے طور پر

قتل خطا یعنی اگر کسی سے غلطی سے کوئی قتل ہو جائے تو اس میں دیت بھی آتی ہے، اور غلام کا آزاد کرنا بھی۔ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ایک غلام کا، رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ایک مومن غلام کا آزاد کرنا یہ بھی لازم۔ ''کفارہ ظہار'' اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں، بہن، بیٹی کہہ بیٹھے، ان کے ساتھ تشبیہ دے، أَنْتِ عَلَیَّ كَظَهْرِ أُمِّي جس کو ظہار کہتے ہیں اس طرح کے الفاظ کہہ بیٹھے تو اس کا حکم بھی یہ ہے کہ ایک غلام کو آزاد کرو۔

اگر کوئی شخص روزہ توڑ دے جان بوجھ کر روزہ توڑ دے تو اس کا کفارہ یہ ہے غلام کو آزاد کرو، اگر کوئی شخص قسم کھالے تو قسم کے جو مختلف کفارے ہیں ان میں سے ایک کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرو، اگرچہ صرف یہ نہیں ہے کہ غلام ہی آزاد کرو۔

اللہ جانتے تھے کہ ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ غلام میسر نہ آئے تو پھر کفارہ کیسے دیا جاسکے گا تو اللہ نے اور کفارات بھی بیان کیے، لیکن ان میں سے ایک کفارہ یہ ہے کہ غلام کو آزاد کیا جائے۔ تو ایک تو غلامی کو گھٹانے کے لیے اور غلاموں کو آزادی دینے کے لیے اسلام نے یہ راستہ اختیار کیا کہ مختلف غلطیوں اور مختلف اعمال کا کفارہ غلام کو آزاد کرنا بتایا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے بکثرت غلام آزاد کئے

دوسرا طریقہ اس کے لیے یہ اختیار کیا کہ غلام کو آزاد کرنے کے فضائل بتائے اور ایسی فضیلت کہ ایک حدیث میں ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

جو شخص کسی غلام کو آزاد کرے گا اللہ پاک اس کے ہر عضو کے بدلے میں، غلام

کے ہر عضو کے بدلے میں اس آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو دوزخ سے آزاد فرمائے گا، اس کے چہرے کے بدلے میں اس کے چہرے کو، اس کے ہاتھوں کے بدلے میں اس کے ہاتھوں کو، اس کے پیروں کے بدلے میں اس کے پیر کو، اس کے پورے وجود کے بدلے میں اس آزاد کرنے والے کے پورے وجود کو اللہ پاک جہنم سے آزادی عطا فرمائے گا۔

تو اس قدر فضائل حضور اقدس ﷺ نے بیان فرمائے کہ مسلمانوں نے اپنی طاقت کے مطابق کثرت سے غلاموں کو آزاد کیا۔ نہ صرف یہ کہ اپنے پاس موجود غلاموں کو مسلمان آزاد کرتے تھے بلکہ جن کو غلامی میں دیکھتے تو ان کو خرید، خرید کر آزاد کیا کرتے تھے، آپ جانتے ہیں سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ بھی ان غلاموں میں سے ہیں جن کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کیا تھا۔ خود حضور اقدس ﷺ نے ساٹھ سے زیادہ غلام آزاد کیے، سیدنا عثمان بن عفان محاصرے کی حالت میں تھے اپنی شہادت سے کچھ وقت پہلے محاصرے کی حالت میں، خوف کی حالت ہے، لیکن اس حالت میں بھی سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بیس غلام آزاد کیے ہیں، حضرت ذوالقلاع حمیری کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک ہی دن میں آٹھ ہزار غلام آزاد کیے، اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ان کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے تیس ہزار غلام آزاد کیے، اسی طریقے سے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آتا ہے ہر ایک نے اپنی استطاعت کے مطابق خرید خرید کر غلاموں کو آزادی عطا کی، تاکہ انہیں جہنم سے آزادی ملے، اور

تا کہ وہ حضور اقدس ﷺ کی بشارتوں کے مصداق بن سکیں، تو اسلام نے غلامی اور غلاموں کی تعداد بڑھانے کی کوشش نہیں کی، اس کو گھٹانے کی کوشش کی۔

کیا کسی کو غلام بنایا جاسکتا ہے؟

جہاں تک نفسِ مسئلہ کا تعلق ہے کہ کیا کسی کو غلام بنایا جاسکتا ہے؟ تو سیدھی سی بات ہے کہ بھائی! اسلام کا جو حکم ہے وہ یہ ہے کہ مخصوص حالات میں جب شرعی جہاد ہو، اور شرعی جہاد کے موقع پر جو لوگ گرفتار ہوں انہیں غلام بنایا جاسکتا ہے۔ اور ہمیں یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے شرمانے کی ضرورت نہیں کہ اسلام میں غلام بنانا جائز ہے۔ ہاں! جائز ہے مخصوص حالات میں اسلام ہمیں اس کی اجازت دیتا ہے، البتہ اللہ کا شکر ہے کہ اسلام میں دوسرے شعبوں کی طرح اور دوسرے مسائل کی طرح غلامی کے مسئلے میں بھی انقلابی اصلاحات کی ہیں۔ تو جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے غلامی کا نظام تھا اسلام نے اس کی اجازت دی، اسلام میں اس کا جواز ہے، اسلام میں اس کے احکام ہیں۔

موجودہ حالات میں غلام بنانا ٹھیک نہیں

لیکن اگر آج کے حالات کے تناظر میں ہم اس مسئلے کو دیکھیں تو اب یہ مسئلہ صرف کتابی حد تک رہ گیا، عملی زندگی میں اس کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، بالخصوص جبکہ اقوام متحدہ نے اسے ممنوع قرار دے رکھا ہے، اور مسلمانوں نے بھی اقوام متحدہ کے چارٹر پر دستخط کیے ہوئے ہیں۔ اور اس اقوام متحدہ کے چارٹر کی رو سے متحارب اقوام ایک دوسرے کے قیدیوں کو غلام نہیں بنا سکتے، تو اب جبکہ ہم نے دستخط کیے

ہوئے ہیں تو ہمیں جنگ کی صورت میں بھی چاہے جنگ اپنے بدترین دشمن کے ساتھ کیوں نہ ہو، اس کے قیدیوں کو غلام یا لونڈی بنانے کی اجازت نہیں ہے، کیوں کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ اسلام نے جو ہم پر پابندیاں لگائیں ان میں سے ایک پابندی یہ بھی ہے کہ اگر تم کسی قوم کے ساتھ معاہدہ کرلو کہ ہم ایک دوسرے کے جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈی کا درجہ نہیں دیں گے، تو پھر ہمارے لیے اس معاہدے کی پابندی کرنا ضروری ہے، اسلام کا حکم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ

(سورۃ المائدہ 1، پ6)

اے ایمان والو! جو وعدے کرو جو معاہدات کرو ان معاہدات کو پورا کرو، اگرچہ اس معاہدے پر عمل کرنا کتنا ہی مشکل نظر آتا ہو، لیکن جب معاہدہ کرو تو اس معاہدے کو پورا کرو تو جب کسی جائز معاملے میں معاہدہ کیا جائے گا تو اس معاہدے کو پورا کیا جائے گا۔ غلام یا لونڈی بنانا یہ کوئی فرض اور واجب کا درجہ رکھتا نہیں۔ ایک جواز ہے اسلام نے اس کو جائز کی حد تک رکھا، اور اس میں اصلاحات کیں، تو ہم بوقت ضرورت اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم نے کسی قوم کیساتھ معاہدہ کرلیا کہ ہم ایک دوسرے کے جنگی قیدیوں کو غلام نہیں بنائیں گے تو پھر ہمارے لیے غلام بنانا جائز نہیں۔ تو بھائی! یہ جو مسئلہ ہے اسلام میں غلامی کا تصور اس مسئلے کے بارے میں میں نے ایک مجموعی بات کی اب جو سات سوالات اٹھائے گئے ہیں، میں مختصر طور پر ان کے بارے میں بات کر دیتا ہوں۔

ان میں سے پہلا سوال یہ اٹھایا گیا کہ:

پہلا سوال: کیا انسان کو غلام بنانا جائز ہے؟

تو جیسے عرض کیا تفصیل کے ساتھ میں نے عرض کر دیا کہ عام حالات میں انسان کو غلام بنانے کی بالکل اجازت نہیں ہے، البتہ جب شرعی جہاد ہو اور ہمارا کسی قوم کے ساتھ غلام بنانے کا معاہدہ نہ ہو تو اس صورت میں جنگی قیدیوں کو غلام بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کے ان حقوق کا ادا کرنا بھی ضروری ہے جن حقوق کے ادا کرنے کا اسلام نے ہم کو پابند بنایا ہے۔

دوسرا سوال: کیا دنیا میں غلامی کے نظام کو رواج دینے کا ذمہ دار اسلام ہے؟

ہرگز نہیں! آپ نے جو تفصیل سے بات سنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! نہ تو اسلام غلامی کے نظام کا بانی ہے نہ اس کو رواج دینے والا، یہ اسلام سے پہلے سے ہی غلامی کا نظام چلا آ رہا تھا اسلام کو اس نظام میں انقلابی قسم کی اصلاحات کا موقع ملا ہے، اسلام نے اس کو رواج نہیں دیا اور اس کو گھٹانے کی کوشش کی ہے۔

تیسرا سوال: سرخ ہندی کون تھے؟ اور ان پر انسانیت سوز مظالم کس نے ڈھائے؟

آج تو بہت سارے مسلمان دہشت گردی کے الزامات سن کر اور بنیاد پرستی کے الزامات سن کر سر چھپاتے پھرتے ہیں اور سمجھتے ہیں واقعی شاید ہم دہشت گرد ہیں، واقعی ہم لوگوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں لیکن اگر آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو انسانیت

پر ظلم کل بھی زیادہ تر مغربی اقوام نے اور ان میں بھی نمایاں عیسائی اقوام نے مظالم ڈھائے تھے، اور آج بھی ان کا دامن مظالم سے داغ دار ہے، پوری دنیا میں ظلم وستم ڈھانے والے آج بھی وہ ہیں آج دنیا میں کہیں بھی انسانوں کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جاسکتا جو مغربی اقوام مسلمانوں کے ساتھ روا رکھے ہوئے ہیں۔

چوتھا سوال: آزادی اور غلامی کا حقیقی معیار کیا ہے؟

توجہ سے سن لیجیے گا! جو ہمیں قرآن نے سوچ دی ہے اور اللہ کے نبی نے سوچ دی ہے اس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں حقیقی آزاد شخص وہ جو ایمان رکھتا ہے اللہ اور اس کے رسول پر، جو اطاعت کرتا ہے اللہ کے احکام کی اور جس نے رسول اکرم ﷺ کی غلامی کو اختیار کیا ہے۔ حقیقی آزاد وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کا غلام ہو، حقیقی آزاد وہ شخص ہے جو اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتا اور حقیقی آزاد وہ شخص ہے جو کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا، حقیقی آزاد وہ شخص ہے جو اللہ کے سوا نہ کسی سے امید رکھتا ہے اور نہ کسی سے ڈرتا ہے، ورنہ انسانوں میں سے بے شمار ایسے ہیں جن میں سے ہر کوئی کسی نہ کسی غلامی میں مبتلا ہے۔ اگر ہم نظر ڈالیں تو یہاں کئی ممالک دوسرے ممالک کے غلام ہیں کوئی امریکا کا غلام ہے، کوئی برطانیہ کا غلام ہے، اور کوئی دولت کا غلام ہے، کوئی شہرت کا غلام ہے، کوئی شہوت کا غلام ہے اور کوئی اپنے نفس کا غلام ہے۔ تو حقیقتاً غلام وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی غلامی کو چھوڑ کر دوسروں کا غلام ہے۔ اور حقیقی آزاد وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی احکام کی اطاعت اور پابندی کرتا ہے۔

ایک نکتہ: ایک عجیب نکتہ آپ کو بتاؤں کہ آپ فقہ کی کتابیں اٹھائیں تو ان کے اس کے ضمن میں آپ کو یہ مسئلہ ملے گا کہ لونڈی کے لیے پردہ نہیں ہے، لیکن آزاد عورت کے لیے پردہ ہے تو یہ علامت تھی اس زمانے میں جس وقت اسلام ہر شعبے میں زندہ تھا، اور قرآن کریم کی تعلیمات پر ہر شعبے میں عمل کیا جاتا تھا۔ تو کسی عورت کے آزاد ہونے کی علامت یہ تھی کہ وہ پورے پردے میں ہوتی تھی، اور لونڈی پوری پردے میں نہیں ہوتی تھی اس سے پہچان لیا جاتا تھا کہ یہ آزاد نہیں ہے بلکہ لونڈی ہے۔ اب میں کیسے کہوں میری بہنیں اور بیٹیاں کہیں ناراض نہ ہو جائیں کہ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ بے پردہ پھرتی ہیں وہ لونڈیاں ہیں حقیقت میں، اور جو پردے والی ہیں وہ آزاد ہیں۔ لیکن آج معاملہ بالکل الٹ کر دیا گیا جو پردے میں ہیں ان کو لونڈیاں سمجھا جاتا ہے اور جو پردے سے محروم ہیں ان کو آزاد کہا اور سمجھا۔ تو آزادی اور غلامی کا حقیقی معیار اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پابندی ہے یہ آزادی ہے اور ان سے بغاوت ہی حقیقت میں غلامی ہے۔

پانچواں سوال: کیا اب بھی جنگی قیدیوں کو غلام یا لونڈی بنایا جا سکتا ہے؟

میں نے عرض کیا کہ اس وقت جو حالات ہیں کہ تمام ممالک نے اقوام متحدہ کے چارٹر پر دستخط کیے ہوئے ہیں تو ان حالات میں اگر ہماری بھارت کے ساتھ بھی جنگ ہو یا اسرائیل کے ساتھ بھی جنگ ہو تو ہم ان کے قیدیوں کو غلام یا لونڈی نہیں بنا سکتے۔ اس لیے کہ جہاں ہم نے اقوام متحدہ کے منشور پر دستخط کیے، بھارت اور اسرائیل نے بھی دستخط کر رکھے ہیں۔ لہٰذا ہمارے لیے ایک دوسرے کے قیدیوں کو

غلام یا لونڈی بنانا جائز نہیں ہے۔

چھٹا سوال: ماڈرن انسان نے غلامی کی کون سی شکلوں کو رواج دیا ہے؟

ویسے تو مختلف صورتیں ہیں، لیکن میرے خیال میں ان میں سے جو سب سے موثر صورت ہے اور بدترین صورت ہے غلامی کی، وہ معاشی ہے۔ یہ جو قرض دینے والے ادارے ہیں عالمی ادارے، جتنے بھی ادارے ہیں، یہ جن قوموں کو قرض دیتے ہیں حقیقت میں ان کو غلام بنانے کے لیے قرض دیے جاتے ہیں، تو یہ غلامی کی ایک بدترین صورت ہے کہ قرضوں میں جکڑ لیا گیا کہ آج پاکستان میں پیدا ہونے والا ہر بچہ کئی ہزار روپے کا مقروض ہوتا ہے۔ باوجود یہ کہ اس نے کسی سے ایک پائی بھی نہیں لی وہ مقروض ہو جاتا ہے۔ جو قومیں قرض دے کر قوموں کو غلام بناتی ہیں، پھر وہ ان سے اپنی مرضی کی سیاست بھی چاہتی ہیں، اور اپنی من مانی بھی ان پر چلاتی ہیں۔ چاہتی ہیں کہ سیاست بھی ان کی مرضی کے مطابق کی جائے، حکومتوں سے تعلقات بھی ان کی مرضی کے مطابق کیے جائیں اور بجٹ بھی ان کی مرضی کے مطابق اور ٹیکس بھی ان کی مرضی کے مطابق نکالا جائے۔ تو یہ ایک بدترین غلامی ہے جس کے اصل بانی یہود ہیں، اور انہوں نے اس کو پوری دنیا میں رواج دینے کی کوشش کی، اور آزاد قوموں اور آزاد ممالک کو ایک بدترین قسم کی غلامی میں جکڑنے کی کوشش کی ہے۔

اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ اسلامی ممالک پر جو غیر مسلموں کے ایجنٹ بیٹھے ہوئے ہیں یہ بھی غلام ہیں۔ اور آگے انہوں نے اپنی قوموں کو غلام بنا رکھا ہے، تو یہ بھی ایک غلامی ہی کی صورت ہے، اللہ تعالیٰ وہ وقت ہمیں عطا فرمائے کہ ہمارے حکمران

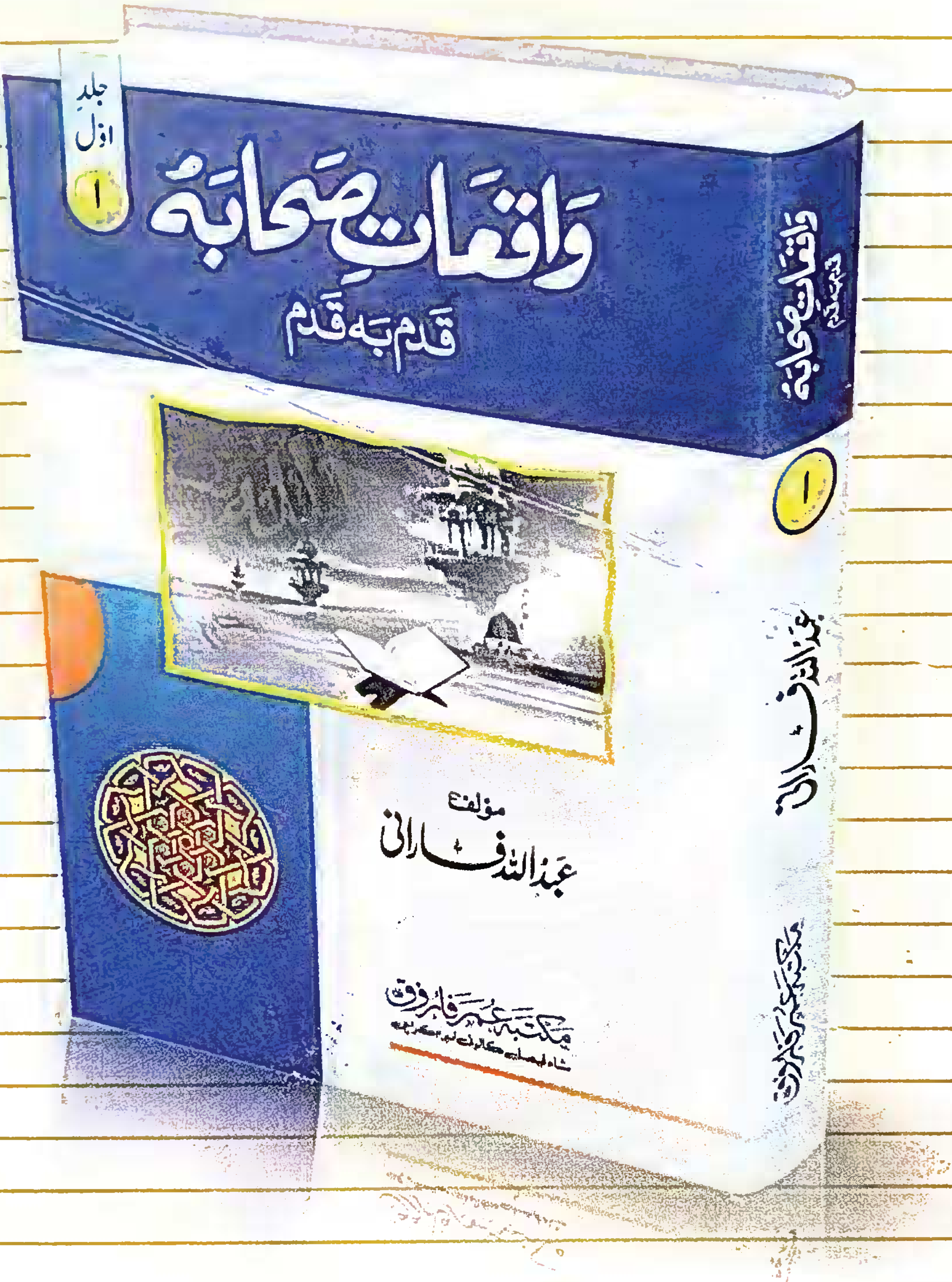
غیروں کی غلامی سے آزاد ہوں، اور ہم اپنے فیصلے کتاب وسنت کی روشنی میں کر سکیں، اللہ ہمیں وہ دن دکھائے جب عالم اسلام میں خلافت کا نظام قائم ہو اور بجائے اس کے کہ ہم غیروں سے ہدایات لیں ہم غیروں کو ہدایت دینے والے بنیں۔ آخری اور ساتواں سوال جو کیا گیا۔

ساتواں سوال: جدید دور میں عورتوں کی خرید وفروخت کو اسلام کس نگاہ سے دیکھتا ہے اور کیا خریدی گئی عورت کا حکم لونڈی کے ضمن میں آئے گا؟

بات یہ ہے کہ کسی بھی آزاد مرد یا عورت کی خرید وفروخت حرام ہے، اسے نہ خریدا جا سکتا ہے نہ بیچا جا سکتا ہے۔ آج ہمارے پاکستان میں بھی بعض علاقوں میں رواج ہے بیٹیوں کو بیچتے ہیں، بہنوں کو بیچتے ہیں، ان کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ یاد رکھیے! یہ قطعاً حرام ہے، اس کی کوئی صورت اسلام میں جائز نہیں ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو بیچ کر جو کچھ وصول کرتے ہیں اس کو مہر کا نام دیتے ہیں، اور یہ قطعاً غلط ہے جب کہ مہر تو عورت کا حق ہوتا ہے اور یہاں بیچنے والا باپ یا بیچنے والا بھائی اپنی بیٹی اور بہن کی قیمت وصول کرتا ہے۔ تو اسلام میں کسی بھی آزاد کی خرید وفروخت چاہے وہ مرد ہو یا عورت، حکم لونڈی کے ضمن میں آئے گا؟ یہ جائز نہیں ہے، باقی یہ جو کہا خریدی گئی عورت کا حکم لونڈی کے ضمن میں آئے گا، قطعاً نہیں! کوئی بھی خریدی گئی عورت اس کو لونڈی کا حکم نہیں دیا جا سکتا، وہ آزاد ہے اللہ نے اس کو آزاد پیدا کیا وہ آزاد ہی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ مجھے اور آپ سب کو اور پورے عالم انسان کو حقیقی آزادی نصیب فرمائے۔ اور ہر طرح کی غلامی سے چاہے وہ اغیار کی غلامی ہو، چاہے اپنے نفس و خواہشات کی غلامی ہو، اللہ ہمیں سے آزادی اور رہائی نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ



مکتبہ عمر فاروق

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

Tel: 021-34604566 Cell: 0334-3432345

Designed & Printed by: Luminar Graphics Ph: 021 32727728